

# جدید جاہلیت

(جاهلیۃ القرن العشرین)



مصنف: سید قطب شہید

ترجمہ

ساجد الرحمن صدیقی

[www.bookmaza.com](http://www.bookmaza.com)

البدن پبلی کیشنز - ۲۳ راجت پارکیت رو بازار لاہور - ۲

جملہ حقوق بحق ادارہ منارف اسلامی کراچی محفوظ ہیں

اشاعت اول نومبر ۱۹۷۶ء ————— ۱۱۰۰

دوم مارچ ۱۹۸۰ء ————— ۱۱۰۰

مطبع

عبدالحقینظ احمد زیر اہتمام

قیمت ۷۵ روپے

ڈالٹہ و فٹن۔ البندیر پبلیشرز ۲۳ راحت مارکیٹ، اردو بازار۔ لاہور

آداب پرنٹرز ریجی گن روڈ۔ لاہور

ISBN 969 - 400 - 090 - 4

# فہرست مضامین

- |                                   |                                  |
|-----------------------------------|----------------------------------|
| عقیدہ اور شریعت ۵۵                | گزارش مترجم ۷                    |
| طاغوت ۵۶                          | مقدمہ مصنف ۹                     |
| نفسیاتی شہوتیں ۵۷                 | تمہید ۱۷                         |
| جدید جاہلیت کی خصوصیات ۶۰         | تاریخ کا ایک صفحہ ۲۲             |
| تصور و شعور کا فساد ۶۶            | جاہلیت اور اسلام ۲۲              |
| ذہیب اور زندگی کی دعویٰ ۷۰        | چند مثالیں ۲۳                    |
| صنعتی انقلاب ۷۲                   | حضرت شعیب کا پیغام ۲۵            |
| مادی جبریت ۷۵                     | حضرت موسیٰ کی آمد ۲۶             |
| نیچر کیا ہے؟ ۷۷                   | دین اسلام ۲۷                     |
| سائنس کی بے چارگی ۷۸              | جدید جاہلیت کا نشوونما ۲۸        |
| تاریخ کی مادی تعبیر ۸۱            | یونانی جاہلیت ۲۹                 |
| الٹا مشیت ۸۵                      | تقدیر الہ ۳۰                     |
| تخلیق کائنات کے بارے میں نظریہ ۸۷ | عقل کی پرستش ۳۲                  |
| انسان کا مقام ۹۰                  | رومی جاہلیت ۳۳                   |
| جدید داروینیت ۹۲                  | رومی جاہلیت کا نظام عدل ۳۵       |
| زائد کی جنسی تعبیر ۹۴             | مسیحیت اور کلیسا ۳۶              |
| فکر کا بگاڑ ۹۶                    | یورپ کی نشاۃ ثانیہ ۳۸            |
| فردیت اور اجتماعیت ۱۰۰            | ڈاروینیت اور صنعتی انقلاب ۴۱     |
| دور اول کے مسلمان ۱۰۳             | عالمی یہودیت اور نظریہ ارتقاء ۴۶ |
| قوموں کے باہمی تعلقات ۱۰۵         | جدید جاہلیت کی علامات ۴۸         |
|                                   | عقیدہ کا سطحی رجحان ۴۹           |

- اصل حقیقت ۱۵۲  
 اخلاق کا بگاڑ ۱۵۳  
 مغربی اخلاق کا سرچشمہ ۱۵۶  
 قدیم یونانی فلسفہ ۱۵۸  
 نظام اقتصاد کی نیا اخلاقی بنیادیں ۱۶۰  
 اخلاقی سرمایہ کا خاتمہ ۱۶۲  
 مسلمانوں کا اعلیٰ بیوں سے تعامل ۱۶۶  
 مغربی اخلاق کی مثال ۱۶۷  
 فرانس کی مثال ۱۶۹  
 امریکہ کی مثال ۱۷۰  
 انگلستان کی مثال ۱۷۰  
 روس کی مثال ۱۷۰  
 اباحت پسندی ۱۷۱  
 جنسی تعلقات کا بگاڑ ۱۷۵  
 رہبانیت ۱۷۷  
 رہبانیت کا جاہلی رد عمل ۱۷۹  
 اختلال پذیر معاشرہ ۱۸۰  
 ہتہ گیر بگاڑ ۱۸۳  
 امریکہ میں بے راہ روی ۱۸۶  
 مستقبل کے بارے میں تردد ۱۸۷  
 آرٹ اور فن کا بگاڑ ۱۹۰  
 اثبات ذات ۱۹۲  
 ذہنی عبادت ۱۹۳  
 تحریک روحانیت ۱۹۴

- عمل کا بگاڑ ۱۰۸  
 قد اور عمل کا رشتہ ۱۰۹  
 نجیست جاہلیت ۱۱۱  
 سیاست کا بگاڑ ۱۱۳  
 یورپ کا جاگیرداری نظام ۱۱۳  
 نئی تبدیلی ۱۱۶  
 انسانی آزادی ۱۱۸  
 ظلم و ستم کی مثالیں ۱۲۰  
 مزدوروں کی آمریت ۱۲۲  
 رجحیت کا خاتمہ ۱۲۶  
 اسلام اور جاہلیت کی جنگ ۱۲۷  
 انسان پر انسان کی حکمرانی ۱۲۹  
 انفرادی ملکیت ۱۳۱  
 اجتماعی ملکیت ۱۳۲  
 معاشرہ کا بگاڑ ۱۳۲  
 فرد کا تقدس ۱۳۵  
 کلیسا کے اقتدار سے چٹکارا ۱۳۶  
 عورت کی آزادی ۱۳۸  
 تیسری جنس کا ظہور ۱۴۰  
 عورت کا مادری عمل ۱۴۲  
 بورژوا طبقہ ۱۴۵  
 فرد کی آزادی ۱۴۶  
 اجتماعیت ۱۴۸

- اسلام اور اجتماعی مسائل ۲۲۲  
 اسلام اور انفرادیت ۲۲۵  
 اسلام اور اجتماعیت ۲۲۷  
 نظام سرمایہ داری اور فرد کی بغاوت ۲۵۰  
 اسلام کی انسانیت کے ہمدردی ۲۵۲  
 اسلام میں عورت کا احترام ۲۵۳  
 تمام معاملات کی اساس - اخلاق ۲۵۶  
 سیاست خارجی کی ایک مثال ۲۶۲  
 حرمت سود ۲۶۳  
 اخلاق کا اعلیٰ ترین معیار ۲۶۳  
 جدید جاہلیت میں اسلامی اخلاق  
 کے باقی ماندہ آثار ۲۶۶  
 اسلام اور جنس ۲۶۷  
 زواہش کی حرمت ۲۶۹  
 عطف کا پہلو ۲۷۲  
 اسلامی فن کا طریق کار ۲۷۶  
 انسان کی واقعیت ۲۸۰  
 اسلام کیوں ناپسند ہے؟ ۲۸۳  
 جاہلیت کا موقف ۲۸۶  
 انحراف کا آغاز  
 جدید جاہلیت کی اسلام دشمنی ۲۸۸  
 اسلام کے خلاف صلیبی صحیوئی سازش ۲۹۰  
 عالم اسلام کی سرکش قوتیں ۲۹۱

- ادب الحاد ۱۹۶  
 سریالیت ۱۹۷  
 فلسفہ وجودیت ۱۹۸  
 جنسی ادب ۱۹۹  
 ہر شے میں بگاڑ ۲۰۱  
 تاریک جاہلیت ۲۰۳  
 اللہ کی سنت ۲۰۴  
 اسلام کے سوا کوئی راہ نجات نہیں ہے ۲۰۵  
 انسانیت کا مستقبل ۲۰۶  
 فکر کی استقامت ۲۰۸  
 عقیدہ توحید ۲۱۰  
 حاکمیت اعلیٰ ۲۱۲  
 جاہلیت کی بنیادی گمراہی ۲۱۴  
 کائنات اور عبادت الہی ۲۱۴  
 زندگی کا مکمل تصور ۲۱۷  
 بروج اور خاک کا امرت نراج ۲۲۰  
 انسان ایک مربوط وجود ۲۲۲  
 اسلامی جماعت کا ظہور ۲۲۲  
 انقلابِ عظیم ۲۲۳  
 اسلامی تہذیب کے تہذیبِ مغرب پر اثرات ۲۲۸  
 امت مسلمہ کا انحراف ۲۳۰  
 اللہ کے قانون کی حاکمیت ۲۳۳  
 اسلام کے نظام سیاسی کے چند اصول ۲۳۷  
 اسلام کا نظام اقتصاد

مستقبل میں اسلام کا غلبہ ۳۰۸  
 شمس و انوار کے بیانات ۳۰۹  
 اسلام، انسانیت کا مستقبل ۳۱۲  
 تحارف مترجم ۳۱۶

عالم اسلام میں دانشوروں کا طبقہ ۲۹۲  
 عالم اسلام اور آزادی نسواں ۲۹۳  
 جمہوریت مسلمان ۲۹۷  
 انسانیت کی اللہ کی طرف واپسی ۳۰۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## گزارش مترجم

دور جدید کے مفکرین اسلام میں محقر قطب کا نام اس لحاظ سے سرفہرست ہے کہ انہوں نے اپنی تصانیف میں بڑی خوبی اور عقل استدلال کے ساتھ اسلام کی ایسی تعبیر نو پیش کی ہے جو جدید ذہن کے لیے قابل قبول ہو سکے۔

محقر قطب اسلامی علوم پر گہری نگاہ اور نظر بصیرت کے ساتھ جدید علوم پر مضبوط گرفت اور ناقدانہ رائے رکھتے ہیں۔ انہوں نے تہذیب نو کا ہمہ جہتی مطالعہ کیا ہے اور مغربی تہذیب کے فکری محورین کی نشان دہی کی ہے اور اس مادہ پرست تہذیب کے بخیلے اُدھیڑ کر انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کی ساری چمک دمک و اصل جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے۔

انہوں نے بتایا ہے کہ انسان جن آفات و آلام میں گھرا ہوا ہے ان سے چھٹکارے کا واحد راستہ صرف یہی ہے کہ انسان اسلام کے ایمان رحمت میں پناہ لے۔ اس نظریہ کو پیش کرنے کے لیے انہوں نے مدلل و پر شکوہ انداز بیان، سبک و روان اسلوب نگارش اور موثر و دل نشین طرزِ سخن کو اپنایا ہے۔

یہاں محقر قطب کی چند اہم تصانیف کا تعارف دیا جاتا ہے تاکہ قارئین ان کی ذمہ داری سے ان کتب سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۱۔ الانسان بین المادیات والاسلام۔ یہ کتاب مصنف کے مطالعہ نفسیات کا چوتھا حصہ ہے اور اس میں آپ نے دور جدید کے تمام مادی افکار پر نہ صرف یہ کہ بھرپور تنقید کی ہے بلکہ انسانیت کو جدید مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کیا ہے اور اسلامی نفسیات کی اساس قائم کر دی ہے۔ اس کتاب کا اہم المصروف کا اردو ترجمہ اسلام اور جدید مادی افکار کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ التطور والثبات فی النفس البشریة۔ اس کتاب میں مصنف نے نظریہ ارتقاء اور دیگر مادی افکار پر دست تنقید کی ہے اور ان افکار کے بالمقابل اسلامی نقطہ نظر کو اجاگر کیا ہے اور

اس کتاب کا راقم الحروف کا ترجمہ انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔  
 ۳۔ منہج التربیۃ الاسلامیۃ۔ اس کتاب میں مصنف نے قرآن کریم کی روشنی میں  
 یہ وضاحت کی ہے کہ اسلام نے نفس انسانی کا کیا منہاج متعین کیا ہے اور وہ انسان صالح کی تعمیر  
 کے لیے کیا ذرائع اور وسائل اختیار کرتا ہے۔ یہ کتاب راقم الحروف کے زیر ترجمہ ہے اور عنقریب  
 اسلام کا نظام تربیت کے نام سے شائع ہونے والی ہے۔

۴۔ جاہلیت القرون العشرین۔ اس کتاب میں مصنف نے جاہلیت کی تاریخ  
 اور جاہلیت اور اسلام کی کشمکش کو بالتفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جدید جاہلیت تاریخ کی  
 تمام جاہلیتوں میں سب سے بدترین، سب سے خبیث اور سب سے عیاں جاہلیت ہے اور اس جاہلیت نے  
 انسانیت کو اس قدر مصائب و آلام اور آفات میں مبتلا کر دیا ہے کہ تاریخ میں کبھی انسانیت اس قدر  
 ہولناک مصائب سے دوچار نہیں ہوئی تھی اور اب انسانیت کے لیے واحد راہ نجات یہی ہے کہ انسا  
 نیت  
 اسلام کی جانب لوٹ آئے اور انشاء اللہ مستقبل قریب میں انسانیت اللہ سبحانہ کی جانب رجوع  
 کرنے والی ہے۔

زیر نظر ترجمہ اسی کتاب کا ہے اس کا پہلا ایڈیشن نومبر ۱۹۷۷ء میں شائع ہو کر قبول عام حاصل کر  
 چکا ہے۔ مگر اس پہلے ایڈیشن میں ترجمہ کی کئی خامیاں اور کتابت و طباعت کی متعدد غلطیاں تھیں۔  
 اب میں نے جناب محترم عبدالعفیظ احمد صاحب کے فرمانے پر اس کتاب کی نظر ثانی کر کے بڑی حد  
 تک اصلاح و ترمیم کر دی ہے اور دراصل یہ اب بالکل نیا ترجمہ ہو گیا ہے امید ہے کہ قارئین کرام  
 اس ترجمے کو پسند فرمائیں گے اور ترجمہ کو اپنی دعوات صالحات میں یاد رکھیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ!

ساجد الرحمن صدیقی کاندھلوی



# مقدمہ

زیر نظر کتاب کے اس نام پر کئی لوگوں کو تعجب بھی ہو گا اور اس پر بڑا حیرت کا اظہار بھی کریں گے کہ کیا بیسویں صدی میں انسانیت نے تہذیب و تمدن کی جو معراج حاصل کی ہے اور سائنسی تحقیقات کے ذریعے جس طرح ساری کائنات کو مسخر کر لیا ہے۔ ایٹم کو پھاٹڈالا اور اٹکٹ ایجاد کر لیے ہیں کیا یہ سب جاہلیت ہے! بلاشبہ آج انسان نے وہ بلندی اور عظمت حاصل کر لی ہے جو اس سے پہلے انسان کو کبھی حاصل نہ ہوئی تھی اور آج انسان جس طرح کائنات کو مسخر کر کے اس پر غلبہ اور بالادستی حاصل کر چکا ہے۔ اس کے بارے میں اس کرۂ ارضی پر بسنے والا کوئی شخص دس بیس سال پہلے تک بھی تصور تک نہ کر سکتا تھا۔ بتائیے ہم پھر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ انسان آج کی اس بیسویں صدی میں جاہلیت کی زندگی گزار رہا ہے۔ حالانکہ آج کے انسان کو مکمل آزادی حاصل ہے اور وہ مساوات، جمہوریت اور سماجی انصاف کے اصولوں کی روشنی میں زندگی گزار رہا ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اس تابناک دور کو جاہلیت کا نام دے دینا موزوں نہیں ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بعینہ لوگوں کا خیال ہے کہ جاہلیت اسلام سے پہلے کے عرب کے تاریخی دور کا نام ہے۔ اس خیال کے حامل سادہ لوح نیک لوگ بھی ہیں اور عام لوگ بھی۔ نیک اور سادہ لوح لوگ اس بات پر پورا یقین رکھتے ہیں کہ بعثت نبویؐ سے پہلے کے عرب کی جو حالت اسلام نے بیان کی ہے وہ بالکل درست اور صحیح ہے اور وہ فی الواقع جاہلیت تھی، جبکہ عام لوگ ہر جانب سے غیر اسلامی افکار میں گھرے ہوتے ہیں اور عصبیتوں کا شکار ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”جس نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں ہے“

یہ عصبیتوں کا شکار لوگ جاہلیت کا پچاؤ اور اس کی مدافعت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن نے عرب معاشرہ میں جس جاہلیت کی نشاندہی کی ہے۔ وہ سرے سے جاہلیت ہی نہ تھی۔ بلکہ اس وقت کا عرب معاشرہ ایسے کمالات، حقیقی اقدار، علوم اور تہذیب و تمدن کا حامل تھا جسے اس نے رومیوں اور ایرانیوں سے میل جول کے دوران حاصل کیا تھا اور یورپ کے مستشرقین بھی اپنی تصانیف میں اسی رائے کی تائید کرتے ہیں۔ بہر حال یہ آزاد خیال انارکسٹ اپنے خاص نقطہ نظر کے تحت سرے سے یہ تصور ہی نہیں کر سکتے کہ آج اس بیسویں صدی میں جاہلیت کا دور دورہ ہے۔ بالخصوص جبکہ ان کی تحقیق کا معیار وہ ہو جو ہمارے سامنے آیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ جاہلیت کے حقیقی معنی اور قرآن کے متعین کردہ منشا و مراد سے بے خبر ہیں۔

سادہ لوح لوگ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت، شرک بت پرستی، انتقام اور ان بُری عاداتوں کا نام ہے۔ جو اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں موجود تھیں۔ گویا یہ مظاہر جاہلیت کو بعینہ جاہلیت سمجھ بیٹھے۔ اسی لیے اس کی ایک خاص شکل ایک مخصوص زمانے اور جزیرہ نمائے عرب کے اس علاقے میں متعین کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جاہلیت ختم ہو گئی۔ اب کبھی بھی اور کہیں بھی جاہلیت رونما نہیں ہو سکتی۔

جبکہ دیگر لوگ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت علم و تمدن، مادی ترقیات، فکری، اجتماعی، سیاسی اور انسانی اقدار کے بالمقابل ہے۔ چنانچہ وہ اپنی ساری قوتیں یہ ثابت کرنے میں لگا دیتے ہیں کہ عرب جاہلیت زدہ نہیں تھے۔ انہی میلانات سے مجبور ہو کر جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے، کیوں کہ ان کے خیال میں عرب علم و فن سے اچھے خاصے واقف اور کافی حد تک تہذیب آشنا تھے وہ سخی اور سہادر تھے مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے تھے اور شرافت کے حصول میں جان تک کی بازی لگا دیتے تھے اسی قسم کی ان میں اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ اس لئے قرآن کا عربوں کے اس دورِ جاہلیت کا نام دینا کسی تاریخی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ بیسویں صدی میں جاہلیت کے دورِ دورہ کی باتیں کی جائیں جبکہ

۱۰ جس نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کیلئے قتال کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر مر گیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم، نسائی، ابوداؤد)

اس صدی میں انسان مادی ترقیات کی ان بلندیوں تک پہنچ چکا ہے۔ جن ترقیات کا اس دور سے قبل تصور بھی مشکل تھا۔

ہماری نظریں یہ دونوں ہی طبقے جاہلیت کے حقیقی معنی اور قرآن کی اصل منشا سے قطعی متاثر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جاہلیت معاشرے کی کسی مخصوص شکل اور تاریخ کے کسی خاص دور کا نام نہیں ہے بلکہ جاہلیت معاشرے کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ اس کے مظاہر معاشرے کی حالت اور زمانے کی رفتار کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ سب صورتوں میں قدر مشترک یہی ہوتی ہے کہ سب ہی جاہلیت کے نوع بہ نوع پکیر ہیں۔ اگرچہ ہر پکیر اپنی ظاہری شکل میں دوسرے سے مختلف ہے۔ اس لحاظ سے خواہ ذکرہ اسلام سے پہلے کی جاہلیت کا ہویا دور جدید کی جاہلیت کا، یہ جاہلیت علم و فن مادی ترقی اور انسان کی فکری اور سماجی اقدار کی ضد اور اس کے منافی نہیں ہے۔

بلکہ قرآن کریم کے منشا و مراد کے مطابق جاہلیت اس نفسیاتی کش مکش کا نام ہے جس میں چسپ کر لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور وہ انتظامی ڈھانچہ ہے جو اللہ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتا۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ  
(اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں، تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ

کس کا ہو سکتا ہے۔ (سورۃ المائدہ)  
قرآن کے بیان کردہ مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے۔ جاہلیت — علم و فن، تہذیب و تمدن یا یا معاشرتی برتری کے متصادم اور مقابل نہیں بلکہ جاہلیت اصل اللہ کی ہدایت اور اللہ کے حکم کے بالمقابل ہے۔ جب ان

اللہ کی ہدایت کو ٹھکرایا اور اس کے حکم سے رد گردانی کی۔ وہیں جاہلیت آ موجود ہوتی۔

قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ عربوں کا زمانہ اس لئے دور جاہلیت تھا کہ وہ فلکیات، طبیعیات، کیمیا، طب سے واقف نہیں تھے۔ یا انہیں سیاسی انتظام نہیں آتا تھا یا وہ مادی پیداوار کرنے سے قاصر تھے۔ یا

ان میں سرے سے کوئی خبری ہی نہ تھی یا ان کے پاس مطلقاً کسی قسم کی اقدار ہی نہ تھیں۔

اگر قرآن کا یہی کچھ مطلب ہوتا تو وہ اسی قسم کا کوئی متبادل نظام انہیں دے دیتا۔ انہیں علم

جہالت کے بدلے میں علمی، فکری، طبیعیاتی، کیمیائی اور طبی معلومات فراہم کر دیتا۔ سیاسی جہالت کے بدلے انہیں نئے سیاسی افکار عطا کر دیتا۔ اگر ان کے معاشرے میں مادی پیداوار کی کمی تھی تو وہ ان کو ایسے طریقے بتا دیتا۔ جن سے پیداوار میں اضافہ ہو سکتا اور پہلے کی نسبت بہتر پیداوار ہوتی اور اگر ان کے معاشرے میں اچھی عادتوں اور بہتر اقدار کی کمی تھی۔ تو وہ ان کو کچھ ایسی خوبیاں اور کچھ ایسی اقدار بخش دیتا۔ جو کسی ٹھوس اخلاقی نظام میں پیوستہ ہونے کے بجائے معاشرے میں یونہی بے ربطی بکھری ہوئی ہوتیں

لیکن مستدان نے نہ تو عرب معاشرے میں اس طرح کی کسی کمی کی نشاندہی کی اور نہ اس کمی کو دور کرنے کے لیے کوئی متبادل نظام دیا۔ لہٰذا قرآن نے تو انہیں جاہلیت سے اس بنا پر متصف قرار دیا کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے اپنی خواہشات کے بندے بن گئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلیت کے بدلے اسلام عطا کیا اور

انسانیت کو پرکھنے کے لیے اسلام کو کسوٹی بنا دیا اور بتا دیا کہ جو کچھ اسلام کے خلاف ہے وہ جاہلیت ہے۔ خواہ جاہلیت عرب ہو یا تاریخ کی کوئی اور جاہلیت۔ قرآن نے جاہل گزشتہ اقوام اور ان کی تہذیب و تمدن کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ اقوام عربوں سے کہیں زیادہ متمدن تھیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ اقوام جاہلیت کی زندگی گزار رہی تھیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کی تعمیر اللہ کی ہدایت کے مطابق نہیں کی تھی۔

اولم یسئروا فی الارض  
کیا انہوں نے زمین میں سیاحت کر کے گزشتہ  
فیظروا کیف کان عاقبۃ  
اقوام کے انجام کو نہیں دیکھا۔ وہ تو ان سے  
الذین من قبلہم کانوا أشد  
زیادہ طاقت ور تھے اور انہوں نے زمینیں

لہٰذا ہر چند کہ اسلامی انقلاب کے بعد یہ سب تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ لیکن یہ وہ تبدیلی نہ تھی جس کے لیے اللہ نے لوگوں سے مطالبہ کیا ہو کہ وہ جاہلیت کو چھوڑ کر اس نئی تبدیلی کو اپنائیں۔

خوب جوتیں اور جس قدر انہوں نے زمین کو آباد کیا ہے اس سے کہیں زیادہ انہوں نے آباد کیا تھا اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ پھر اللہ تو ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔ آخر کار جن لوگوں نے بُرائیاں کی تھیں ان کا انجام بہت بُرا ہوا اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

مِنْهُمْ قَوْمٌ وَأَشَارُوا إِلَى الْأَرْضِ  
وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ بِمَا عَمَرُوهَا  
وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ  
فَمَا كَانُوا اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ  
كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ  
ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا  
السُّوْءِ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ  
وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ

سورہ روم ۹-۱۰

غور فرمائیے۔ قرآن جاہلی عربوں کی توجہ گذشتہ جاہلی اقوام کی طرف مبذول کر رہا ہے، تاکہ وہ ان کے انجام پر غور کریں اور اس سے ڈریں اور اللہ کی آیات کو نہ جھٹلائیں بلکہ ان پر ایمان لائیں اور ہدایت حاصل کریں۔ اگرچہ یہاں پر قرآن نے جاہلیت کا لفظ صاف طور پر استعمال نہیں کیا ہے لیکن پھر بھی معنی وہ ہی ہیں۔ قرآن جاہلی عربوں سے کہتا ہے کہ یہ اقوام بھی جاہلیت میں تمہاری ہم پلہ تھیں۔ باوجودیکہ وہ زیادہ طاقت ور تھیں۔ انہوں نے تم سے زیادہ زمین کو آباد کیا تھا۔ ان کے پاس تہذیب و تمدن بھی تھا۔ لہذا تمہارے لئے خیر اسی میں ہے کہ تم اس جاہلیت سے باہر آ جاؤ۔ جس جاہلیت میں تم اور وہ بگڑی ہوئی قدیم قومیں برابر کی شریک ہیں۔ اب تم اللہ کی ہدایت قبول کرو اور مسلمان ہو جاؤ۔

غرض قرآن کی نظر میں جاہلیت اس نفسیاتی کش مکش کا نام ہے جس میں مبتلا رہ کر لوگ اللہ کی ہدایت قبول نہیں کرتے۔ اور وہ انتظامی ڈھانچہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتا۔ اللہ کی ہدایت کو قبول نہ کرنا اور اس کے نازل کردہ احکام ٹھکرا دینا۔ انسانی معاشرے کا ایسا بگاڑ ہے جس کے نتائج اتنے بھیانک ہوتے ہیں کہ ساری انسانی زندگی ایک اذیت ناک کرب اور بے چینی کا شکار ہو جاتی ہے اور بیمار انسانیت کی بدبختی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔

مذکورہ بالا قرآنی مفہوم کے پیش نظر یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ جاہلیت نہ تو اس مسم سے پہلے کے عرب معاشرے کا نام ہے بلکہ اور نہ ہی جاہلیت تاریخ کے کسی مخصوص دور کو کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایک ایسی حالت کا نام ہے جو اللہ کی ہدایت سے بے نیازی برتنے اپنی خواہشات نفس کے اتباع کرنے اور اللہ کے نازل کردہ احکام سے روگردانی کرنے کے نتیجے میں کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت رونما ہو سکتی ہے خواہ انسانیت مادی ترقی تہذیب تمدن کے عروج اور فکری اور سیاسی ارتقاء کے لحاظ سے کتنی ہی بلند معراج تک پہنچ چکی ہو۔ گویا دوسرے الفاظ میں جاہلیت ہوائے نفس کی اتباع ہی کا دہرا نام ہے۔

لہذا جو لوگ ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے روگرداں ہیں، وہ جاہلیت میں مبتلا قرار پاتے ہیں، کیونکہ وہ ہدایت الہی سے اعراض کئے ہوئے ہیں، خواہ وہ اپنے مبلغ علم کے لحاظ سے، اپنے تمدن کے لحاظ سے، اپنی مادی ترقی کے لحاظ سے، اپنی سیاسی اور اقتصادی تنظیم کے لحاظ سے کتنے ہی بلند مرتبہ نظر آتے ہوں اور وہ اپنی اس جاہلیت کے سبب ان نتائج سے ضرور دوچار ہو کر رہیں گے جو جاہلیت کے لازمی نتائج ہیں، یعنی اضطراب و کرب اور صرمان و خسران۔

غرض وہ صرف عرب ہی نہ تھے جو اسلام سے پیشتر جاہلیت میں زندگی گزار رہے تھے بلکہ ان کی طرح ہر وہ قوم جاہلیت کا شکار قرار پانے گی جس نے ہدایت الہی سے انحراف کیا اور ہوائے نفس کی پیروی کی۔

جو سادہ لوح لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جاہلیت صرف وہ ہی ہے جو اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کا ایک دور تھا ہم چاہتے ہیں کہ ان کو جاہلیت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرادیں تاکہ ان کو یہ بھی اندازہ ہو جائے کہ وہ اس بیسویں صدی میں کس قسم کی زندگی گزار رہے ہیں؟ آزاد خیال طبقے سے ہم کہیں گے کہ وہ کسی قسم کے تعصب کا شکار ہو کر اسلام سے پہلے کے عربوں کی مدافعت نہ کریں۔ اس مدافعت کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہا ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں ثابت کر سکتے کہ جاہلی عرب علمی ترقیات، سیاسی اور اجتماعی نظام اور فکری اقدار میں موجودہ بیسویں صدی سے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ جبکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بیسویں صدی کی جاہلیت چودہ صدی پیشتر عربوں کی جاہلیت سے زیادہ بھیانک ہے بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ بیسویں صدی کی جاہلیت

ہر اس جاہلیت سے زیادہ بھیانک ہے جس کا کوئی تاریخی وجود رہا ہو۔ !!

عربی جاہلیت تو ایک سیدھی سادھی جاہلیت تھی۔ سیدھے سادھے محسوس مگر کھوکھے  
مقولہ کی پوجا کر لی اور بس! کچھ عجیب سے تصورات تھے۔ بیشک یہ تصورات راہ راست  
سے ہٹے ہوئے تھے۔ لیکن راہ راست سے انحراف میں بھی ایک گونہ سادگی تھی گہرائی نہ تھی۔  
دیگر قبائل پر قریش کی گرفت سخت تھی۔ قریش اپنی مصلحتوں اور اپنی سرداری کے پچاؤ کے لیے  
مکر و فریب سے کام لیتے اور اپنی ان مصلحتوں اور سیادت کی خاطر حق و انصاف کا راستہ روک کر  
کھڑے ہو جاتے تھے۔ اگرچہ یہ ساری ضربیاں ہر جاہلیت میں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن عربوں میں یہ  
ضربیاں ظاہری تھیں اور کھلم کھلا تھیں ان میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں تھی۔ وجہ یہ تھی کہ جاہلیت کا  
فساد ان کے صرف خارجی مظاہر پر اثر انداز ہوا تھا اور ابھی تک اس فساد نے ان کی فطرت  
کو مسخ نہیں کیا تھا۔ جو نہی حق و صداقت نے اس ظاہری گلے ہوتے چھلکے کو اتار پھینکا۔ نور انہی  
سادہ فطرت حق کے سامنے سرنگوں ہو گئی اور ساری تاریکیاں چھٹ گئیں۔

اس کے برخلاف جاہلیت جدیدہ زیادہ دلدل والی، زیادہ خبیث اور زیادہ سخت گیر ہے۔  
کیونکہ یہ علمی جاہلیت ہے، ایہ سخت و نظریات کی جاہلیت ہے! یہ جسے ہوئے  
گہرے انتظام کی جاہلیت ہے، ایہ آنکھوں کو خیرہ کرنے والی مادی ترقیات کی جاہلیت ہے!  
یہ جاہلیت ہے۔ اس دھوکہ اور فریب کی، جس کو انسان کی ہلاکت کے لیے باقاعدہ علمی  
بنیادوں پر مرتب کیا گیا ہے! اور یہ ایسی جاہلیت ہے جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں  
نہیں ملتی۔

اس کتاب کا مقصد <sup>اسٹیفن</sup> بیسویں صدی کی اسی ظاہری نشان و شوکت کا پردہ چاک کرنا ہے۔ اور دکھانا  
ہے کہ اس پردہ زنگاری کے پیچھے گندگی اور غلامت کے کس قدر متعفن کیرے کلبلا رہے ہیں۔

ہم اس کتاب میں جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کے چھوڑے ہوئے آثار کی نشاندہی  
کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ جاہلیت انسانی تصورات پر کس کس طرح اثر انداز ہوتی  
ہے اور ماضی میں جاہلیت نے انسانی زندگی پر کیا اثرات چھوڑے ہیں اور مستقبل میں یہ کن  
نتائج کا پیش خیمہ بننے والی ہے؟ ہم نے اس کتاب میں موجودہ دور کے سارے مشاہدات

بیان کر کے، جاہلیت کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس مطالعہ کا مقصد یہ ہے کہ صحیح تصورات اور صحیح راستے کی نشاندہی کی جائے اور اس جاہلیت کا پمودہ چاگ کیا جائے۔ جس نے ترقی اور تہذیب کے نام پر لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ تاکہ لوگوں کو وہ مہیب غار نظر آجائے۔ جس میں وہ گرنے والے ہیں، حالانکہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ صحیح راستے پر چل رہے ہیں !!

ہمارا مقصد یہ بھی ہے کہ ہم انسانیت کو ایک خوش گوار مستقبل کی بشارت دے دیں۔ جس مستقبل پر ہمارا ایمان ہے۔ — جس وقت لوگ تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں آجائیں گے! مجھے معلوم ہے کہ یہ کام نہ ایک کتاب کر سکتی ہے اور نہ ایک ہزار کتابیں؛ البتہ مجھے دو باتوں کا یقین ضرور ہے۔ پہلی بات یہ کہ کلمات رائیگاں نہیں جاتیں گے۔ اگرچہ کچھ دنوں کانوں کو ناگوار معلوم ہوتے رہیں گے۔ دوسری بات جس پر مجھے یقین ہے، یہ ہے کہ درحقیقت تاریکی سے نکل کر روشنی کی طرف آنے کا زمانہ آچکا، تاریکیوں میں روشنی کی ایک کرن چھوٹتے ہوئے ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور اسی کرن کی روشنی میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں۔

بیشک اللہ جسے چاہے توفیق دے !!



## تمہاری تہذیب

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ جاہلیت تاریخ کی گردوغبار میں چھپا ہوا کوئی دور نہیں ہے، نہ ہی جاہلیت علم و فن اور تہذیب و تمدن کے بالمقابل ہے۔ بلکہ درحقیقت جاہلیت اللہ کی ہدایت سے بھٹک جانے اور اس کے حکم کو ٹھکرا دینے کا نام ہے اور یہ کہ جس مرحلہ پر بھی اللہ کی ہدایت سے روگردانی کی جائے گی۔ اسے جاہلیت ہی کہا جائے گا۔

جاہلیت کے یہ معنی سمجھ لینے کے بعد ہمارے ذہن اس بات پر کسی قدر تیار ہو سکتے ہیں کہ بیسویں صدی کی جاہلیت کے بارے میں گفتگو کی جائے۔

ہم نے ”کسی قدر تیار ہو سکتے ہیں“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ جنہیں جاہلیت جدیدہ کا سیلاب تلخوں کی طرح بہا لے گیا ہے۔ شانے اچکا کر طنزیہ انداز میں کہیں گے

”اگر ہماری یہ تہذیبی زندگی جاہلیت ہے تو ہم اس جاہلیت پر بڑے خوش ہیں

ہم تو اسے دل و جان سے چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ اپنی اس ترقی یافتہ جاہلیت

کو چھوڑ کر تمہاری اس اللہ کی ہدایت کو اپنائیں جس میں قصے کہانیاں ہیں جس میں

پس ماندگی اور انحطاط ہے۔ بلکہ ہم نے اس اللہ کی ہدایت کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا

ہے۔ تاکہ ہم تہذیب و تمدن حاصل کریں اور تاریکیوں کے بجائے روشنی میں آ

جائیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جاہلیت ہمیں اس اللہ کی ہدایت سے زیادہ محبوب

ہے جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو“

اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا:

فَاَسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عٰلٰی  
انہوں نے ہدایت چھوڑ کر بے راہ روی کو

اور اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا۔

ایسی ہی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے  
تھے ان سب (اگلے پچھلے گمراہوں) کی ذہنی  
ایک جیسی ہیں۔ (سورہ بقرہ ۱۱۸)

كَذٰلِكَ فَتَالِ الَّذِيْنَ مِنْ  
قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ  
تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ

جاہلیت کی زندگی گزارنے والے تمام انسانوں کا تعلق ایک ہی گروہ سے ہے اور ان کی سوچ اور  
فکر کا انداز ہر دور میں یکساں اور ملتا جلتا رہتا ہے خواہ وہ تاریخ کے کسی بھی جاہلیت میں زندگی گزارتے  
ہے ہوں۔

اس بیان اور توضیح کے بعد ہمارے فکر و نظر اس بات پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ بیسیویں صدی کی  
جاہلیت جدیدہ کے موضوع پر گفتگو کی جاتے اور یہ کہ اب اس موضوع پر اب اس قدر اجنبیت باقی  
نہیں رہی جتنی کہ پہلے پہل محسوس ہوتی تھی۔ مگر بہر حال دور جدید کی جاہلیت کو بیان کرنے کے لیے  
صرف یہ کہ مزید وضاحت کی ضرورت ہے بلکہ متعدد تصانیف ناگزیر ہیں۔

جاہلیت کی ساری پیچیدگی یہ ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ ہدایت پر  
گمراہی کو ترجیح دیتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ مجمع محاسن ہے اور اللہ کی ہدایت سراسر نقصان اور  
گھائے کا سودا ہے۔

جاہلیت کو یہ کبھی پتہ نہیں چلتا کہ اس کے اپنے نظام میں کیا ضربیاں ہیں؟ کس قسم کا بگاڑ  
ہے؟ کون سی بدبختی ہے؟ اور کس قسم کی بے چینی ہے؟ یہ اندازہ اس کو جب ہی ہو سکتا ہے جب  
وہ اللہ کی ہدایت کو قبول کر لے اور تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجائے اور جب اس کا سارا  
نظام اللہ کی فکری بنیادوں پر قائم ہو جائے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس کتاب میں یہ بتائیں کہ لوگ اللہ کی ہدایت سے دور ہو کر کس  
گمراہی اور بگاڑ کس بدبختی اور بے چینی میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔

جاہلیت کے اس بگاڑ کو سمجھنا لوگوں کے لیے آسان نہیں ہے۔ کیونکہ جاہلیت لوگوں کے فکر و نظر  
پر اپنے اثرات اتنے گہرے مرتسم کر دیتی ہے کہ خیالات کو پالاما جاتا ہے اور معاشرے کی ہر روش

مُرجھا کے رہ جاتی ہے۔ اسی لیے لوگ کبھی کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی مخالفت نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے تصورات اور طریقہ کار اللہ کے حکم کے مطابق ہیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ جو کچھ بگاڑ ہے وہ یقینی ہے اور اس کو کسی صورت ختم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس میں کوئی رد و بدل ہو سکتا ہے۔ غرض جاہلیت میں زندگی گزارنے والے لوگ اپنے معاملات کی ہر زاویے سے تشریح کرتے ہیں اور اپنے مسائل کی ہر ایک تعبیر اختیار کرتے ہیں، سوائے اس تشریح اور تعبیر کے جس میں اللہ کا نام آتا ہو۔ چنانچہ کبھی کہتے ہیں کہ نظام زندگی میں یہ جزوی خرابی پیدا ہو گئی ہے اور اب اس کی اصلاح کی ضرورت ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ فلان نظام میں سقم پیدا ہو گیا ہے اسے درست کرنا چاہیے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ سارے کے سارے نظام زندگی کو اللہ کی ہدایت کی روشنی میں پرکھا جائے اور دیکھا جائے کہ ہمارا نظام حیات اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کا نام تو جاہلیت کی فرست میں کہیں درج ہی نہیں ہے۔ اسسائل و معاملات کی شرح و تعبیر کے بارے میں یہ روید صرف جاہلیتِ جدیدہ ہی کا نہیں ہے بلکہ تاریخ کے ہر دور میں جاہلیت کا یہی روید رہا ہے چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:-

جب وہ کوئی بُرا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو بھی اس طرح کرتے پایا ہے بلکہ اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے

عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا کرتے۔

وَإِذَا قَعَدُوا فَنَاجِشَةً  
تَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا  
آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرْنَا  
بِهَا - (الاعراف: ۲۸)

سَيَقُولَ الَّذِينَ أَشْرَكْنَا  
تَوْشَاءَ اللَّهِ مَا أَشْرَكْنَا  
ذَكَآ آبَاءَنَا - (الانعام: ۱۴۸)

جاہلی معاشروں کی ظاہری سبتیں اور شکلیں زمانے کے لحاظ سے مختلف تو ضرور ہوتی ہیں۔ لیکن ان تمام جاہلی معاشروں کی فکر آپس میں ملتی جلتی ہوتی ہے اور ان کا تاریخی کردار ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔

جاہلیت کے کسی بھی مسئلہ میں لوگ اصل خرابی اور بگاڑ کا آسانی سے اندازہ نہیں کر سکتے۔ اگر انہیں اس بگاڑ کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو بھی جائے تو یہ بات سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ درحقیقت

یہ سارا بگاڑ اللہ کی ہدایت سے دُوری کی بنا پر رونما ہوا ہے اور اگر یہ بات بھی کسی نہ کسی طرح حلق سے نیچے اتر جائے۔ تو یہ یقین نہیں آتا کہ کیا اللہ کی ہدایت فی الواقع ان کی بے چینی، بد سبختی اور غلاب کو دُور کر کے انہیں اطمینان و سکون عطا کر سکتی ہے۔ اور کیا حقیقتاً اللہ کی ہدایت جاہلیت کے بگاڑ کو دُور کر کے اس کی پیدا کردہ مشکلات کا حل نکال سکتی ہے۔

لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرادینا کہ اللہ کی ہدایت ان کی تمام مشکلات کا حل ہے۔ بڑا مشکل کام ہے۔ کیونکہ جاہلیت نے نہ صرف لوگوں کو اللہ کی ہدایت سے دُور کر دیا بلکہ ان کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت کا بیج بو دیا ہے اور انسانی زندگی کی متعدد اور گونا گوں تعبیریں کر کے لوگوں کو ان باطل تعبیرات میں اس قدر الجھا دیا کہ ان کا کسی وقت اللہ کی ہدایت کی طرف متوجہ ہونا ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہو گیا ہے۔

مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم یہ سمجھ کر کہ لوگ اللہ کے راستے کی جانب مشکل ہی سے متوجہ ہونگے ہم انہیں کسی سے اللہ کی جانب دعوت ہی نہیں بلکہ ہم حق کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے لوگوں کو ضرور اللہ کی ہدایت کی طرف بلائیں گے۔ ہو سکتا ہے کسی وقت لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کر لیں۔ نہ صرف قبول کر لیں بلکہ اللہ کے حکم کو عملاً اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کے لیے جہاد بھی کریں؟

لوگ پہلے پہل اس بات کی تصدیق نہیں کریں گے کہ آج پوری دنیا میں جو بے چینی پائی جاتی ہے اس کی وجہ اللہ سے دُور ہونا ہے۔ کیونکہ جاہلیت جدیدہ کہتی ہے کہ اس عالمگیر بے چینی کی وجہ سرمایہ ہے یا طبقاتی کش مکش ہے۔ یا افرادی ملکیت ہے یا معاشی ابتری ہے۔ جاہلیت یہ تو کہہ ہی نہیں سکتی کہ انسانوں کی زندگی کا اللہ سے یا اللہ کی سنت سے بھی کوئی واسطہ یا تعلق ہو سکتا ہے بلکہ جاہلیت جدیدہ تو زندگی کے نشیب و فراز کی ہر اس تعبیر اور ہر اس معنی کا مذاق اڑاتی ہے۔ جس کا تعلق اللہ سے ہو یا اللہ کی سنت سے ہو۔ کیونکہ جاہلیت کی انتہائی تمنا اور آخری آرزو تو یہی ہے کہ انسانی فکر و عمل کا رشتہ اللہ سے منقطع کر دے۔

جاہلیت جدیدہ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اللہ اور اللہ کی سنت کا رشتہ قرون وسطیٰ سے ملا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ علم و سائنس کے تقاضوں کے ماتحت انسانیت کو اپنا رشتہ اللہ سے منقطع کر دینا ضروری ہے۔

خیال فرمائیے! جب لوگ اس قسم کی مستعفن جاہلیت میں زندگی گزار رہے ہوں تو وہ یہ نکر کیسے اپنا سکتے ہیں کہ انسانیت کی بے چینی اور سوسائٹی کے ہمہ گیر بگاڑ کی وجہ سے اور صرف اللہ کی ہدایت سے روگردانی اور اس کے نازل کردہ احکام کو ٹھکرا دینا ہے۔

اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے اس کتاب میں مندرجہ ذیل امور زیر بحث آئیں گے۔

اول: جاہلیت کی ابتداء اس کی نشوونما اور اس کا تاریخی کردار

دوم: جاہلیت جدیدہ اور اس کی علامات

سوم: جاہلیت جدیدہ نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر جو اثرات مرتب کیئے ہیں ان کا جائزہ اس سلسلے میں ان تمام اثرات کا ذکر کیا جائے گا جو سیاسیات، معاشیات، اخلاقیات اور نفسیات میں رونما ہوئے ہیں اور اس طرح پوری انسانی زندگی جاہلیت کی لپیٹ میں آگئی ہے۔ چہارم: مستقبل میں اگر کسی وقت انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنالے تو نظام زندگی کن خطوط پر استوار ہوگا اور زندگی پر موجودہ جاہلیت کے پڑنے والے اثرات کو کس طرح ختم کیا جائیگا اللہ کی ہدایت کس طرح زندگی کے سارے پہلوؤں پر محیط ہوگی۔ ہم اس بارے میں بڑے پُر امید ہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے۔ جب پوری انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنالے گی۔

# تاریخ کا ایک صفحہ

جاہلیت اور ایمان کی تاریخ یکساں قدیم ہے اور ابتدائے آفرینش سے اولاد آدم زندگی برتنے کے ان دونوں رویوں سے آشنا ہی ہے اس لیے کہ دونوں ہی رویوں کا مرکز انسانی فطرت ہے اور اس کی یہ سرشت ہے کہ وہ مگر اسی اختیار کرے یا ہدایت، جاہلیت کی طرف جائے یا اسلام کی جانب آئے۔

اور قسم ہے نفس کی اور جس نے اسے برابر کیا  
پھر اسے الہام کی اچھائی اور برائی کا میاب  
ہو گیا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور ناکام  
ہو گیا وہ جس نے اسے گندہ کیا (شمس ۱۰-۱۱)  
ہم نے انسان کو دونوں ہی راستے بتلا دیے۔

وَنَفْسٍ ذَمًّا سَوَّاهَا  
فَنَالَهُمَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا  
تَدْفَعُ مَن زَلَّهَا  
رَتَدَّهَا مِن دُسَّهَا  
وَهَدَيْنَاهَا النَّجْدَيْنِ

(بلد - ۱۰)

ہم نے انسان کو راستہ دکھلا دیا۔ یا توبہ شکر گزار  
بن جائے یا کافر ہو جائے۔ (سورہ انسان ۳)

إِنَّا هَدَيْنَاهَا السَّبِيلَ  
إِمَّا مَشْكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا

جو کچھ بھی انسان زمین پر کرتا ہے، وہ اسی الہی قانون کے مطابق ہوتا ہے کہ اللہ نے انسانی سرشت میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ چاہے تو ہدایت کو اپنالے اور چاہے تو گمراہ ہو جائے انسان نے اپنی تاریخ میں کبھی بھی اس الہی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی ہے اور نہ کبھی کر سکتا ہے۔

جاہلیت اور اسلام

انسان کی تاریخ کبھی بھی دو حالتوں سے خالی نہیں رہی — ہدایت اور گمراہی —

جاہلیت اور اسلام

انسانیت ہمیشہ سے ہی تغیر پذیر رہی ہے۔ تغیر اس معنی میں بھی ہوا کہ انسان ہمیشہ خوب سے خوب تر کی طرف رواں دواں رہا ہے اور تغیر پذیر ہی کی یہ صورت بھی وجود میں آئی کہ انسان اللہ کی ہدایت سے روگرداں اور اس کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے ہٹتا چلا گیا۔ تغیر کی یہ دونوں صورتیں ہمیشہ معاشرے کی علمی اور مادی ترقیات کے مناسب اور سوسائٹی کی اجتماعی اور اقتصادی زندگی سے متوازن اور پیوستہ رہی ہیں۔ لیکن ان تغیرات کے باوجود انسانیت کے سامنے ہمیشہ وہی راستے رہے ہیں۔ — ہدایت اور گمراہی — اسلام اور جاہلیت!

بہر کیف بتانا یہ مقصود ہے کہ جاہلیت زمان و مکان کی بندشوں میں جکڑی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی بھی وقت اور کسی جگہ رونما ہو سکتی ہے اور جاہلیت کے وجود کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ جس معاشرے کی بنیادیں جاہلیت پر استوار ہوں۔ اس معاشرے میں سرے سے علم و فن اور تہذیب و تمدن کا وجود ہی نہ ہو۔

ہدایت معاشرے کی ایک جوہری کیفیت ہے اور اسی طرح جاہلیت سماج کی ایک جوہری کیفیت ہے اور یہ دونوں کیفیات انسانوں کے عروج و زوال سے وابستہ ہیں اور انسان کے سماجی ارتقاء کے ساتھ ارتقاء کی جانب گامزن رہتی ہیں۔ کیونکہ ہدایت نام ہے اللہ کی معرفت اور اس کے اتباع کا اور جاہلیت نام ہے اللہ کو نہ پہچاننے اور اس کی ہدایت سے روگردانی اختیار کر لینے کا۔ اس لیے اقتصادیات ہوں یا اجتماعیات، سیاسیات ہوں یا دنیا کے علوم و فنون۔ ان تمام امور کے لحاظ سے اور عقل انسانی اور اس کے ماحول کے لحاظ سے ہدایت اور جاہلیت کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں اور اس لحاظ سے انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو اور اقتصادیات، اجتماعیات، سیاسیات اور علم و فن کا کوئی بھی گوشہ ہو وہ ان دو کیفیتوں سے گہمی خالی نہیں ہوتا۔ — ہدایت یا گمراہی — جاہلیت یا اسلام۔

اب یہ بات وضاحت سے سامنے آگئی کہ جاہلیت کا انسان کی کسی خاص معاشرتی کیفیت اور تاریخ کی کسی مخصوص صورت حال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ جاہلیت تغیر کی ہر شکل اور ارتقار کے ہر دور میں پائی جاسکتی ہے۔

چند مثالیں

اس کتاب میں تمام تاریخ کی ورق گردانی تو ناممکن ہے۔ البتہ ہم چند مثالیں بیان کریں گے۔ جس سے وہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی جسے جاہلیت جدیدہ نے جان بوجھ کر اس لئے نظر انداز کر دیا ہے تاکہ انسان کی عملی زندگی کا رشتہ اللہ سے منقطع ہو جائے۔ اللہ کا جو بھی دین اس دنیا میں آیا ہے۔ وہ ضابطہ حیات بن کر آیا ہے۔ دین نے عقیدہ اور وجدان کے بارے میں بھی گفتگو کی اور عمل کی صراطِ مستقیم بھی بتائی تاکہ ہمیشہ اجتماعات اقتصادیات اور سیاسیات، غرض زندگی کے تمام پہلوؤں پر حادیں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ نے اپنا سارا زور دین و دنیا کی دوئی اور تفریق پر فزح کر دیا، تاکہ دین عملی دنیا میں بے اثر ہو کر رہ جائے۔

تذم ادیان میں صرف ایک عقیدے کا پرچار کیا گیا کہ اللہ ایک ہے اور اللہ ہی معبود ہے۔ عبادت کے مختلف طریقے تو متعین کیے جاتے رہے۔ لیکن بنیادی عقیدے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

مگر اللہ کی شریعت اور اللہ کا قانون، انسانیت کے ارتقا کے ساتھ ساتھ ترقی پزیر رہا۔ یہاں تک کہ اللہ کا قانون اپنی آخری صورت میں مکمل ہو گیا۔

آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے تمہارے  
اور پر اپنی پوری نعمتیں اتا رہی ہیں، اور  
تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کر لیا ہے۔  
(سورہ مائدہ - ۳)

تاریخ کے تمام ادوار میں ہدایت اور جاہلیت شانہ بشانہ چلتے رہے ہیں جب بھی

کبھی اللہ نے کوئی رسول بھیجا۔ اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوئی تو ہمیشہ یہی ہوا کہ کچھ لوگوں نے ہدایت کو قبول کر لیا اور جاہلی نظام زندگی کو چھوڑ کر اللہ کی ہدایت کا مقررہ کردہ نظام اپنی زندگیوں میں نافذ کر لیا اور کچھ لوگوں نے اللہ کی ہدایت سے روگردانی کی اور بدستور جاہلی نظام زندگی سے چمٹے رہے۔ اس طرح ہدایت اور جاہلیت دونوں ہی اپنے مخصوص حالات سے بندھے ہوئے اور اپنے خاص ماحول کے مطابق رہے ہیں۔



## حضرت شعیب کا پیغام

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُ شُعَيْبًا  
 قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ  
 إِلَٰهٍ غَيْرُهُ فَمَا جَاءَتْكُمْ  
 بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَتَأَوَّفُوا  
 الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا  
 النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَفْسِدُوا  
 فِي الْأَرْضِ يَعْلَمَ أَصْلَاحُهَا ذَٰلِكُمْ  
 خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ  
 وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ  
 لُّوعِدُونَ وَتَصَدُّونَ عَنْ  
 سَبِيلِ اللَّهِ مِن أَمْنٍ بِهِ  
 وَتَعْمُرُوهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوا إِذْ  
 كُنْتُمْ قَتِيلًا فَكُنَّا لَكُمْ  
 وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ  
 الْمُفْسِدِينَ

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے  
 بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اسے  
 برادران قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے  
 سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تمہارے  
 پاس تمہارے رب کی صاف رہنمائی آ  
 گئی ہے۔ لہذا وزن اور پیمانے پورے کرو  
 لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھٹانہ دو اور زمین  
 میں فساد برپا نہ کرو۔ جب کہ اس کی اصلاح  
 ہو چکی ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر  
 تم واقعی مومن ہو اور زندگی کے ہر راستے  
 پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوفزدہ  
 کرنے اور ایمان والوں کو اللہ کے راستے سے  
 روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے  
 درپے ہو جاؤ زیاد کرو وہ زمانہ جب کہ تم تھوٹے  
 تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں بہت کر دیا اور آنکھیں  
 کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام  
 ہوا ہے۔

(سورۃ اعراف ۸۵-۸۶)

یہ حضرت شعیب کا اپنی قوم کے لئے پیغام ہے جس میں عقیدہ بھی ہے اور شریعت بھی  
 عقیدہ بغیر کسی تبدیلی کے اپنی جگہ پر قائم ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الہ نہیں  
 ہے اور شریعت کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔ چنانچہ اقتصادی اصول بتاتے ہوئے فرمایا: "وزن اور  
 پیمانے پورے کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھٹانہ دو" اجتماعی اور سیاسی اصول بتاتے  
 ہوئے فرمایا: "اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اور زندگی

کے براستے پہنچا رہزن بن کر نہ پیچھے جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان والوں کو اللہ کے راستے سے روکنے لگو۔

یہ تمام اصول اس اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی نظام سے ہم آہنگ تھے جس میں زندگی گزار رہے تھے۔

بدینہ اسی نظام اور اسی ماحول میں کچھ اللہ کے بندوں نے اپنی اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی کو اللہ کی شریعت کے مطابق تشکیل کر لیا تھا چنانچہ وہ حقیقی معنوں میں مومن اور مسلم کہلاتے تھے۔ جبکہ حضرت شعیبؑ ہی کی قوم کے کچھ افراد نے اللہ کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کی تشکیل کرنے سے انکار کر لیا۔ تو وہ بدستور جاہلیت ہی میں رہے۔

گویا اسلام اور جاہلیت دونوں کا نظام زندگی معاشرے اور ماحول کے اس معیار کے مطابق تھا۔ جس میں اس وقت کے لوگ زندگی گزار رہے تھے۔

### حضرت موسیٰؑ کی آمد

حضرت شعیبؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ تشریف لائے۔ حضرت موسیٰؑ کو ہدایت اور نورانی کتاب تورات عطا کی گئی۔ اس میں بھی وہی کبھی نہ تبدیل ہونے والا عقیدہ تھا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی اس وقت کے انسان کے ارتقاء کے مطابق شریعت بھی تھی کہ کس طرح سوسائٹی اور حکومت کو منظم کیا جائے۔ اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی اصول کیا ہونے چاہئیں؟ لین دین، نکاح و طلاق، اور جرم و سزائے تو انہیں کیا ہیں؟

اس مخصوص ماحول اور اس خاص سوسائٹی میں کچھ اللہ کے بندوں نے اپنی اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی کو اللہ کے قانون کے مطابق بنا کر مومن اور مسلمان ہو گئے اور خود موسیٰؑ کی قوم کے دوسرے گروہ نے اپنی زندگی کی تشکیل اللہ کے قانون کے مطابق نہیں کی۔ اس لئے وہ بدستور جاہلیت کا شکار رہے۔ گویا حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں بھی وہ اسلام اور جاہلیت دونوں ہی کے نظام زندگی اس خاص ماحول کے مطابق تھے جس میں اس وقت لوگ زندگی گزار رہے تھے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے۔ انہیں انجیل عطا کی گئی انجیل نے تورات کی تصدیق

بھی کی اور ساتھ ہی تورات کے کچھ احکام بھی منسوخ کر دیئے۔ گویا انجیل تورات ہی کے عقیدے اور قانون کی تکمیل تھی۔ اس مرحلہ پر بھی کچھ افراد ایمان لائے اور مومن و مسلمان کہلائے اور باقی قوم بدستور جاہلیت کے اس وقت کے رنگ کے اعتبار سے زندگی بسر کرتی تھی۔

## دینِ اسلام

پھر دین کی تکمیل اور انسانیت پر اللہ کی نعمتیں نچھاور کرنے کے لیے اسلام آیا۔ گذشتہ تمام دینوں کی طرح اسلام میں بھی عقیدہ اور شریعت دونوں ہیں۔ عقیدہ اپنی جگہ پر قائم ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ لیکن شریعت اپنی اس آخری شکل میں آئی۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے مستقبل کے لیے ارادہ فرمایا تھا۔ اللہ نے اس شریعت کو انسانیت کی تکمیل کے لیے متعین فرمایا ہے اور اس کی تشکیل اس طرح کی ہے کہ زندگی کا ہر گوشہ اس میں آجائے اور انسانیت کے نمودار تقار کے ساتھ ساتھ اللہ کی شریعت بھی تاقیام قیامت جاری ہے۔

میں نے کسی دوسرے مقام پر انسانی زندگی میں جمود اور ارتقاء کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اسلام نے ان دونوں صورتوں میں کیا روش اختیار کی ہے اور یہ کہ انسانی زندگی اپنے ہم گیر ارتقاء کے باوجود اسلام کے مفہوم اور اس کے قانون سے باہر نہیں ہوتی نہ

(یہاں دوسری کتابوں کے اقتباسات دینا مناسب نہیں ہے لیکن جب یہ موضوع اس کتاب میں آئے گا تو ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے۔)

اسلام پر بھی کچھ لوگ ایمان لائے اور مومن و مسلم کہلائے اور کچھ لوگوں نے انکار کیا۔ چنانچہ وہ اس وقت سے آج تک جاہلیت پر برقرار ہیں۔

اسلام کی آمد سے لے کر اب تک کی چودہ صدیوں میں حیات انسانی میں گونا گوں تبدیلیاں اور انقلاب رونما ہوئے۔ لیکن لوگ ہمیشہ ہی دو گرد ہوں میں بٹے رہے۔ مسلمان اور جاہلی اسلام کے ماننے والے اور جاہلیت کے پرستار یہ دونوں گروہ ایک ہی حوالہ میں زندگی گزارتے رہے اور اس حوالہ کے مقتضیات کو پورا کرتے رہے جنہوں نے اللہ کو پہچان لیا۔ اس کی ہدایت کو اپنا لیا اور زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کے قانون کی طرف رجوع کیا۔ وہ مسلمان ہوئے اور جنہوں نے نہ اللہ کو پوری طرح پہچانا۔ نہ اس کی ہدایت کو اپنا لیا اور نہ اس کے قانون کو اپنی زندگیوں میں نافذ کیا۔ وہ جاہلی رہے۔

لے "انسانی زندگی میں جمود اور ارتقاء" میں اسلام اور انسانی زندگی کا باب مطالعہ فرمائیے۔

اور جو مسلمان تقلیدی یا رسمی طور پر اپنے کو مسلمان کہتے رہتے ہیں، وہ بھی جاہلی ہیں) تاریخ کی ان چھ مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسانیت کچھ ایسے زندگی گزارنے کے وہی طریقے ہیں۔ ہدایت اور نگرانی — اسلام اور جاہلیت؛ سوسائٹی کی شکلیں خواہ کتنی ہی بدلتی رہیں۔ لیکن وہ ہدایت اور نگرانی اور اسلام اور جاہلیت سے خالی نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ ظاہری شکل ہدایت اور جاہلیت کی نشاندہی نہیں کرتی۔ بلکہ طریقہ کار سے تعین ہوتا ہے کہ سوسائٹی کا نقشہ ہدایت کے فریم میں نصب کیا گیا ہے یا جاہلیت کے؟ اس لئے نہ تو ہدایت انسانی زندگی کے کسی خاص دور کا نام ہے اور نہ جاہلیت۔ دونوں ہی ابتداء سے لے کر انتہا تک انسانی زندگی کی ہر شکل میں موجود رہے ہیں۔

### جدید جاہلیت کا نشوونما

تاریخ کی مندرجہ بالا مثالیں بحث کا اصل موضوع نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک طرح سے تاریخی ادوار کی وضاحت تھی۔ ہمارا اصل موضوع تو جاہلیت، جدیدہ کی تاریخ بیان کرنا ہے۔ جاہلیت جدیدہ کب رونما ہوئی؟ کن حالات سے گذر کر بیسویں صدی میں اپنے شباب کو پہنچی؟ وہ کون سے عوامل ہیں جن کے سہارے جاہلیت جدیدہ نے پوری موجودہ نسل انسانی میں صور اسرائیل پھونک دیا؟ آج ساری دنیا پر یورپ کی حکمرانی ہے۔ اگر یورپ بذات خود حکمران نہیں ہے تو اس کی تہذیب اور اس کے تصورات و افکار ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ (اور امریکہ بھی دراصل یورپ کے توسیع کا ایک پر تو ہے) یورپ کی تاریخ ایک ایسی طویل اور مسلسل جاہلیت کی تاریخ ہے جس کی کڑیاں باہم گرہ بست ہیں اور تاریخ کے کسی بھی موڑ پر جاہلیت کا تسلسل نہیں ٹوٹا ہے۔ چنانچہ پہلے یونانی اور رومی جاہلیت تھی اس کے بعد قرون وسطیٰ کی جاہلیت آئی اور پھر آخر میں جاہلیت جدیدہ آگئی جو دراصل اسی پرانی رومی اور یونانی جاہلیت کی طرف رجعت اور اسی کا پھیلاؤ ہے جس میں یہودی عبقری نے ڈاروائینیت (DARWINISM) کا اضافہ کر کے اس کی تباہ کاریوں میں اضافہ کر دیا ہے اور اس جاہلیت کا رخ اپنے مقاصد کی طرف پھیر دیا ہے۔ کیونکہ اس کتاب کا اصل موضوع جاہلیت جدیدہ کو بیان کرنا ہے اس لئے ہم عصور قدیمہ اور قرون وسطیٰ کی تاریخ کا مختصر سا تذکرہ کریں گے، تاکہ اس کے جاہلیت جدیدہ پر کچھ روشنی پڑ سکے۔ ظاہر ہے جاہلیت جدیدہ یکلخت تو رونما نہیں ہو گئی ہے بلکہ یورپ کی تاریخ میں اس کی صورتیں بہت گہری ہیں۔ اس بات کا یورپ کو بھی اعتراف ہے کہ یورپی تمدن کی اصل بنیادیں یونانی اور

رومی جاہلیتیں ہیں۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ وہ اسے جاہلیت نہیں بلکہ تہذیب و تمدن کہتے ہیں۔  
یورپ کو بخوبی اعتراف ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کا بڑا اثر  
ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب کا یہ مواد اپنے اندر اسلامی رنگ لئے ہوئے داخل نہیں ہوا۔ بلکہ یونانی اور  
رومی رنگ میں رنگ اس کی ڈھنچکا تھا۔ پھر جب یہ مواد یورپ پہنچا تو اس پر مسیحیت  
کا ایک باریک ساغلات چڑھ گیا۔ جو آہستہ آہستہ بوسیدہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی کے  
آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں بالکل تار تار ہو گیا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ  
بیسویں صدی کی جاہلیت کا تذکرہ کرنے سے پہلے یونانی اور رومی جاہلیتوں کی کچھ خصوصیات ذکر  
کردی جائیں۔

### یونانی جاہلیت

یونانی جاہلیت اپنے جلو میں علم و فن، فلسفہ، سیاسی نظریات اور علمی افکار کا ایک بہت  
بڑا ذخیرہ لے کر آئی تھی۔ علمائے مغرب نے نشاۃ ثانیہ کے دور میں یونانی جاہلیت کا گہرا مطالعہ  
کر کے ایک وسیع نظریہ فرما کر لیا اور یورپ نے اپنے دور جدید میں تمام تر تہذیبی سرمایہ اس جاہلی  
نظریہ سے حاصل کیا ہے۔

ہم انسانی تمدن اور تہذیب کی قیمت گرانہ نہیں چاہتے اور نہ ہمارا یہ مقصد ہے کہ یونانیوں  
کی منکرے لغزشوں کی فہرست بنا کر پیش کریں۔ بلکہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یونانیوں نے انسانی زندگی  
کے بہت سے گوشوں کو نمایاں کر کے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی بد قسمتی یہ تھی کہ ان  
کے معاشرے میں کوئی ایسا معلم موجود نہیں تھا جو انہیں اللہ کی ہدایت سے مددگرا نی کرنے کے  
نتیجہ میں پیدا ہونے والے بگاڑ کی نشاندہی کر سکتا۔

ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یونانی معاشرے میں کہاں کہاں بگاڑ موجود تھا۔ کیونکہ بگاڑ ہی  
جاہلیت کی اصل نشانی ہے۔ پھر چونکہ جاہلیت جدیدہ نے یونانی جاہلیت سے کافی کچھ استفادہ کیا  
ہے۔ اس لیے یونانی بگاڑ کی وضاحت سے ہمیں جاہلیت جدیدہ کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ہم یونانیوں کو مطمئن نہیں کر سکتے جو بغیر اللہ کی ہدایت کے زندگی کے معاملات میں خوب  
سے خوب تر اپنانے کی کوشش اور جدوجہد میں لگے رہے۔ لیکن ہم ان لوگوں کو ملامت کے بغیر  
نہیں رہ سکتے۔ جنہوں نے جاہلیت جدیدہ میں اس سارے بگاڑ کو دوبارہ اپنا لیا۔

بے شک یونانی تہذیب کے بہت سے عناصر فائدہ مند بھی تھے جیسا کہ مصری تہذیب قدیم عربی تہذیب، ایرانی تہذیب، ہندوستانی تہذیب اور چینی تہذیب ... سب ہی تہذیبیں تھوڑی بہت خوبیوں کی حامل ہیں! لیکن پھر بھی دو باتیں توجہ کی مستحق ہیں۔

اول: یورپ نے یورپین تعصب کی بنا پر یونانی تہذیب کو عظیم تر ثابت کرنے میں اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ یونانی تہذیب انسانیت کی ترقی کی وہ اوج کمال تھی جس کے پیمانہ پر وحی الہی کو بھی پرکھا جاسکتا ہے اور اس کی تصدیق یا تکذیب کی جاسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ تکذیب ہی کی جاتے گی۔ کیونکہ یونانی تہذیب سے بڑھ کر دنیا میں کسی سچائی کا وجود نہیں ہے!! دوم: ہم جو یونانی تہذیب کے بعض گوشوں کو اہمیت دیتے ہیں وہ ایسا ہی ہے جیسے ہم مصری، ایرانی، ہندوستانی یا چینی تہذیبوں کے بعض گوشوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان چیزوں کو مطلقاً کوئی قیمت دی جا رہی ہے بلکہ ہمیشہ اس کی قیمت کا حساب اسی نمانے کے لحاظ سے ہوگا اور یہ بھی مطلب نہیں کہ ہم ان تہذیبوں کے بگاڑ کو دوبارہ اپنائیں جس بگاڑ کا شکار ہو جانے میں ان قوموں کے پاس تو کوئی عذر بھی ہو سکتا تھا لیکن ہمارے پاس — جب کہ ہم جاہلیت سے روشنی کی طرف اچکے ہیں — اس بگاڑ کو اپنانے میں کوئی عذر نہیں ہے۔

اس بنیاد پر ہم یونانی جاہلیت کے کچھ بگاڑ پیش کرتے ہیں۔ اس جاہلیت نے الٹیاد یوتاؤں اور انسانوں کے درمیان جنگ و جدل کا تخیل پیش کیا اور اس تخیل کو ذہن میں اچھی طرح پختہ کر دیا۔

## تعدد الہ

تعدد الہہ جاہلیت کی ایک ایسی ہمہ گیر خصوصیت ہے کہ یہ ہر جاہلیت میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور پائی جاتی ہے۔ البتہ الہہ کبھی مادی اور محسوس ہوتے ہیں اور کبھی معنوی اور غیر محسوس۔ کسی جاہل معاشرے میں تعدد الہہ کا تخیل واضح طور پر پایا جاتا ہے اور کسی سوسائٹی میں یہ تخیل پس پردہ اثر انداز ہوتا۔ بہر کیف ایک جاہل معاشرے میں تعدد الہہ کا تخیل ضرور موجود ہوتا ہے۔ لیکن یونانی جاہلیت نے تعدد الہہ کے تصور میں دیوتاؤں اور انسان کی کشمکش کا اور اضافہ کر دیا تھا، چنانچہ اس سلسلے میں پرمیتھس و آگ چہ الی تھی۔

اک مثال ہی جاسکتی ہے جس نے مقد

پرومیٹھیس یونانی صنمیاں کا ایک کردار ہے۔ جس سے زیورس دیوتا انسان کی تخلیق میں مدد لیا کرتا تھا۔ پرومیٹھیس کو انسان پر رحم آیا اور اس نے انسان کو مقدس آگ چرا کر لادی۔ اس پر زیورس دیوتانے اسے سزا دی اور اسے زنجیروں میں باندھ کر قوزار کے پہاڑوں پر ڈال دیا۔ ایک گدھ سارا دن اس کا جگر کھاتا رہتا تھا اور رات کو اسے نیا جگر دے دیا جاتا۔ تاکہ آئندہ روز بھر گدھ کھاتا رہے اور اس طرح اسے سزا ملتی رہے اور زیورس دیوتانے انسانوں سے مقدس آگ کا بدلہ لینے کے لئے ان کے پاس پانڈورا کو بھیجا۔ جو زمین پر پہلا مومنٹ کو دار تھا۔ پانڈورا کے پاس ایک صندوق تھا۔ جس میں انسان کی ہلاکت کے لیے تمام برائیاں بھری ہوئی تھیں۔ جب پرومیٹھیس کے بھائی ایپی میٹھیس نے پانڈورا سے شادی کر لی تو اس نے صندوق کا ڈھکنا کھول دیا۔ ڈھکنا کھلنا تھا کہ ساری دنیا برائیوں اور آفتوں سے بھر گئی۔!

یہ ہے انسان اور اللہ کے رشتے کی نوعیت! انسان نے مقدس آگ کو اس لیے چرایا کہ کائنات کے راز معلوم کر کے خود دیوتا بن بیٹھے اور دیوتاؤں نے اسے وحشیانہ سزائیں اس لئے دیں۔ تاکہ ساری طاقت کا سرچشمہ انہی کے پاس رہے۔

مغربی جاہلیت جدیدہ نے یونانی صنمیاں کے بارے میں بہت کچھ موٹسگافیاں کی ہیں۔ خصوصاً اس کہانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ جنگ انسان نے اپنے وجود کو ثابت کرنے اور زندگی میں اپنے کردار کو مثبت بنانے کے لیے لڑی تھی اور دیوتا کی ریٹا فرمانی دراصل اپنے وجود کو ثابت کرنے اور اپنی ذات کا ثبوت فراہم کرنا ہے۔

اس وقت ہمیں جاہلیت جدیدہ کی گرفت مقصود نہیں ہے بلکہ ہمیں یونانی جاہلیت کے چند گوشے سامنے لا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ یونانی جاہلیت کس طرح مغربی فکر پر اثر انداز ہوئی۔ اگرچہ تاریخ کی تمام جاہلیتوں میں تعدد الہہ کا تخیل کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ ہی موجود رہا ہے۔ لیکن یونانی جاہلیت اس میں دیوتاؤں اور انسانوں کی کش مکش کا اضافہ کر کے ایک بھیانک

بگاڑ کا شکار ہو گئی۔ یونانی جاہلیت نے انسان کے حق میں یہ لعنت مقدر کر دی کہ وہ اپنی ذات کے اثبات کے لیے عقیدے کو پھینٹ چڑھا کر اللہ سے جنگ کرے اور اس طرح انسان کو تمیر کی اس کش مکش سے کبھی بھی نجات نہ مل سکے کہ اس کی فطرت اپنے وجود کو بھی ثابت کرنا چاہتی ہے اور اللہ پر ایمان بھی لانا چاہتی ہے۔

## عقل کی پرستش

یونانی جاہلیت کا دوسرا بڑا بگاڑ یہ ہے کہ اس نے روح کو قطعی طور پر نظر انداز کر کے عقل کو حد درجہ اہمیت دے دی۔ ان کے یہاں زندگی کے ہر مسئلہ میں عقل کا فیصلہ آخری سمجھا گیا۔ مغربی جاہلیت جدیدہ کہتی ہے کہ یونانیوں نے اس بات کی کوشش کی کہ انسان کی بلندی اور اس کی ایجابیت کو ثابت کیا جائے۔ تاکہ اس طرح زندگی میں انسان کی قیمت گراں ہو سکے۔

بلاشبہ عقل انسانی ایک عظیم ترین طاقت ہے۔ جو اس کائنات میں انسان کے وجود اس کی فاعلیت اور موثریت ثابت کرنے میں بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ لیکن صرف انسانی عقل پر ایمان لانا ایک ایسا بگاڑ ہے جو بالآخر انسان کی قیمت گھٹا کر اسے صرف ”حیوان عاقل“ بنا دیتا ہے جیسا کہ یونانی فلسفہ بھی یہی کہتا ہے۔ حالانکہ انسان حیوان سے بالکل ایک علیحدہ وجود ہے۔ انسان صرف اپنی عقل کی وجہ سے ہی بلند نہیں ہے۔ بلکہ اپنے تمام وجود میں بلند ہے۔ انسان ایک ایسی جداگانہ صورت و شخصیت کے لحاظ سے بلند ہے جو انسان کے علاوہ کہیں بھی نہیں پائی جاتی۔

عقل کو روح کے مقابلہ میں زیادہ مقدس قرار دے دینے سے یونانی جاہلیت کے تمام بگاڑ رونما ہوئے ہیں۔ جس بات نے عقل سے لگانہ کھایا۔ اس کو انہوں نے درج نہرست ہی نہ رکھا۔ ہر وجود کے ناپنے کا پیمانہ عقل ہی ٹھہرایا جیسی کہ اللہ کا بھی اسی قدر وجود قابل تسلیم ہوا۔ جہاں تک عقل کی رسائی ہو سکے۔ اللہ کے وجود کو بھی عقل کے فریم میں نصب کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں۔

نہ ”نفس انسانی کا مطالعہ“

نہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”تکاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں وہ نگاہوں کا ادراک کر لیتا ہے“ اور ”بیشک وہ لطیف اور جاننے والا ہے“ ادراک عقل کے دائرہ میں رہ کر اللہ کی حقیقت جانتے ہیں یونانی فلسفہ بہت بھٹکتا رہا۔ لیکن ساری فکری تنگ و دو بیکار ہی گئی اور بے اثر ثابت ہوئی۔ کیونکہ

(باقی اگلے صفحہ پر)



رہ گیا اللہ کے وجود کا روحانی عرفان تو اس کا وجود یونانی جاہلیت میں بہت ہی کمزور سا تھا (جیسا کہ جاہلیت جدیدہ میں ہے)۔

عقل کو اس قدر اہمیت دینے کی وجہ سے وہ تمام عقلی موٹنگا فیاں وجود میں آئیں جن سے فلسفہ یونانی بھرا پڑا ہے۔ جس نے جاہلیت وسطیٰ کے دور میں یورپ کی طاقت سلب کیے رکھی۔ حتیٰ کہ وہ مسلمانوں کے بحرئی اسکول سے متاثر ہوئے اور اسے اپنا لیا۔ جیسا کہ ہم بعد میں کریں گے۔ اور اسی تعقل پسندی کا شکار ہو کر اخلاق بھی بجائے ایک عملی محرک ہونے کے۔ ذہنی تربیت کا ایک مہم بن کر رہ گئے۔

یونانی جمہوریت نے اگرچہ افراد کے اجتماعی فضائل کے مطابق تشکیل کی۔ لیکن۔ مثال کے طور پر۔ جنسی بے راہ روی میں کوئی ضابطہ اخلاق ان کے پاس نہ تھا۔ اس لئے یونانی جمہوریت کامیاب نہ ہوئی۔

یہ یونانی جاہلیت کے چند بگاڑ ہیں۔ لیکن چونکہ یونانی جاہلیت موضوع زیر بحث سے ذرا ہٹی ہوئی ہے۔ اس لئے ہم اس کا تذکرہ چھوڑ کر چند ایسے عقائد کا استنباط کیئے لیتے ہیں۔ جن سے جاہلیت جدیدہ یا کسی بھی جاہلیت کے سمجھنے میں مدد مل سکے۔

۱۔ کسی جاہلیت میں کچھ خوبیاں اور چند فوائد کے حاصل ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جاہلیت کی زندگی کوئی اچھی زندگی ہے۔ یا اس کی پیروی کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ہر جاہلیت میں کچھ نہ کچھ خیریاں اور حقوڑے بہت فائدے ہوتے ہی ہیں۔

۲۔ کچھ خیروں اور چند فائدوں کے حاصل ہو جانے سے جاہلیت کی تاریکی چھٹ نہیں جاتی۔ کیونکہ بالآخر جاہلیت میں ایسا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے جو ساری خوبیاں برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔

۳۔ جاہلیت کے بگاڑ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جاہلیت اپنی نفسانی خواہشات پر چلتی ہے، اور اللہ کی ہدایت کو نہیں جانتی اور اگر جانتی ہے تو ماننی نہیں ہے۔

جس طرح یونانی جاہلیت میں عقل کو غیر معمولی اہمیت دی گئی اسی طرح رومی جاہلیت نے اپنی

بقیہ حاشیہ موزگوشہ

کوئی بھی شخص صرف عقلی موٹنگا فیاں سے اللہ پر ایمان نہیں لایا کرتا نہ ہی موٹنگا فیاں کسی مومن قوم یا بلند سوسائٹی کا سرمایہ حیات بن سکتی ہیں۔

سوسائٹی کی ساری تعمیر مادے اور محسوسات کی بنیادوں پر استوار کی۔ رومی جاہلیت نے بھی دیگر تمام جاہلیتوں کی طرح انسانیت کے لئے کچھ مفید ایشیا پیش کی ہیں۔ اس جاہلیت میں سیاسی، عربی اور تمدنی نظم وجود میں آیا۔ مادی وسائل کو فنا ہی کاموں میں لگایا گیا۔ مذہبیت فنی حیثیت سے وجود میں آئی۔ راستے اور پل بنائے گئے۔ پانی کی ٹینکیاں اور سینٹو ایجاد ہوئی اور حمام تفریح گاہیں اور تھیٹر وجود میں آئے۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جاہلیت غریبوں اور بھلائیوں سے بالکل خالی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ خوبیاں اسے بگاڑ کا شکار ہونے سے نہیں روک سکتیں۔ بلکہ ہر جاہلیت کا آخری انجام ہلاکت ہی ہوتا ہے۔

### رومی جاہلیت

رومی جاہلیت کا سب سے بڑا بگاڑ روح کے بالمقابل مادے پر بالکل یہ ایمان لانا ہے۔ ان کے یہاں اگر کسی چیز کا کوئی وجود ہے۔ تو وہ صرف مادی وجود ہے۔ جو اس غم کے فریضے محسوس ہو سکے۔ مگر جس کو جو اس محسوس نہ کر سکیں اس کا سرے سے وجود ہی تسلیم نہیں۔ اگر کوئی بھی لیا جائے تو نسبت ہی نکمٹا اور بے جان سا۔ یہی وجہ ہے کہ رومی جاہلیت میں عقیدہ کا وجود انتہائی سچا نہ تھا۔ رومی جاہلیت کا ایک بڑا بگاڑ جتنی لذتوں کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ یہ لوگ نہایت غلط قسم کی لطف اندوزی میں مبتلا تھے۔ ان کی یہ لطف اندوزی جنسی لذتوں میں حد ابتذال سے گذر کر وحشت و بربریت میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ خون بہانے، قتل کرنے اور عذاب دینے پر بڑے خوش ہوا کرتے تھے بھیل کے میدانوں میں مختلف کرتب ہوتے جن کے دیکھنے کے لئے لوگ کافی تعداد میں جمع ہوتے تھے اور بڑی سخاوت سے روپیہ خرچ کرتے تھے۔ ان کھیلوں میں غلام خنوروں اور تلواروں سے مقابلہ کرتے۔ ایک دوسرے کے پیٹ پھاڑ دیتے، انٹریاں باہر نکال دیتے اور اس طرح ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے اور ان سب کاموں کی ان کو باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی اور جب یہ کارنامے انجام دیئے جاتے تو رومیوں کے وحشی سرداران مناظر کو بڑی دلچسپی اور شغف سے دیکھتے تھے اور سب سے زیادہ خوشی اور لذت انہیں اس وقت حاصل ہوتی جب کوئی کھلاڑی موت کی آغوش میں چلا جاتا۔

## رومی جاہلیت کا نظام عدل

رومی جاہلیت کا ایک بڑا اور بھیانک بگاڑ ان کا نظام عدل ہے۔ جس کے حق دار صرف رومی تھے۔ غلاموں کے لیے اس نظام عدل میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ اس مایہ ناز نظام عدل انصاف میں غلاموں پر فرائض تو مقرر کیے گئے تھے۔ لیکن ان کے حقوق کی کوئی فہرست نہ تھی اور وہ تمام غیر رومی قومیں جو تعداد میں رومیوں سے کہیں زیادہ تھیں اور عظیم تر رومی سلطنت میں بستی تھیں۔ وہ سب رومیوں کی غلام تھیں!!

قرن وسطیٰ کی جاہلیت ایک بگڑے ہوئے عقیدے کی جاہلیت تھی۔ ایک امریکی مصنف ڈیوڈ ٹریپر اپنی کتاب "مذہب و سائنس کی کشمکش" میں لکھتا ہے۔

"دو منافقین کی وجہ سے عیسائیت میں شرک و بت پرستی داخل ہو گئی تھی۔ ان منافقین نے اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کر کے (حالانکہ ان کو مذہب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ مذہب کے معاملہ میں مخلص تھے) بڑے بڑے مناصب قبضہ کیے تھے اور خود کانٹینٹائن کا بھی یہی حال تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی ظلم اور گناہوں میں گزار دی اور سوائے آخری چند دنوں کے کبھی کنیسہ کے مذہبی احکام کی پابندی نہیں کی۔

"اگرچہ ۳۱۳ء میں کانٹینٹائن کے بادشاہ بن جانے سے عیسائیوں کو بڑی طاقت ملی لیکن وہ اپنے اندر سے بت پرستی کی جڑیں نہ نکال سکے۔ بس عیسائیوں کی تمام کوششوں کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ مسیحیت اور بت پرستی کا آمیزہ تیار ہو کر ایک نیا مذہب وجود میں آ گیا اس نقطہ پر اسلام عیسائیت سے قطعی مختلف ہے کہ اس نے بت پرستی کا بالکل خاتمہ کر کے اپنے عقائد کی اشاعت بغیر کسی میل ملاوٹ کے کی ہے۔"

"اس دنیا کے غلام بادشاہ نے جس کے مذہبی عقائد کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اپنی ذاتی مصلحتوں اور عیسائی اور بت پرستوں کی منفعوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان دونوں جماعتوں کا ایک آمیزہ تیار کر دیا۔ تعجب تو یہ ہے کہ سخت عقیدہ عیسائیوں

نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ اسے سمجھنے لگے کہ اگر جدید مذہب کو پرانی  
بت پرستی سے غذا ملتی رہی تو یہ خوب پھل پھول جائے گا اور آخر کار عیسائی بت پرستی  
سے چھٹکارہ پالیں گے۔“

صحیح عقیدے میں جو بگاڑ قرون وسطیٰ میں پیدا ہوا۔ اس کے ثبوت کے لیے مغربی عیسائی  
کی یہ ایک شہادت ہی کافی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ بغیر تفصیل میں جائے ہوئے قرون وسطیٰ کی اس جاہلیت کے چند ”بگاڑ“  
واضح کریں۔ حالانکہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس وقت لوگ مذہب کے زیر سایہ زندگی گزار رہے تھے

## مسیحیت اور کلیسا

اللہ سبحانہ کے پیچھے ہوئے تمام ادیان کی طرح مسیحیت بھی عقیدہ اور شریعت پر مشتمل تھی۔ ہر  
چند کہ انجیل میں زیادہ تفصیلات نہیں تھیں۔ بلکہ اس میں تورات کو بنیاد بنا کر بعض احکام میں جزوی تبدیلی  
کی گئی تھی۔ چنانچہ قرآن الہی ہے:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ  
مِنَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ لَكُمْ  
بَعْضَ الَّذِي حُتِّمَ عَلَيْكُمْ  
انجیل تصدیق کرنے والی ہے۔ اپنے سے پہلی  
کتاب تورات کی اور تاکہ میں حلال کر دوں بعض  
ان چیزوں کو جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں۔

بہر کیف مسیحیت نے چند قوانین میں تبدیلی کے بعد تورات ہی کو نافذ کر دیا تھا۔

لیکن جو کچھ درحقیقت ہوا۔ اس میں روح مذہبی قطعاً نہ تھی۔ باوجودیکہ قرون وسطیٰ کے

یورپ میں کلیسا کو زبردست اقتدار حاصل تھا۔ پھر بھی قانون الہی صرف شخصی احوال ہی میں  
نافذ العمل تھا۔ رہ گیا زندگی کا بڑا حصہ تو اس میں الہی قانون کے بجائے رومی قانون چلتا تھا۔ اگر  
آپ کا ہی چاہے تو کہہ دیجئے کہ قدیم رومی جاہلیت کی حاکمیت تھی۔ مگر یا لوگوں کے ذہنوں پر مذہب  
کا غلبہ ہونے کے باوجود قرون وسطیٰ کے یورپ میں پائی جانے والی دین و دنیا کی آویزش اس وقت کی  
جاہلیت کی سنگین علامت تھی۔

”مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا“ مولانا ابوالحسن علی الندوی

سوسائٹی میں کلیسا کے اثرات بڑے گہرے اور دُور رس تھے اور لوگوں کے ذہن کلیسا کی عظمت سے مڑب تھے۔ اس کے باوجود بھی زندگی کے سارے معاملات رومی قانون ہی سے طے کیے جاتے تھے اور اس طرح کلیسا نے اپنے اس غلط طرزِ عمل سے یونانی قانون کے توسع اور ہمہ گیری کے لیے خاصے مواقع مہیا کر دیے تھے۔ دین و دنیا کی دونی ان کے ذہنوں پر اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ کاہنوں نے دنیا دوسروں کے جہتے میں چھوڑ کر آسمانوں کی بادشاہت اپنے جہتے میں لگالی تھی۔ جنت میں وہی داخل ہو سکتا تھا۔ جسے کاہنوں کی خوشنودی حاصل ہو۔ باقی سب محروم خیال کیے جاتے تھے۔

کلیسا کی گرفت معاشرے پر اتنی سخت تھی کہ اس نے دولت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی عقل و مدد پر بھی ٹیکس لگا رکھے تھے۔ لوگوں سے عسرتاوان لیا جاتا۔ انہیں مجبور کیا جاتا کہ وہ کلیسا کی زمینوں میں مفت کام کریں اور ان لشکروں میں جبری بھرتی ہو جائیں۔ جو کلیسا کے خلاف بغاوت کرنے والے بادشاہوں سے جنگ کیا کرتے تھے۔ کیا یہ انسانوں پر انسانوں کی حاکمیت نہ تھی؟ جب مقدس کاہن کسی راستے سے گزرتے تو لوگ ان کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے۔ کیا یہ انسانوں پر انسانوں کی بادشاہت نہ تھی۔ کلیسا کے پاس کچھ بے بنیاد علمی مفروضے تھے۔ جنہیں وہ لوگوں کے ذہنوں میں ٹھوسا کرتا تھا اور جس نے ان مفروضات کے خلاف آواز اٹھائی۔ اسے پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ چنانچہ پرواتو، برڈو، کوپرینس اور گیلیلیو نے ان بوسیدہ نظریات کو علمی انداز میں غلط ثابت کر دیا تو کلیسا نے ان منکر بن کو انتہائی سخت سزائیں دیں۔

مذہب کے نام پر جو جاہلیت قائم ہوئی تھی اس نے اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ اپنی جاہلیت میں کافی دُور تک چلی گئی۔ دیر بعد خانقاہیں جو رہبانیت اور عبادت کے نام پر قائم کی گئی تھیں وہ بُرائیوں کے اڈے بن کر رہ گئیں جس میں خود راہب اور راہبات ہر قسم کے اخلاقی جرائم کا ارتکاب کیتے تھے۔

اور رہبانیت جو انہوں نے ایجاد کر لی تھی وہ  
وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا  
ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی۔ مگر اللہ کی خانقاہوں  
مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِنَّ اِلَّا تَتَّقُوا  
کے لیے تھیں انہوں نے اس کی پوری پوری  
رِعَايَتَهَا (الحديد: ۲۷)

بالآخر تاریخ کے مشہور اور مضحکہ خیز مغفرت نامے بھی جاری ہوئے۔ جس نے دین کو ایک مذاق بنا کر رکھ دیا۔

یہ تھے قرون وسطیٰ کی جاہلیت کے چند بگاڑ جو یورپ میں مذہب کے نام پر وجود میں آئی تھی۔ جاہلیت جدیدہ ان سب جاہلیتوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اس مجموعہ میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ آنے والے ابواب میں جاہلیت جدیدہ کے نفوس کو اچھی طرح واضح کیا جائے گا۔ یہاں صرف اس کی تاریخی حیثیت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

## یورپ کی نشاۃ ثانیہ

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیادیں، فرض کر لیجئے کہ مذہب دشمن نہ تھیں۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا! اور یہ بات فی الواقع اس وقت کے یورپ کے حالات کے مطابق تھی، پچاس چھ قرون وسطیٰ میں یورپ اور اسلام میں صلیبی جنگیں ہوئیں! تو باوجودیکہ اس وقت کا یورپ پوری طرح مسیحی نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اسلام کے مقابلہ کے لیے تمام یورپ اٹھ پڑا۔ اور ان جنگوں میں انہوں نے اکثر و بیشتر وحشت و بربریت کا ثبوت دیا۔ تعصب بذات خود غلط دینداری کی دلیل ہے۔ کیونکہ صحیح دیندار تعصب کی بجائے اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر چلتا ہے۔

خواہ کچھ بھی ہو۔ یورپ کو اسلام سے ٹکراؤ کے وقت اللہ کے دین کے اپنانے کا جو ایک موقع ملتا آیا تھا، اس نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ اپنی جاہلیت میں سرتاپا ڈوبا رہا۔ یہ بات اس مرحلے پر اگر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ کچھ اور بھی محرکات تھے جو اس کاڑی کو دھکیل رہے تھے۔

صلیبیوں اور مسلمانوں کا ٹکراؤ درحقیقت مغرب میں بنیادی تبدیلی کی پیش بندی تھا۔ جیسا کہ مغرب اور اندلس میں مسلمانوں اور یورپ کے لوگوں کی آمیزش نے یورپ کی تاریخ میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

بریفنگ اپنی کتاب 'تعمیر انسانیت' میں لکھتا ہے:

'جدید دنیا پر عربی تہذیب (اسلامی تہذیب) مراد ہے جیسا کہ مصنف نے آگے چل کر

خود وضاحت کی ہے) کا سب سے بڑا احسان علم ہے۔ لیکن اس کے نتائج کافی بعد میں رونما ہوئے جس عظیم جنٹس نے اسپین میں عربی تہذیب کو جنم دیا تھا وہ ایک طویل وقت گزارنے کے بعد اپنے شباب کو پہنچی اور تنہا علم ہی نے یورپ کو حیات نو عطا نہیں کی۔ بلکہ اسلامی تہذیب کے اور بھی بہت سے مؤثرات کا فرماتے ہیں جس اسلامی تہذیب نے اپنے افق کی پہلی کرنیں یورپ پر ڈالیں۔ یورپ کی ترقی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے۔ جو اسلامی تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر رہ گیا ہو۔ بلکہ اسلامی تہذیب نے تو کچھ ایسے محرکات بھی فراہم کئے ہیں جس نے جدید دنیا کی اصل اور ممتاز ترین قوت عطا کی ہے۔

یعنی علوم طبیعیہ اور علمی بحث کی روح؟

صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے معاندانہ ٹھکراؤ، اور اسپین میں مسلمانوں سے معالمانہ میل جول کا نتیجہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ لیکن بچتے اس کے کہ یہ نشاۃ اللہ کے راستے پر چلتی جو درحقیقت اسلامی تہذیب کی بنیاد تھی — اس نے نہایت تندہی سے اسلام کا مقابلہ شروع کر دیا اور ساتھ ہی مذہب اور عقیدے کی آویزش بھی شروع ہو گئی۔

اسلام سے جنگ جو صلیبی جنگوں میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی اس کی بنیاد ایک امتحان تعصب کے سوا کچھ نہ تھی۔ البتہ دین سے جنگ کا جذبہ خود کلیسا کی حماقتوں کا نتیجہ تھا۔

کلیسا چاہتا تھا کہ لوگ جہالت میں مبتلا رہیں۔ اس لئے کہ اگر عوام نے علم حاصل کر لیا اور انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ کلیسا کے پاس صرف دیو مالہ اور صنمیات ہیں تو ظاہر ہے کہ لوگ کلیسا کی قیادت تسلیم نہ کریں گے۔ چنانچہ کلیسا عوام کو علم سے دوزر کرنے کی کوششوں میں خود علم سے برسریا رہا ہو گیا۔ آزادی ظالم حکمران کے لیے ہمیشہ خطرناک رہی ہے۔ اگر عوام ایک دفعہ آزادی کا مزہ چکھ لیں۔ تو وہ کبھی بھی غلامی نہیں برداشت کر سکتے۔ خواہ وہ غلامی مذہب کے نام پر کیوں نہ ہو۔ چنانچہ کلیسا اپنی ظالم حاکمیت برقرار رکھنے کے لیے شہر آزادی کو جبر سے اکھاڑنے کی کوششوں میں لگا رہا۔

۱۔ تاریخ کسی عربی تہذیب سے واقف نہیں ہے۔ یہ کلیسیا اسلامی تہذیب تو وہ عربی نہ تھی۔ بلکہ براہ راست وہ اسلامی تہذیب تھی۔ اس پر اسلام کی مہر تھی۔ عرب کی نشانی نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تہذیب میں جہاں اور بہت سی قوموں کا حصہ تھا۔ وہاں عرب بھی حصہ دار تھے۔

کیسا میں سر قسم کے گناہ ہوتے تھے۔ لیکن عوام سے وہ زبرد تقویٰ کا مطالبہ کرتے تھے۔ ان سب مظالم اور عوام کو کچلنے والی جاگیرداری کے ساتھ ساتھ عوام پر تادان اور عشور کا بوجھ بھی تھا۔

ظاہر ہے ایسی صورت میں جو بھی نشاۃ ثانیہ ہو۔ وہ ایسے دین سے دور رہ کر ہی ہو سکتی ہے اگرچہ دین دشمنی کی بنیادوں پر نہ ہو۔ اور یہی درحقیقت ہوا بھی کہ

نشاۃ ثانیہ غیر دینی (SECULAR) بنیادوں پر ہوئی اور آہستہ آہستہ دین اور عقیدے سے بالکل دور ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ مسیحیت سے پہلے کی یونانی اور رومی میراث کی طرف پلٹ آئی۔ یعنی جاہلیت جدیدہ تاریخِ نو سے پہلے کی ڈوبڑی جاہلیتوں کی طرف پلٹ گئی۔ اور سمجھایا گیا کہ ہم تاریکی سے روشنی میں آگے۔

اور درحقیقت تھی بھی روشنی جو عالم اسلام سے تاریک یورپ پر چمکی تھی۔ اس روشنی نے ان کی عقلوں کو خرافات سے چھٹکارا دلایا اور وہ کلیسا کی ذلیل اور ظالم پادشاہت سے نجات پا کر آزادی کی طرف رواں دواں ہو گئے۔

لیکن یورپ نے یہ روشنی صحیح بنیادوں پر حاصل نہیں کی اور نہ ہی صحیح ہدایت سے وابستہ ہوئے۔ اور نہ اس اسلام کے راستے پر چلے جس سے یہ نور حاصل کیا تھا۔

یورپ تو اپنے ان معیثین سے بھی بدل گیا۔ جن سے علم حاصل کیا تھا انہی معیثین کو انڈس سے نکالنے اور انڈس کو اپنی ظالم بادشاہت میں شامل کرنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف تحقیقاتی عدالتیں قائم کی گئیں۔ یورپ نے مسلمانوں سے علم سیکھا۔ تہذیب سیکھی اور نظریہ آزادی حاصل کیا۔ مسلمانوں سے تجربی علوم حاصل کیے اور ان پر اپنی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی۔

یورپ نے مسلمانوں سے ایک قوم بننا سیکھا۔ جب کہ ان کے یہاں علیحدہ علیحدہ جاگیرداریاں ہوتی تھیں اور ہر جاگیرداری اپنی جگہ پر ایک سرکش اور باغی طاقت ہوتی تھی۔ ہر قسم کے فتانوں اور عدالتی فیصلے من مان ہوتے تھے اور ہر جاگیردار اپنی جاگیر میں ظالموں کا اللہ اور رب الارباب بنا بیٹھا تھا

یورپ نے مسلمانوں سے آزادی کا سبق سیکھ کر انسان کی ذات اور اس کی شخصیت کو دم گھونٹنے والی آزادی سے نجات تو دلا دی لیکن اس کے باوجود وہ جاہلیت کی گرفت سے آزاد



تہ ہو سکا! کیونکہ اس نے اللہ کی ہدایت کو نہیں مانا۔ اور جو بددینی اس نے عالم اسلام سے حاصل کی تھی اس کا بھی رشتہ قدیم یونانی اور رومی جاہلیتوں سے ملا دیا۔ بہر کیف اس طرح یورپ کے ہاتھ سے اللہ کی ہدایت کو اپنانے کا یہ موقعہ جاتا رہا۔

اور یورپ نے علم و تمدن اور آزادی حاصل کی اور ایک بلند اور عظیم تہذیب کی بنیاد رکھی۔ لیکن یہ ساری تہذیب انہی ستونوں پر آرہی جو اسے ہمارا دے رہے تھے !

یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ جاہلیت علم، تہذیب و تمدن اور مادی ترقیات کے بالمقابل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب باتیں موجود ہوتی ہیں اور قومیں پھر بھی جاہلیت کے اندھیاروں میں بھٹکتی پھرتی ہیں! یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جاہلیت میں کچھ فائدہ مند باتیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن بہر حال ان سے جاہلیت کی ناریکی چھٹ نہیں جاتی اور نہ ہی جاہلیت ہلاکت اور تباہی کے پختی ہے !

ہم بات کو جلد ختم کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہم تو تاریخ کے ساتھ ساتھ چلنا چاہتے ہیں۔ جس وقت تحریک اصلاح مذہب کام کر رہی تھی۔ عین اسی وقت سرمایہ داری غیر دینی بنیادوں پر دنیا میں انقلابات برپا کر رہی تھی۔ سرمایہ داری کی بنیادیں سود، دھوکہ اور فریب تھیں۔ محنت کشوں پر بے انتہا مظالم ہو رہے تھے اور ان کا قرن چوسا جا رہا تھا اور دینی معلمین وجدان کی اصلاح کے چکر میں پڑے ہوئے تھے۔

خیر یہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا۔ لیکن مذہب اور زندگی کی دوئی یورپ میں صدیوں چلتی رہی۔ مگر تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس بات کو محسوس کرنے میں غلطی نہیں کرے گا کہ زندگی کے تمام معاملات میں لادینی رجحانات ہی غالب قوت تھے اور انہی رجحانات کے ماتحت یورپ آہستہ آہستہ دین سے دُور ہوتا چلا گیا۔

یہ تبدیلی بڑی آہستہ آہستہ آتی رہی۔ حتیٰ کہ انیسویں صدی اپنے دامن میں یورپ کی تاریخ کے عظیم ترین واقعات لیے ہوئے آگئی۔ اور

خاص طور پر دو واقعات نے تاریخ کا رخ موڑ کر رکھا دیا۔

## ڈارونیت اور صنعتی انقلاب

مجھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ڈارونیت اور صنعتی انقلاب میں قرون وسطیٰ کی باقی ماندہ

عمارت ڈھانے کے بارے میں کوئی سمجھوتہ ہو گیا ہو۔ یا یہ کہہ لیجئے کہ دونوں ہی قرون وسطیٰ کی جاہلیت کے آثار مٹا کر ایک نئی بلند وبالا۔ جدید جاہلیت کی تعمیر میں لگ گئے۔  
ڈاروینیت نے افکار و نظریات کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا اور صنعتی انقلاب نے عملی دنیا میں عقیدے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

مذہب سے دُوری اچانک رونما نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ انسانی نفوس میں تبدیلی بہت ہی آہستہ آہستہ رونما ہوتی ہے۔ اور اگر یہ تبدیلی ایک ایک فرد میں علیحدہ علیحدہ آ رہی ہو تو رفتار تبدیلی اور بھی سُست ہوتی ہے۔ کیونکہ جماعتی ہم آہنگی افکار و مشاعر کو تیز رفتار گراؤ سے بچاتی ہے اور ہر نئے خیال کے لیے ایک قسم کی روک تھام ہوتی ہے۔ قطع نظر اس امر کے کہ سوسائٹی کی عمارت خیر پر قائم ہے یا شر پر! اور —  
یہی وجہ ہے کہ یورپ صدیوں تک مسیحی بھی رہا اور بت پرست بھی!

نشأۃ ثانیہ نے یونانی اور رومی جاہلیتوں سے استفادہ کیا اور جو مواد اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم سے حاصل ہوا۔ اس کا رخ بھی انہی جاہلیتوں کی طرف کر دیا۔

اگرچہ عقیدہ لوگوں کے دلوں میں پیوست تھا۔ جس کی بنا پر وہ لوگوں کی ذاتی زندگی اور زندگی کے بعض گوشوں میں مؤثر کردار بھی ادا کر رہا تھا لیکن پھر بھی آہستہ آہستہ زندگی کے ایسے معنی و مفہوم چھاننے جا رہے تھے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اس کے برعکس تھے۔

اسی دُور کے سائے تلے تحریک اصلاح مذہب پروان چڑھی۔ یہ تحریک مذہب کو پرائیوٹ سے پاک کر کے زندگی میں اس کے اثرات زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہتی تھی لیکن ایسا ہونا ممکن نہ تھا اور نہ ہی فی الحقیقت ایسا ہوا۔ کیونکہ مصلحین کا ذہن خود بھی مذہب اور زندگی کی دُور اور تفریق سے خالی نہ تھا۔ وہ خود بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ نماز تو کلیسا کی ہے لیکن زندگی کے معاملات میں اللہ کے قانون کے سوا کسی بھی قانون کی حکمرانی ہو سکتی ہے۔

اور سب سے بڑی وجہ یہ کہ تحریک اصلاح مذہب کا اصل محرک مذہب ہی نہ تھا۔ بلکہ قومی تھا۔ سارا مدعا یہ تھا کہ اگر ہمارا کلیسا رومن کلیسا سے علیحدہ ہو جائے تو ہماری جداگانہ قومیت واضح ہو جائے گی اور یہ بات بجائے خود عقیدے کے خلاف ہے۔ کیونکہ عقیدہ تو لوگوں کو اللہ کی وحدت کی بنیاد پر جمع کرتا ہے۔ رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانیت کو پارہ پارہ نہیں کرتا۔

ڈارون مشہور میں پیدا ہوا۔ ۱۸۵۹ء میں اس نے اپنی کتاب 'اصل انواع' اور ۱۸۸۱ء میں 'اصل انسان' شائع کی۔

اس کے بعد پے در پے عقیدے اور فکر کی دنیا میں حوادث رونما ہونے لگے۔ اور — بوتل میں جو جن بند تھا وہ آزاد ہو گیا اور یہ جن تھا — فلسفہ ارتقاء! ظالم جن نے اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو توڑ پھوڑ کر مٹا دیا۔ میں نے اپنی کتاب "جمود و ارتقاء" میں اس ٹکراؤ کا ذکر کیا ہے جو ڈارونیت نے عقیدے کی دنیا بلکہ سارے مغربی فکر میں برپا کر دیا تھا۔ تمام بحث کا تو یہاں دہرانا مشکل ہے صرف مختصر سا تذکرہ کیے دیتا ہوں۔

فلسفہ ارتقاء جب ڈارون کے دارالمطالعہ سے نکل کر تعلیم یافتہ لوگوں اور عوام تک پہنچا تو ان کو کوئی بھی شے ثابت غیر متغیر نظر نہ آتی تھی کالمثلاً کا وجود بھی فلسفہ ارتقاء کی زد میں آ گیا۔ کلیسا اور ڈارون کے درمیان زبردست جنگ چھڑ گئی۔ کلیسا نے ڈارون کو محمد گردانا اور ڈارون نے کلیسا کو تنگ نظری اور جہالت کا طعنہ دیا۔ ابتداء میں عوام کلیسا کے ہمنوا رہے کیونکہ ایک تو مذہب کا چھوڑنا ان کے لیے مشکل تھا۔ دوسرے ڈارون نے انہیں ایک گندے کیرٹے سے جا ملایا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد عوام ڈارون سے مل گئے۔ کیونکہ اس کی تائید کر کے وہ اپنی گردنیں کلیسا سے چھڑا سکتے تھے۔

اس جنگ کا اختتام فلسفہ ارتقاء کی فتح اور مذہب کی شکست پر ہوا۔ — اور — اسی دوران صنعتی انقلاب نے زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور سوسائٹی کی شکل بالکل توڑ کر

راچارلیس رابرٹ ڈارون ( 1809 - 1882 ) ( Charles Robre Drawn )

مشہور انگریز سائنس دان جس نے نظریہ ارتقاء Evolution Theory  
اولیٰ قائلے اصلاح اور بقائے فٹسٹ Survival of the Fittest  
پیش کیے۔ (س۔ صدیقی)

۱۔ التطور و الثبات: اس کتاب کا راقم الحیوت کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

رکھ دی۔ تاکہ نئی عمارت قائم کی جا سکے۔ ایسی عمارت جس کا عقیدے سے کوئی تعلق نہ ہو۔

جس کی ہر بات دین سے متصادم ہو۔

سرمایہ داری نے دین کی تعلیمات کو رسوا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، اس نے پوری بھی کی، ٹوٹا بھی اور قتل بھی کیا اور خون بھی بہائے۔ لوگوں کو ان کی سادہ زندگی سے دُور لے گئی تاکہ آسائشات کو فروخت کر کے مزید نفع حاصل کیا جاسکے۔ سرمایہ داری نے عورتوں کو ایک لقمہ کی تلاش میں گھروں سے نکالا اور اس ایک لقمہ کے عوض اس کے اخلاق کو برباد کیا۔ پھر انہیں مزدوروں کی ہڈیاں ختم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ کیونکہ مزدور سرمایہ داری کی غلامی اور معمولی اجرت پر اپنا خون پسینہ بہانے پر انتہائی ناخوش تھے۔ سرمایہ داری نے نوجوان مزدوروں کو ان کے گھروں سے دُور کام پر لگایا اور ان کے اخلاق کو برباد کیا اور نماشی کے ذریعے ان کی مالی مشکل کا حل پیش کیا۔ اس طرح سرمایہ داری نے ہر عقیدہ اور برتر قسم کے اخلاق کو شکستہ کر دیا۔

یہ سارا نقص ڈاروینیت اور صنعتی انقلاب پر آکر ختم نہیں ہو گیا۔

کیونکہ پس منظر میں کچھ شیطان بھی موجود تھے۔ اور یہ سارے شیطان اپنے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کیلئے بین الاقوامی یہودی تحریک میں موجود تھے اور یہ دنیا کے تمام انسانوں پر یہودیوں کی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے۔

تالمود کہتی ہے کہ "غیر یہودی گدھوں کو اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ اللہ کی پسندیدہ قوم ان پر سواری کرے۔"

اور یہودیوں کی خفیہ تعلیم کہتی ہے "غیر یہودیوں کی غفلت کے منظر پر ہوا اور جو نہیں ان گدھوں کو غافل دیکھو۔ فوراً دبوچ لو۔"

یہی وجہ ہے کہ عالمی یہودی تحریک نے یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے لادینی ہونے پر بڑی بغلیں بجائیں۔ کیونکہ نشاۃ ثانیہ کا لادینی بنیادوں پر قائم ہونا۔ درحقیقت مذہب کے خاتمہ کی پیش بندی تھی۔ مذہب ہی دراصل یہودی تحریک کا دشمن ہے۔ مذہب ہی ان شیطانوں کے مکر کا جواب ہے۔ ذرا مذہب کے بندھن ڈھیلے ہونے اور شیطانوں کو گدھوں پر سواری کا موقع ملے!

انّ جبکوئی یقیناً نک علیہم  
مسلطاناً الاّ من تبعک مسیحی  
میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چل سکتا، ان  
وہ لوگ جو تمہاری ہی میں پڑتے۔

## الطَّافِينَ وَالْمُجْرِمِينَ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

شیطان کا ان لوگوں پر بس نہیں چلتا جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے رب پر بھروسہ کیا

إِنَّهُ يَمَسُّ لِيَدَيْكَ  
عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ زُرِّيْعِهِمْ  
يَتَوَكَّلُونَ (النمل: ۱۰۰)

اور اللہ فرماتا ہے :

شیطان کا بس ان لوگوں پر چل سکتا ہے، جو اس کو اپنا دوست بناتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں

إِنَّمَا مَسَّ طَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ  
يَتَوَكَّلُونَ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ  
مُشْرِكُونَ (النمل: ۹۹)

شیطان کی مددگار اور شیطان کی مددست عالمی یہودی تحریک موقع کی منتظر رہی حتیٰ کہ دو عظیم تاریخی واقعات نے اس کی شکل مل کر دی، ڈارونیت اور صحتی انقلاب۔

ہو سکتا ہے کہ ڈارون شیطان نہ ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا ارادہ انسانیت کے ساتھ برائی کرنے کا نہ ہو جو سکتا ہے کہ اس نے وہی باتیں بیان کی ہوں جن کو وہ صحیح خیال کرتا تھا۔ حالانکہ اس کے نظریے میں بہت سی غلطیاں تھیں۔ جن سے خود جدید ڈارونیت نے پرہیز کیا ہے اگرچہ جدید ڈارونیت بھی انسان کی حیوانیت پر یقین رکھتی ہے اور یہ کہ علم نے انسان کو ایک مخصوص طبیعیاتی شخصیت دی ہے۔ ان تمام غلطیوں کے باوجود ہو سکتا ہے ان خیالات کی پیش کش میں اس کی نیت خراب نہ ہو۔ بہر کیف اس کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اس نے اپنے تمام نظریات کو دین سے علیحدہ کر لیا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ زندگی کے معنی میں الشکا دخل ایسا ہے جیسے کسی خالص میکانیکی ڈھلانچے میں کوئی خلافت طبیعت نصر آجائے۔ وہ کہتا ہے: "طبیعت ہر مسئلے کو پیدا کرتی ہے۔ اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے۔" بہر حال یہودی شیطانوں میں تمام خباثیں بھری ہوئی تھیں اور وہ جان بوجھ کر انسان کی تباہی آمادہ تھے۔ چنانچہ

یہودیوں کے پروٹوکل میں ہے: "ڈارون اگرچہ یہودی نہیں ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ ہمیں اس کی آرام کی اشاعت کر کے دین کا بھرم کس طرح ختم کرنا چاہیے۔"

پروٹوکل میں ہے: "ہم نے ڈارون مارکس اور نٹشے کی کامیابی کا پروگرام بنا لیا ہے کہ ہم کس

طرح ان کے خیالات کی اشاعت کریں گے۔ اصل میں ان کے علوم سے غیر یہودی فکر میں جو اخلاقی کراوٹ رونما ہوگی۔ اسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔“

### عالمی یہودیت اور نظریہ ارتقاء

عالمی یہودیت نے نظریہ ارتقاء سے خوب اچھی طرح کام لیا اور اس مغربی جاہلیت میں باقی ماندہ مسیحیوں کی توجہ سے فرانس اور ڈکیم کے ہاتھوں گلا گھونٹ دیا یہ تینوں یہودیوں کا مذاق اڑاتے تھے اور اس کی شکل مسیح کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ چنانچہ ڈکیم کہتا ہے کہ مذہب غیر فطری امر ہے۔

مارکس نے کہا مذہب قوموں کی ایمن ہے اور مذہب تو چند کہانیوں کا مجموعہ ہے جسے جاگروں اور سرمایہ داروں نے عوام پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے گھڑا ہے اور اس طرح بے چارے عوام کو جنت کا لالچ دے کر انہیں زندگی کی محرومیوں سے غافل بنا دیا ہے۔

فرانڈ کہتا ہے کہ مذہب انسان کی محرومی اور ناکامی کی پیداوار ہے۔ مذہب اس جنسی عشق کی پیداوار ہے جو لڑکا اپنی ماں سے کرتا ہے اور مذہب پیداوار ہے اس خواہش کی جو لڑکے کو اپنے باپ کے قتل کی ہوتی ہے۔

بہر حال ان تینوں نے اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔

ڈکیم کہتا ہے کہ جرم خیالی چیز ہے اور نواح فطرت کے خلاف ہے اور اخلاق کو کسی نظام کے طور پر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ان تمام باتوں کا دار و مدار سوسائٹی کی عقل پر ہے۔ جو کسی مقام پر نہیں بٹھرتی۔

مارکس کہتا ہے کہ اخلاق اقتصادی صورت کا عکس ہے اور یہ صورت حال ہمیشہ بدلتی رہتی ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

فرانڈ کہتا ہے کہ اخلاق ظلم کی نشانی ہیں اور انسانیت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ یہودیوں کی یہ عالمی سازش اس مرحلے پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس سازش نے عورت کو بھی گھر سے باہر نکالا اور مارکس نے عورتوں کے عملی زندگی میں حصہ لینے پر زور دیا۔ ٹوکائی نے شادی کو

خلافتِ فطرت قرار دیا اور فریڈ نے کہا کہ عورت کو ہر صورت میں اپنے جنسی وجود کی تکمیل  
کرنی چاہیے۔

یہودیت نے صرف نظریات میں تھمکے مچانے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ عمل کی دنیا میں بھی قدم رکھا۔  
یہودیت نے جہاں ڈارون کے فلسفہ ارتقا کو اس طرح کام میں لگایا کہ خود ڈارون کے بھی خواب  
خیال میں نہ ہوگا۔ وہاں اس نے صنعتی انقلاب کو بھی نساد کی راہ پر لگا دیا۔ ————— کیونکہ —————  
— سرمایہ داری خود یہودیوں کی شیطنیت ہے۔ جس سے یہودیوں نے اپنے جذبہ سود خواری  
کی تسکین کی ہے۔

سرمایہ داری صرف نفع بخش اشیاء پیش نہیں کرتی۔ بلکہ اس کا ایک کارنامہ سینما بھی ہے۔۔۔  
جو دراصل یہودی ذہن کی پیداوار ہے۔ جس کا مقصد جنسی مناظر دکھا کر نئی نسل کو تباہ کرنا ہے۔  
غرض جتنے بھی لباس وزینت کے مراکز ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہے کہ جس عورت کو ڈارون  
نے عمل کے لیے کھڑوں سے باہر نکالا تھا۔ اسے لوگوں کے لیے فتنہ بنا کر پیش کریں۔ تاکہ لوگوں کے  
دل اس فرب میں مبتلا ہو جائیں اور ان کے عقائد کے بندھن ڈھیلے پڑ جائیں۔ اور ساری دنیا  
ایک ایسا فحاشی کا اڈا بن جائے جس میں مرد و عورت گندی خواہشات کے سمندر میں گردنوں تک  
ڈوبے ہوئے ہوں۔

یہی وہ وقت ہو گا جب یہودی، نجیر یہودی گدھوں پر سواری کر سکیں گے اور اپنے اس شیطانی خواب  
کو شرمندہ تعبیر کر سکیں گے۔ جن سے ان کی مقدس کتابیں بھری ہوتی ہیں۔

غرض بالآخر جدید جاہلیت ساری دنیا پر مسلط ہو گئی اور یورپ جہاں گہری تاریخی بنیادوں پر  
جاہلیت نے نشوونما پائی یہی ساری دنیا کا چودھری بن بیٹھا اور اس کی جاہلی فکر پوری نئی نوع انسان  
کے ذہنوں پر چھا گئی۔

یونانی جاہلیت، رومی جاہلیت، قرون وسطیٰ کی جاہلیت، ڈارونیت اور صنعتی انقلاب  
کے زیر سایہ اُبھرنے والی مذہب دشمن جاہلیت۔ ان سب جاہلیتوں کے مجموعہ کا نام جاہلیت جدیدہ  
اور بیسویں صدی کی جاہلیت ہے۔

اور یہ جاہلیت یورپ تک محدود نہیں رہی۔ کیونکہ یورپ نے اپنی سامراجیت کے ساتھ  
جاہلیت کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ جاہلیت جدیدہ پوری دنیا پر چھا گئی ہے۔  
جاہلیت کی تاریخ بیان کرنے کے بعد اب ہم جاہلیت جدیدہ کی علامات کا ذکر کرتے ہیں۔

# جدید جاہلیت کی علامات

تاریخ کی ہر جاہلیت میں کچھ ایسی مخصوص علامتیں ہوتی ہیں جو اسے دوسری جاہلیت سے ممتاز کرتی ہیں۔ یہ علامتیں درحقیقت اس سوسائٹی کی ہوتی ہیں جس میں وہ جاہلیت موجود ہوتی ہے یا اس اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی صورت حال کی ہوتی ہیں۔ جس میں وہ جاہلیت گھری ہوئی ہوتی ہے اور کچھ ایسی بنیادی خصوصیات بھی ہوتی ہیں۔ جو تمام جاہلیتوں میں بطور قدر مشترک پائی جاتی ہیں اور مجموعی حیثیت سے جاہلیت کی ایک واضح علامت بن جاتی ہیں۔

آئندہ دو ابواب میں ہم جاہلیت جدیدہ کے اس بگاڑ کو واضح کریں گے۔ جو نظریات اور واقعات کی دنیا میں ظاہر ہوئے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ہم جاہلیت جدیدہ کی چند خصوصیات کا ذکر کریں گے۔ جس طرح ہم نے گزشتہ باب میں یہ جائزہ لیا تھا کہ جاہلیت جدیدہ کب پیدا ہوئی اور اس کا نمودار تقار کس طرح ہوا۔

جاہلیت کی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہوا کرتی ہے کہ جاہلیت اللہ سبحانہ پر ایمان نہیں رکھتی۔ یہ خصوصیت نہ صرف یہ کہ دنیا کی تمام جاہلیتوں میں پائی جاتی ہے بلکہ یہی وہ جزو بنیاد ہے جس سے جاہلیت ابھرتی اور پھلتی پھولتی ہے اور بالآخر فکر و عمل کے سائے بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے۔

جبکہ صحیح عقیدہ وہ ہے جو انسان کو کائنات میں اس کے صحیح مقام عطا کرے۔ اس کی نگرانی کو درست کرے۔ اس کی صحیح سمت متعین کرے۔ اس کو طریق مستقیم کی راہنمائی کرے۔ اس کے وجدان و سلوک میں ربط اور اس کے فکر و عمل میں ہم آہنگی پیدا کرے اگر یہ ہو کہ زندگی کے ایک پہلو میں عقیدہ کار فرما ہو اور اس کے باقی پہلو عقیدے کی بالادستی سے خالی ہوں، تو اس کو عقیدے کے مطابق زندگی گزارنا نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ بھی جاہلیت کی ہی صورت ہوگی اور سوسائٹی جاہلیت کے



اس سانسے بگاڑ کو بھگت کر لے ہے گی جو اس جاہلیت کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ یہی اللہ کی سنت ہے اور جب کبھی اور جہاں کہیں اس عقیدے میں راسا بھی انحراف نہ ہوگا تو انسانیت کا ڈھانچہ اس طرح مضطرب ہو جائے گا۔ جیسے مقناطیسی سوئی لکڑی کے رہ جاتی ہے۔ انسانیت کا ایک ڈھانچہ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، انسان مضطرب ہو جائے گا اور اس کے فکر و عمل اور وجدان و سلوک ہم آہنگی ختم ہو جائے گی۔ پھر انسانیت میں نہ تو وہ وحدت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ اسے امن و سکون نصیب ہو سکتا ہے۔ وہ امن و سکون جس سے انسان اسی وقت متمتع ہو سکتا ہے جب اس کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور راستہ بھی صحیح ہو۔ اور جب کبھی عقیدے سے انحراف ہوا جاہلیت آ موجود ہوئی اس لیے کہ دراصل جاہلیت اللہ کی عبادت سے انحراف ہے۔ کیونکہ عبادت انسان کے اس عقیدے کی عملی تعبیر ہے کہ انسان نے زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کو حاکم تسلیم کر لیا ہے۔ اللہ سے انحراف کے بعد انسان اضطراب اور تفریق اور پراگندگی کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ اضطراب اور پراگندگی اس کے سارے فکر و عمل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اللہ کا اور بندے کے کارِ شہ ٹوٹ جاتا ہے اور انسان اور انسان کے باہمی رشتے اور انسان کے زندگی اور کائنات کے ساتھ تعلقات جاہلیت کے بگاڑ کا شکار ہو کر پراگندہ ہو جاتے ہیں۔

غرض جب بھی کبھی تاریخ میں نبی نوع انسان نے اللہ کی عبادت سے انحراف کیا تو اس انحراف کے نتیجے میں انسان کے باہمی تعلقات اور اس کے فکر و عمل میں بھی اضطراب پیدا ہو گیا کیونکہ انسان اس بات کو ماننے یا نہ ماننے حقیقت یہی ہے کہ ان تمام امور کی تنظیم اور ترتیب عقیدے ہی سے قائم ہوتی ہے۔ عقیدہ درست ہوگا تو پورا سماج درست ہوگا اور اگر عقیدہ نادرست ہو تو ساری انسانی زندگی میں اضطراب سرایت کر جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیجئے کہ زمین پر اللہ کی عبادت اور اضطراب اور پراگندگی بیک وقت موجود نہیں ہوتے۔

**عقیدہ کا سطحی وجود**

بہر حال یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ عمل زندگی سے منقطع عقیدے کا سطحی مسا وجود ہو بلکہ اصل بات یہ ہے کہ عقیدہ ہی معاشرے کا فعال محرک ہو اور ساری کی ساری زندگی اسی کے زیر اثر ہو۔ اس کے خلاف سوسائٹی کی ہر صورت خواہ اس میں عقیدہ پایا جائے یا نہ پایا جائے۔ جاہلیت کی ایک شکل ہے اور سوسائٹی جاہلیت کے اس سارے بگاڑ کو بھگت کر کے رہے گی۔ جو

اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کی سنت ہے۔

زماز جاہلیت کے عرب اللہ کو پہچانتے تھے۔ اس کے وجود پر ایمان رکھتے تھے اور اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے لیکن یہ توجہ درست اور صحیح توجہ نہ تھی۔ چنانچہ ان عربوں کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَيْتُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ  
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ -  
اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں  
اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا۔ تو وہ  
یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے۔

(سورہ لقمان: ۲۵)

وَلَيْتُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ  
خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ -

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ خود  
انہیں کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے اللہ  
نے۔

(سورہ زخرف: ۸۷)

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ  
وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ  
وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ  
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ  
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ  
يَدِيرُ الْأُمُورَ، قَسِيْقُولُنَّ اللَّهُ -

(سورہ یونس: ۳۱)

قُلْ لَنْ أَرَى فِيهَا

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُنَّ اللَّهُ  
قُلْ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ قُلْ مَنْ رَبُّ  
السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ  
الْعَظِيمِ سَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلْ أَفَلَا

آپ فرمادیکھے کہ تمہیں آسمان اور  
زمین سے کون رزق دیتا ہے۔ کیا  
وہ کالوں اور آنکھوں کا مالک ہے۔  
کیا وہ جو مردہ کو زندہ سے اور زندہ  
کو مردہ سے نکالتا ہے اور کائنات  
کا انتظام کون کرتا ہے۔ وہ  
یقیناً کہیں گے کہ اللہ!

آپ فرمادیکھے۔ زمین اور اس کی تمام اشیاء

بس کی ملکیت ہیں وہ یقیناً کہیں گے اللہ۔ آپ  
فرمادیکھے پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل  
کرتے۔ آپ فرمادیکھے۔ ساتوں آسمان اور  
عرش عظیم کا مالک کون ہے۔ یقیناً کہیں گے اللہ

آپ فرمادیجئے پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ آپ  
فرمادیجئے کس کے قبضہ قدرت میں ہر ایک  
چیز ہے کہ وہ بدلہ دیتا ہے۔ لیکن اس کو بدلہ  
نہیں دیا جاتا۔ اگر تم جانتے ہو وہ یقیناً کہیں  
گئے اللہ۔ آپ فرمادیجئے پھر تم کہاں بھگتے  
پھر رہے ہو۔

تَشْقُونَ قُلُوبَكُمْ مِنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتٌ  
كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَ لَا  
يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ  
تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ  
اللَّهُ قُلُوبَنَا تَسْحَرُونَ  
(المؤمنون: ۸۴-۸۹)

بہر کیف جاہلی عرب اللہ کو پہچانتے تھے اور اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی  
پیدا کرنے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی پادشاہی ہے۔  
لیکن ان کی جاہلیت یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پوری پوری طرح نہیں پہچانتے تھے نہ اللہ  
پر سچائی کے ساتھ ایمان رکھتے تھے اور اس کو تنہا اپنے تمام معاملات میں حاکم بناتے تھے۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ (الانعام: ۹۱)

”ان لوگوں نے اللہ کا بہت غلط اندازہ لگایا“

یہ لوگ اللہ کو پہچانتے بھی تھے اور ساتھ ہی بتوں کی ٹوچا بھی کرتے تھے۔۔۔۔۔ یہ ان کے  
اعتقاد کی خرابی تھی اور وہ اللہ کو پہچانتے بھی تھے اور اس کی شریعت کو نافذ بھی نہ کرتے تھے۔ اور  
نہ اللہ کو اپنے تمام معاملات میں اپنا حاکم بناتے تھے۔۔۔۔۔ یہ ان کی عملی خرابی تھی۔  
اس اعتقادی اور عملی خرابی کی بنا پر وہ کافر تھے اور جاہلی تھے۔

اور جس جاہلیت سے قرآن ڈرا رہا ہے وہ اعتقادی اور عملی خرابی دونوں کو شامل ہے۔  
عقیدے کے معاملے میں ان کے اس بہانے کو قرآن نے تسلیم نہیں کیا۔

کہ وہ ان بتوں اور دیوتاؤں کی بذات خود عبادت نہیں کرتے۔ بلکہ یہ تو اللہ تک پہنچانے کا ایک  
ذریعہ ہیں۔

خبردار دین خالص اللہ کے لیے ہے اور جن  
لوگوں نے اللہ کے علاوہ اپنے اولیاء بنائے  
ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لئے  
کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کرنے کا

أَلَّا لِلَّهِ الَّذِينَ الْخَالِصُ وَ  
الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءً  
مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى  
اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

فِيْمَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ  
 اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ  
 كَاذِبٌ كَفّٰرٌ (زمر: ۳)

وسیلہ ہیں۔ بیشک اللہ فیصلہ کرے گا کہ وہ  
 کس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ اللہ جھوٹے  
 کافر کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

رہ گیا شریعت کا مسئلہ تو قرآن نے نہایت سختی سے بتایا ہے کہ عقیدہ اور شریعت میں  
 کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر شریعت سے انحراف کرتے ہو اور زندگی کے کسی معاملے میں غیر اللہ کو  
 حاکم بناتے ہو تو تمہارا ایمان ہی مقبول نہیں۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْهَا  
 هُدًى وَّاَنْوُرٌ يُّهَكِّمُ بِهَا  
 النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا  
 لِلدِّيْنِ هَادُوْا وَّالْمَسْكِيْنَ  
 وَالْاَحْبَارَ يَمَّا اسْتَكْفٰظُوْا  
 مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوْا  
 عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا  
 النَّاسَ وَاخْشَوُا اللّٰهَ  
 بِاَيَاتِيْ قَمِيْنًا قَلِيْلًا  
 وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ  
 اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ  
 وَكُنْتُمْ عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنْ  
 النَّفْسِ بِالْاَعْيُنِ  
 وَالْاَلْفِ بِالْاَلْفِ وَالْاَذْنَ  
 بِالْاَذْنِ وَالسِّنَّ  
 وَالسِّنَّ وَالْجُمَّةَ  
 قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ  
 بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ  
 لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ  
 بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ  
 هُمُ

ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور  
 روشنی تھی۔ سارے نبی جو مسلم تھے اسی کے  
 مطابق ان یہودی بن جانے والوں کے معاملات  
 کا فیصلہ کرتے تھے اور اسی طرح ربانی اور  
 احبار بھی اسی پر فیصلہ کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں  
 کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا  
 اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس اسے گروہ یہود  
 تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور  
 میری آیات کو ذرا اور اسے معارضے کے  
 بیچنا چھوڑ دو۔ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام  
 کے مطابق فیصلے نہ کریں۔ وہ ہی کافر ہیں۔ تورات  
 میں ہم نے یہودیوں پر حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے  
 بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے  
 ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے  
 دانت اور تمام فرخوں کے لئے برابر کا بدلہ پھر  
 جو قصاص کا صدقہ کرے تو وہ اس کے لئے  
 کفارہ ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ  
 قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ہی ظالم

الظُّمُونِ وَقَضَيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم  
بِئْسَىٰ بَنِي مَرْيَمَ مُصَدِّقَاتِنَا بَيْنَ  
يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتَيْنَهُ الْإِنجِيلَ  
وَهَدَىٰ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ

وَلِيَحْكُمَ أَهْلَ الْأَنْجِيلِ بِمَا  
أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَّمْ يَعْزَمْ  
بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الضَّالِّينَ - ثُمَّ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ  
الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا  
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ  
وَمُهَيِّئْنَا عَلَيْهِ فَاحُكُمْ  
بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا  
تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَكَ  
مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ

شِرْعَةً وَمِنْهَا جَاوِلُونَ وَاللَّهُ  
لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن  
لِّيُبْلُوَكُمْ فِيهَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا  
الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم  
بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ  
وَإِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ  
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ وَاحْذَرُهُمْ  
إِنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ

میں پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریم  
کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا تو رات میں جو کچھ اس  
کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے  
والا تھا اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں  
رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تو رات میں سے  
جو کچھ اس وقت موجود تھا اس کی تصدیق کرنے  
والی تھی اور خدا ترس لوگوں کے لئے سراسر  
ہدایت اور نصیحت تھی۔ ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل  
اس قانون کے مطابق جو اللہ نے اس میں نازل  
کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے  
مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ہی فاسق ہیں۔ پھر اے  
محمدؐ ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق  
کے آگے موجود ہے۔ اس کی تصدیق کرنے والی  
اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہذا تم خدا کے  
قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ  
کرو اور حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے  
منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو ہم  
نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت  
اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے۔ اگرچہ تمہارا خدا  
چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا۔  
لیکن اس نے یہ اس لئے کیا کہ جو کچھ اس نے  
تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش

اللَّهُ الْمُبْدِيَّ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَمَا عَزَمُوا  
 إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ  
 بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا  
 مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ أَفَعَلَكُمُ  
 الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ  
 مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِيَتَّوَمَّ  
 يَوْتِسُونَ -

(المائدہ: ۴۴، ۵۰)

کرے، لہذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے  
 سبقت سے جانے کی کوشش کرو۔ آخر کار تم  
 سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانے پھر وہ  
 تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا جس میں تم  
 اختلاف کرتے رہے ہو۔ پس اسے محمد تم اللہ  
 کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے  
 معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی  
 پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تمہیں فتنہ میں  
 ڈال کر اس ہدایت سے ڈرہ برابر منحرف نہ کرنے  
 پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔  
 پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے  
 ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے  
 مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے اور یہ حقیقت  
 ہے کہ ان لوگوں میں اکثر فاسق ہیں (اگر یہ خدا  
 کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت  
 کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین  
 رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ  
 کرنے والا کوئی نہیں ہے

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ  
 أَسْمًا بِاللَّهِ عَلَيْهِ وَآيَاتِهِ لِيَفْسُقُوا  
 وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لِيَوْحُونَ إِلَى  
 أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ  
 وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ  
 لَمُشْرِكُونَ (الانعام: ۱۲۲)

”اور جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا  
 گیا ہو۔ اس کا گوشت نہ کھاؤ۔ ایسا کرنا فسق ہے  
 شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و  
 اعتراضات اتھا کرتے ہیں۔ تاکہ وہ تم سے جھگڑا  
 کریں۔ لیکن اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی  
 تو یقیناً تم مشرک ہو۔“

## عقیدہ اور شریعت

ان آیات کے مطالعہ سے علم ہوا کہ عقیدہ اور شریعت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یا تو اللہ کے نازل کردہ احکام کو عملاً اپنی زندگی میں نافذ کرو ورنہ تمہاری زندگی شرک اور جاہلیت کی زندگی ہے۔ اس لئے اللہ کی صریح سچی معرفت اور اس پر صدق دل سے ایمان لانے کا تقاضا ہی یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں اسی کو عامر اعلیٰ مانا جائے کیونکہ وہ ہی خالق و مالک ہے۔ اسی کی اطاعت کرنی ہے اور اسی کے قانون کی اتباع کرنی ہے۔

عقیدہ اور شریعت، ایک ہی مبداء سے پھوٹے ہیں اور ایک ہی انتہا پر مل جاتے ہیں۔ یہ

مبدأ اور انتہا ہیں۔ اللہ پر ایمان — اور اسلام !

جاہلیت کی اصل پہچان یہی ہے کہ یا تو سوسائٹی میں پکا سچا ایمان نہ ہو۔ یا۔ زندگی کے کسی پہلو

میں اسلام نہ پایا جاتا ہو۔

ہر زمانے، ہر سوسائٹی اور ہر قوم کی خواہشات مختلف رہی ہیں۔ لیکن وہ ہمیشہ ایک ہی گروہ کی خواہشات ہوتی تھیں۔ جن کے ذریعہ اس گروہ کے لوگ باقی تمام انسانوں پر حکومت کرنے لگتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کوئی ایک فرد یا جماعت اپنے مفاد کی تکمیل کے لئے باقی لوگوں کو غلام بنا لیتی ہے جبکہ اللہ کی شریعت خواہشات سے مراد ہے۔ کیونکہ اللہ کا انسانوں کے کسی گروہ کے ساتھ کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔

” نہ میں ان سے رزق چاہتا ہوں اور نہ ہی

مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ

یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔“

وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ  
(الذاریات: ۵۷)

تمام انسانوں کو اس نے برابر پیدا کیا۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں، سوائے پرہیزگاری کے

اے انسانوں ہم نے تمہیں مذکورہ ٹونٹ سے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ

پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا

مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ قَوْمًا

تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک

وَتَبَائِلَ لِيَتَعَارَفُوا إِنَّا أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ

اللہ کے نزدیک بزرگی کا مستحق وہ ہے جو تم

أَتَقَاكُمْ إِنَّا اللَّهُ عَزِيزٌ

میں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ بیشک

خَبِيرٌ۔

اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے

(الحجرات ۳۱)

گویا زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں یا تو عملی زندگی میں اللہ کے قانون کا مکمل نفاذ ہو اور یہ اسلام ہے یا خواہشاتِ نفس کی پیروی کی جائے جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں جاہلیت کھلاتے گی۔

طاغوت

جاہلیت کی تیسری مشترکہ خصوصیت ”طاغوت“ ہے۔

طاغوت اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت اور اس کے قانون کی اتباع سے روک کر اپنی

عبادت اور اپنی خواہشات کی بندگی میں لگا دیتے ہیں۔

”جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ ان کا حامی و مددگار

اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں

نکال لاتا ہے اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے

ہیں۔ ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور

وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ

لے جاتے ہیں۔“

جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے

وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے

کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ

میں لڑتے ہیں۔“

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ

جَهَنَّمَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاءَ هُمُ

الطَّاغُوتُ يُخْرِجُهُمْ مِنَ

النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ

(البقرہ: ۲۵۷)

الَّذِينَ آمَنُوا يَتْلُونَ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

يَتْلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ

(النساء: ۷۶)

”طاغوت“ ایک ایسی خصوصیت ہے۔ جو اللہ کے راستے سے انحراف کے بعد ضرور رونما

ہوتی ہے۔

جب لوگ اللہ کی عبادت سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ تو وہ غیر اللہ کی عبادت شروع کر دیتے

ہیں اور کبھی غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ اس وقت یہ معبودان باطل طاغوت بن جاتے

ہیں۔ ”طاغوت“ خواہ ایک فرد ہو، یا ایک جماعت، عرف ہو یا تعلیب، غرض جس قوت کے سامنے

لوگ جھک جائیں اور اس کے احکام کی اتباع کیے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نہ ہو، ایسی قوت



طاغوت کہلائے گی۔

و طاغوت، خواہ کوئی بھی ہو۔ وہ نہیں چاہتا کہ لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کی پوری پوری عبادت کریں۔ کیونکہ جہاں وفاداری صرف اللہ سے ہو۔ وہاں طاغوت نہیں پنپ سکتا۔ وہ تو اسی وقت اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی عبادت سے منحرف کر کے ان پر اپنی خواہشات کی اتباع مسلط کر دے۔

اسی لئے طاغوت ہمیشہ صحیح عقیدے کا دشمن ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے وجود اور اپنی مصلحتوں سے وفاداری چاہتا ہے اور صحیح عقیدے کے ساتھ تمام تر وفاداری اللہ ہی کے لئے ہو جاتی ہے۔

## نفسانی شہوتیں

جاہلیت کی چوتھی مشترکہ خصوصیت، لوگوں کا نفسانی شہوتوں کے سیلاب میں بہہ جانا ہے۔ یہ نفسانی شہوتیں اگرچہ فطرت میں پوشیدہ ہیں۔ لیکن یہ خصوصیت بھی اللہ کے راستے سے منحرف ہونے کے بعد رونما ہوتی ہے۔ کہ نفس انسانی شہوتوں کی تکمیل میں بہترین منہک ہو جاتا ہے۔

”لوگوں کے لیے مغزوبات نفس عورتیں، اولاد سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے مویشی اور زرعی زمینیں، بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں۔ مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔“

زَيْنَ اللَّيْسِ حُبَّ الشَّهَوَاتِ  
مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَيْنِ وَالْقَنَاطِيرِ  
الْمُقْتَطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ  
الْقِضَّةِ وَالْحَنِيئِ الْمُسَوَّمَةِ

(البقرہ:)

یہ امور ہر چند کہ انسانی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں اور اس منصبِ خلافت کے لیے بھی ضروری ہیں جس کو انجام دینے کے لیے انسان اس دنیا میں آیا ہے کیونکہ انسانی زندگی کے لیے یہ تمام محرکات یعنی کھانا، پینا، رہنا، سہنا، پوشیدہ اور جنس اسی لیے ہیں تاکہ انسانی زندگی کا وجود باقی رہے۔

لیکن جب یہی محرکات اپنی معقول مقدار سے بڑھ کر انسانی زندگی پر حکومت کرنے والی شہوت بن جائیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس وقت یہ اپنا فطری عمل سرانجام نہیں دے سکتے۔ بلکہ انسانیت کے لیے تباہ کن اور اس کی طاقتوں کو ہلاک کرنے والے بن جائیں گے اور اس کو خلافت کی ذمہ داری اور

اور انسانیت کے بلند مقام سے گرا کر جانوروں اور شیطانوں کے مقام پر پہنچا دے گی حقیقت یہ ہے کہ اللہ پر عقیدہ اور اس کی شریعت کے زیر سایہ قائم ہونے والا نظام زندگی ہی شہوات کو اپنی حدود میں محدود کر سکتے ہیں اور انہیں انسان پر مسلط ہو جانے سے باز رکھ سکتے ہیں۔

انسانی زندگی کے حدودوں کے تجربات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ انسان شہوتوں اور خواہشاتِ نفس کے سیلاب میں بہہ جانے سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب انسان اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت پر عمل کرے اور اللہ کی ہدایت روگردانی اور اس سے بے خوفی کی صورت میں انسان ہرگز شہوتوں کے سیلاب میں بہنے سے نہیں بچ سکتا، اس لیے کہ اگر جرم سے باز رکھنے کے لیے قانون کا ہوا دکھایا جائے تو لوگ چھپا کر ارتکاب جرم کریں گے اور اگر معاشرے کے افراد کا خوف ہوگا تو جرم کا ارتکاب ہتھکرنے والے ان سے چھپا کر کریں گے مگر اللہ سے ڈرنے والا جرم کا ارتکاب چھپا کر بھی نہیں کرتا اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ وہ خدا سے اپنے کسی گناہ کو نہیں چھپا سکتا۔

جبکہ اس حقیقت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جاہلیتِ خواہشاتِ نفس کو مکمل طور پر ممنوع ہی نہیں گردانتیں۔ اور اس معاملے میں تمام جاہلیتوں کا رویہ یکساں ہے۔ خواہ وہ جاہلیت عربیہ ہو، یا ایرانی جاہلیت، ہندوستانی جاہلیت ہو، یونانی اور رومی فراغِ مصر کی جاہلیت ہو، یا بیسویں صدی کی جاہلیت، ان میں سے کوئی بھی جاہلیت فاحشات کو پوری پوری طرح حرام نہیں قرار دیتی اور اس کے اسباب مختلف ہر کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ طاعت۔ اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے برخلاف فیصلہ کردہ طاعت ہے۔ اپنے مفادات کی تکمیل میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے جنسی بگاڑ کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا اور نہ اس بگاڑ کو درست کرنے کی کوئی فکر کرتا ہے۔

کبھی خود طاعت فاحشات کی اشاعت کرتا ہے، تاکہ وہ خود لذتِ حرام سے لطف اندوز ہو سکے، یا عوام کو ان کے اوپر ہونے والے ظلم سے غافل رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ اور اللہ کے حکم کے خلاف ہر حکم ظلم ہے۔ تاکہ لوگ جنسی لذتوں میں اس قدر مبتلا ہو جائیں کہ انہیں طاعت پر گرفت کرنے کی ذہنت ہی نہ رہے اور اس لحاظ سے جاہلیت اور شہوتوں کا سیلاب ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں۔

مذکورہ بالا تمام خصوصیات تاریخ کی ہر جاہلیت میں پائی گئی ہیں۔ اور ان سب کی بنیاد اور اصل ایک ہی ہے۔۔۔۔ اور وہ ہے — اللہ کی عبادت سے انحراف۔ یہ تمام کی تمام جاہلیت کی مشترکہ خصوصیات ہیں اور کوئی بھی جاہلیت ان سے خالی نہیں ہے۔

— عربی، ایرانی، یونانی، رومی اور فرعون سب ہی جاہلیتوں میں یہ خصوصیات موجود تھیں جیسا کہ وہ جاہلیت جدیدہ میں بھی موجود ہیں۔ سوائے اس کے کہ صورتیں مختلف ہیں، اور کبھی کبھی تو صورتوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

جاہلیت عربیہ میں ایک اللہ کی عبادت سے انحراف تھا — عقیدے میں بھی اور

شرعیات میں بھی —

— کیونکہ اللہ کے ساتھ ساتھ بتوں کی بھی پوجا ہوتی تھی اور اللہ کے قانون کی جگہ جاہلی قانون روایات کی حاکمیت تھی۔ لوگوں پر خواہشات مسلط تھیں۔ طاقت و کمزور کا حق مارتا تھا۔ انصاف بھی اس کے لیے تھا جس کے پاس طاقت تھی اور قریش کے طاغوت کا بن اور پرانی بگڑی ہوئی روایتوں کے زندہ کرنے والے جس بات کو چاہتے حرام کر دیتے اور جس کو چاہتے حلال کر دیتے۔ یہی نہیں بلکہ ایک سال حلال رکھتے تھے تو دوسرے سال حرام کر دیتے تھے یہ باطل احکام کے ذریعے لوگوں کو ذلیل کر کے ان کی گردنوں کے مالک بنے بیٹھے تھے اور شراب، عورتیں، جوا، قتل، لوٹاؤ بدلہ، سرکشی پر فخر اور ہمہ قسم کی شہوات اپنے شباب پر تھیں۔

آج چودہ صدیوں بعد جاہلیت جدیدہ بھی انہی بنیادوں پر قائم ہے۔ چنانچہ — عقیدے اور شریعت میں اللہ کی عبادت سے انحراف اتنا نمایاں ہے کہ اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں۔ زندگی کے بہت سے حقائق میں عقیدے سے انحراف اور زندگی کے سارے مظاہر میں اللہ کے قانون سے انحراف ہے۔ انحراف ہی نہیں بلکہ ایک ایسا ہمگیر الحاد ہے جو طاغوتوں نے زندگی پر مسلط کر دیا ہے اور شیطانوں نے زندگی کے تمام حالات میں اس الحاد کو نمایاں کر دیا ہے۔

رہ گئی خواہشات کی پیروی۔۔۔۔ تو تاریخ میں کبھی اتنی نہیں کی گئی ہوگی جتنی آج کی جا رہی ہے۔ ہر شعبے میں خواہشات کی پیروی ہے۔ مشرق ہو یا مغرب ہر جگہ اور ہر مقام پر خواہشات کی پیروی کی جا رہی ہے۔ اور ہر جگہ عقائد پاوہ پارہ ہیں۔ ہر جگہ مقدسات کا مذاق اڑایا جا رہا ہے،

انسانی تصرف کے سارے ضابطے اور اصول ٹوٹ کر رہ گئے ہیں اور وہ ہم وگمان سے ماوراء  
عبث باتیں ایجاد کر لیا گئیں ہیں۔۔۔

رہ گئے طاغوت۔۔۔ تو ان کی بھی کثرت کی کوئی انتہا نہیں۔ سرمایہ داری، پرولتاریہ،

فاسد روایات، پانٹال اقدار۔۔۔ کیا یہ سب طاغوت نہیں ہیں؟ اور۔۔۔ رہ گئیں۔۔۔

شہوات۔۔۔ تو ان کے بارے میں تو کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے!

غرض ان علامات و خصوصیات سے تاریخ کی کوئی بھی جاہلیت خالی نہیں ہے۔

### جدید جاہلیت کی خصوصیات

تمام جاہلیتوں کی قدر مشترک معلوم ہو جانے کے بعد اب ہم جاہلیت جدیدہ کی خصوصیات

کا ایک مختصر سا جائزہ لیں گے تاکہ ہمارے ذہن میں اس جاہلیت کی مکمل شکل آجائے۔

درحقیقت جاہلیت جدیدہ کی یہ خصوصیات بھی اسی ایک بنیادی خصوصیت سے ابھری ہیں۔

یعنی اللہ کی عبادت سے انحراف؛ لیکن سوسائٹی، حالات اور علمی، سیاسی، اجتماعی اور فکری

اقتصادی ترقیات (جو اللہ کے راستے سے ہٹ کر اور اللہ کے راستے سے دشمنی اختیار کر کے

کی گئی ہیں) کی بنا پر جاہلیت جدیدہ کی صورت اپنی مخصوص نوعیت اور جداگانہ طرز کی حامل ہے کیونکہ

ہر جاہلیت میں مشترکہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ کچھ جداگانہ اور انفرادی خصوصیات بھی ہوتی ہیں۔

جیسے جاہلیت عربیہ میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنا بعض

کھیتوں اور جانوروں کو بلا سبب مرام قرار دے کر ہٹانا۔ اس دور کی جاہلیت کی اپنی خصوصیات تھیں۔

”ان لوگوں نے اللہ کے لیے خود اسی کی پیدا

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ هِمًّا ذَرًّا مِّنَ الْحَرِّ

کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک

وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَتَوَّاهَدُوا لِلّٰهِ

حصہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے

يَنْعَمِمْ وَ هَذَا لِشُرَكَائِنَا

لیے ہے۔ بزعم خود، اور یہ ہمارے ٹھہرائے

فَمَا كَانَ لَشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَيْ

ہوئے شریکوں کے لئے ہے۔ وہ تو اللہ کو

اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلَيْ

نہیں پہنچتا مگر جو اللہ کے لئے ہے وہ ان کے

شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ

وَكَذَلِكَ ذَمُّ لِكَثِيرٍ  
 مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ  
 أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاءُ وَهُمْ  
 لِيَرُدُّوهُمْ وَبِئْسَ مَا  
 عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ  
 وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا  
 فَعَلُوهُ فَتَدْرَهُمْ  
 وَمَا كَيْفُ تَرَوُنَّ وَتَأْتُوا  
 هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَدِيثٌ  
 حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا  
 إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ  
 وَأَنْعَامٌ حُرَمٌ  
 ظُهُورُهَا-

(الانعام: ۱۲۹-۱۳۶)

شریکوں کو پہنچ جانا ہے۔ کیسے بُرے فیصلے  
 کرتے ہیں یہ لوگ۔ اور اسی طرح بہت سے  
 مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی  
 اولاد کے قتل کو خوش نما بنا دیا ہے۔ تاکہ ان  
 کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے  
 دین کو مشتبہ بنا دیں۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا  
 نہ کرتے۔ لہذا انہیں چھوڑ دو کہ اپنی افترا پر  
 میں لگے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کھیت اور یہ  
 جانور محفوظ ہیں۔ انہیں صرف وہی لوگ کھا  
 سکتے ہیں۔ جنہیں ہم کھلانا چاہیں۔ حالانکہ  
 یہ پابندی ان کی خود ساختہ ہے۔ پھر کچھ جانور  
 ہیں۔ جن پر سواری اور بار برداری حرام کہ  
 دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں۔ جن پر اللہ کا نام نہیں  
 لیتے اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر افترا

کیا ہے۔ عنقریب اللہ انہیں ان افترا پر دازلیور  
 کا بدلہ دے گا اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان جانوروں  
 کے پیٹ میں ہے یہ ہمارے مردوں کے  
 لیے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام  
 لیکن اگر وہ مردہ ہو تو دونوں اس کے کھانے  
 میں شریک ہو سکتے ہیں۔“

یونانی جاہلیت کا امتیاز عقل و جسم کی عبادت تھا۔ روحی جاہلیت کی امتیازی خصوصیت  
 وحشیانہ مار دھاڑ کے کھیل کود تھے۔ ہندوستانی جاہلیت کی خصوصیت تھی۔ منوفین کا نظام  
 اور فاحشہ عورتوں کا اپنی عزت لٹا کر عبادت گاہوں کی خدمت کرنا اور اس فحاشی کو مذہبی  
 کام خیال کیا جاتا تھا۔ مصری جاہلیت کی خصوصیت، فرعون کی عبادت، اور اس کی خدمت

میں قوم کا ذلت سے ہمکنار ہو جانا ہے۔ اور قرون وسطیٰ کی جاہلیت کی خصوصیت، کلیسا کی سرکشی  
ذیر کی اخلاقی بے راہ روی اور مغفرت کے رقعے جاری کرنا ہے۔

اسی طرح جدید جاہلیت کچھ مشترک خصوصیات رکھنے کے ساتھ ساتھ کچھ امتیازی خصوصیات  
بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے یہ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

● وہ بلند علمی ترقیات جو انسانیت کو اللہ کی ہدایت سے گمراہ کرنے، اور اللہ کی مخلوقات  
کو شر اور اذیت میں مبتلا کرنے کے کام میں لائی جا رہی ہیں۔

● سائنسی ایجادات اور مادی ترقیات کے نشتر میں سرشار ہو کر انسان کا اللہ کے مقابلے  
پر اتر آنا اور یہ خیال کرنا کہ اب انسانیت کو اس ترقی یافتہ دور میں اللہ کی ضرورت

نہیں رہی یا خود انسان ہی اللہ بن گیا ہے۔

● وہ علمی نظریات جنہوں نے اجتماعیات، اقتصادیات اور نفسیات غرض زندگی کے ہر  
شعبہ میں انسانی زندگی کو بگاڑنے سے ہمکنار کر دیا ہے۔

● فلسفہ ارتقاء

● عورت کی آزادی

اس باب میں ہم جاہلیت جدیدہ کی امتیازی خصوصیات یا اس کی دیگر مشترک خصوصیات  
پر تفصیلی بحث نہیں کر رہے ہیں، کیونکہ آئندہ ابواب میں یہ تفصیل آ رہی ہے۔ لیکن اس باب کے  
خاتمہ پر ہم جاہلیت جدیدہ کا فتنہ بیان کرتے ہیں۔

اس جاہلیت کا عظیم ترین فتنہ یہ ہے کہ اس کی تائید کے لئے بے پناہ علم اور اس کے  
پاس لامحدود مادی طاقت موجود ہے اور اس جاہلیت نے انسان کے لئے کچھ تہذیبی اور مادی  
سہولتیں اور آسائشیں فراہم کر دی ہیں۔ جو اپنی ظاہری شکل میں بڑی سود مند معلوم ہوتی ہیں۔

اسی وجہ سے ہم نے مقدمہ کتاب میں کہا تھا کہ جاہلیت جدیدہ زیادہ دلدل والی، زیادہ

خبیث اور ہر اس جاہلیت سے زیادہ سخت گیر ہے جس کا کوئی تاریخی وجود رہا ہو۔

تمام قدیم جاہلیتوں میں باطل کا باطل ہونا صاف اور ظاہر ہوتا تھا۔ باوجودیکہ قدیم جاہلیتوں

میں لوگوں کی عقل و ضمیر پر جہالت کی حکمرانی ہوتی تھی اور ان کو باطل کا اندازہ نہیں ہوتا تھا اور وہ یہ

سمجھتے رہتے تھے کہ جس سچائی اور حق کی ان کو دعوت دی جا رہی ہے

وہ سراسر نقصان اور گھاٹے کا سودا ہے۔

اس کے باوجود بھی ان جاہلیتوں میں نادانی، شر اور باطل کی مقدار کم ہی تھی اور جاہلیت سے ایک سخت جنگ اور کشمکش کے بعد آخری کامیابی ہدایت کو ہو جاتی تھی اور پھر لوگوں کو حق کے حق ہونے میں کوئی تردد نہ رہتا تھا۔

لیکن آج باطل نے علم کا سہارا لے لیا ہے اور علم ہی کو گمراہی کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ اسی وجہ سے حق و باطل گڈمڈ ہو گئے رہ گئے اور لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ مزید یہ کہ مادی طاقت بھی فتنہ کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ یہ ضرور ہے کہ:

ہر جاہلیت کسی نہ کسی رنگ میں مادی طاقت کا سہارا لیتی ہے۔ جس کے ذریعے طاغوت اپنے احکامات لوگوں پر مسلط کرتا ہے اور لوگ طاغوت کے ہر فرمان کو بھنا دے۔ رغبت یا بے جبر و اکراہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور کسی کو یہ جرات نہیں ہوتی کہ وہ ان احکامات کے خلاف زبان بھی ہلا سکے۔ بلکہ فضالتی مسوم ہوجاتی کہ ان طاغوتوں کے خلاف سوچنا تک مشکل ہو جاتا ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود قدیم جاہلیتوں میں مادی طاقت کا ڈر، انتقام اور اس کی تنظیم آج کے ڈر، آج کے انتقام اور آج کی تنظیم سے بہر حال کم تھے۔ آج صرف دولت کی کثرت ہی نہیں ہے۔ آج صرف ہلاکت خیز اسلام ہی نہیں ہیں! آج ان کے ساتھ خبر رسائی کے وسیع ترین ذرائع بھی موجود ہیں۔

اخبار، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن یہ سب ذرائع مل کر انسانی ذہن اور ضمیر کو ایک خاص رخ پر موڑنے کے لئے لگے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ باطل ہی حق ہے۔ اور حق ایک طاغوت عتقا ہے۔ جس کا واقعاتی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح اس جاہلیت کے کچھ ظاہری فائدے بھی ہیں

اس لیے کہ گنہ گشتہ جاہلیتوں میں بھی کوئی نہ کوئی بھلائی تو ضرور ہی ہے اور کوئی بھی جاہلیت بھلائی سے بالکل خالی نہیں پائی گئی۔ کیونکہ ایسا ہونا اشیاء کی فطرت کے خلاف ہے۔

انسانی سوسائٹی خواہ کتنے ہی فساد کا شکار کیوں نہ ہو جائے۔ لیکن اس میں تمام کا تمام اثر نہیں ہو سکتا کہ خیر کا نام و نشان ہی نہ ہو۔ البتہ بعض افراد پر شر اس طرح غالب آجاتا ہے کہ ان

میں خیر باقی نہیں رہتی۔

پوری سوسائٹی ہی اس قدر شرکی شکار ہو جائے کہ اس میں خیر کا کوئی عنصر ہی باقی نہ رہے ایسا نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ ہر صورت میں اس میں کوئی نہ کوئی اچھی قدر ضرور موجود رہتی ہے۔ اور انسانی نفس کی اسی ایک باقی ماندہ خوبی کی بنا پر بدترین حالات میں بھی ہر جاہلیت میں کوئی ظاہری خوبی یقیناً ہوتی ہے۔ ظاہری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ حق کا سہارا نہیں لیتی۔ نہ ہی صحیح راستے سے ابھرتی ہے۔ اسی لئے یہ ظاہری خوبی بھی عملی زندگی میں آکر غیر موثر ہو جاتی ہے لیکن یہ ظاہری خوبی ہی لوگوں کی نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ جاہلیت میں نہیں ہیں۔

”اور یہ خیالی کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں“ نہ

جاہلیت جدیدہ کی یہ عظیم سرکشی، اللہ کی ہدایت سے زیادہ سے زیادہ انحراف سے پیدا ہوئی ہے۔ جتنا لوگ اللہ کی ہدایت سے دور ہوتے جائیں گے۔ طاغوتی طاقتوں میں اضافہ ہوتا جائے گا... اور لوگ آج ہدایت سے اتنے دور نکل گئے ہیں کہ کبھی تاریخ میں انسان اللہ کی ہدایت سے اتنا دور نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے طاغوتی طاقتیں بھی تاریخ کی طاقت ور ترین طاقتیں ہیں۔ علم، قوت اور تنظیم اس زمانے کی خصوصیات اور عبقریات ہیں۔ ان آلات سے آج کے طاغوت کام لے رہے ہیں۔ یہ طاقتیں اسی کے کام میں آسکتی ہیں۔ جو ان کو اپنا محکوم بنا لے۔ اور مستقبل قریب میں انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا گراہی طاقتوں سے بھلائی کا کام لے گی۔ تمام انسانیت کی فلاح و بہبود کا کام!

جو لوگ جاہلیت جدیدہ پر فریفتہ ہیں، وہ ذرا یہ غور کریں کہ اس جاہلیت نے ان کے حالات اور مشاعر کو کس طرح برباد کر دیا ہے اور کس طرح بھلائی کے ہر موقعہ کو کھو دیا ہے کہ آج جاہلیت نے ان کو جو منافع پیش کیے ہیں۔ مثلاً آسائشات زندگی، طبی، اجتماعی اور عدالتی سہولتیں۔ یہ سب تانے کے چند کے ہیں جنہیں طاغوت نے انسانیت کے راستے میں اس لئے بکھیر دیا ہے۔ تاکہ وہ خود اپنا وجود برقرار رکھ سکے اور تاکہ جمہور عوام اس کی طرف متوجہ رہیں اور وہ تنہا بیعت ناک پادشاہی کے ساتھ لوگوں کی گردنوں کا حاکم بنا رہے۔



اس وقت لوگ محسوس کریں گے کہ وہ جاہلیت میں ہیں اور اس جاہلیت کو ختم ہو جانا چاہیے  
آئندہ دو ابواب میں ہم اس جاہلیت کے درج ذیل فساد کا ذکر کریں گے۔

فکر کا فساد

عمل کا فساد

## تصور و شعور کا فساد

جدید جاہلیت نے انسانی فکر کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس میں بگاڑ اور فساد نہ پیدا کر دیا ہو۔ اس جاہلیت نے انسان کے تمام تصورات میں فساد برپا کر کے انسان کا اللہ سے کائنات سے اور زندگی سے اور خود انسان سے اس کا رشتہ منقطع کر دیا ہے اور اللہ کے تصور اور انسان اور خدا کے درمیان تعلقات میں ایک بہت بڑا بگاڑ پیدا کر دیا ہے اور کائنات اور اللہ کے رشتے اور کائنات اور انسان اور تصور حیات اور زندگی کے تمام مقاصد میں بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ اس جاہلیت نے نفس انسانی کے تصور اور صنفی تعلقات اور انسانوں کے باہمی تعلقات کو بگاڑ کا شکار بنا دیا ہے۔ یعنی اس قدمہ گیر بگاڑ ہے کہ ساری انسانی زندگی فساد کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

کیونکہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ جدید جاہلیت تمام قدیم جاہلیتوں کے بگاڑ اور فساد کا مجموعہ ہے اور اس میں قدیم یونانی اور رومی تہذیب کے بگاڑ اور قرون وسطیٰ کی جاہلیت کے بگاڑ بھی موجود ہیں اور اس میں یہودی اور ان کے غیر یہودی متبعین کے انکار بھی شامل ہیں۔

یورپ اللہ کی حقیقت کے تصور میں بہت بھٹکتا پھرا ہے۔ اور اس نے فلسفہ، علم اور حیات واقعی سب ہی میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ذات الہی اور اس کی واحدیت کے بارے میں یورپ کے عقیدے کا انحراف ہم زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہم پہلے ہی اس سلسلہ میں دیربراہمچی کی کتاب ”سائنس اور مذہب کی کش مکش“ کا اقتباس نقل کر آئے ہیں۔ جس میں اس نے کہا ہے کہ کانٹینٹائن نے بت پرستوں کو خوش کرنے کے لیے نئے مذہب میں بہت سی باتیں بت پرستی کی شامل کر دی تھیں اور اس کا خیال یہ تھا کہ اس طرح یہ لوگ بھی نئے مذہب میں داخل ہو جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرون وسطیٰ کا مسیحی یورپ اور آج کا متحد یورپ دونوں ہی اس شبہ

میں مبتلا رہے ہیں کہ مذہب خدا اور بندہ کے درمیان ہے۔ زندگی سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کا خیال تھا کہ عقیدہ انسانی قلب و شعور کی گہرائیوں میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن عملی زندگی عقیدے سے قطعاً متاثر نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کی خود سنیری ہے جسے حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ ہی زندگی ہے! خواہ عقیدہ صحیح ہو یا غلط وہ بہر حال تمام انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی بھی شعور و عمل عقیدے کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتا۔ اور

مذہب و زندگی۔ فکر و عمل اور عقیدے و شریعت کی یہ دونی قرون وسطی کے یورپ کی ایک

بڑی جاہلیت تھی۔ لیکن کیا فی الواقع مذہب زندگی سے جدا ہو گیا؟ ہرگز نہیں!

بلکہ جو بات فی الواقع وجود میں آئی ہے اور جس کا وجود پذیر ہونا ضروری تھا۔ وہ یہ ہے۔ فاسد عقیدہ یورپ کی تمام زندگی پر اثر انداز ہوا۔ اور آہستہ آہستہ ساری زندگی فساد کا شکار ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ زندگی فساد سے لبریز ہو گئی! کیونکہ زندگی کبھی بھی عقیدے سے جدا ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن عقیدہ کے کہتے ہیں؟ عقیدہ صرف ضمیر کے وجدان کا نام نہیں ہے۔

بلکہ عقیدہ تو وہ ستون ہے۔ جس پر پوری زندگی کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ عقیدہ ہی انسان و

کائنات کا مرکز ہے۔ عقیدہ ہی انسان کے وجود کا مرکز ہے۔ جبکہ

سیدھے سادھے عام لوگوں کو مذہب صرف ضمیر کا وجدان محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ خود یہ عام لوگ جو اپنی عقلوں کو کم استعمال کرتے ہیں اور جو زندگی کی زیادہ گہرائی میں نہیں جاتے۔ وہ بھی اپنے مذہبی رجحانات کے لحاظ سے زندگی میں ایک واضح موقف رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعض باتوں کو قبول کر لیتے ہیں اور کچھ امور سے انکار کر دیتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی یہ لوگ چیزوں کے باہمی ربط و تعلق کو کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں جو سراسر وجدان سے متعلق ہوتا ہے۔

اس لئے۔ مذہب ان سیدھے سادھے لوگوں کے دلوں میں بھی ایک واضح نصب العین ہوتا

جاہلیت کے دور میں لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ مذہب لوگوں کی زندگی میں سمیت کمزور رہا ہے

تو وہ دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ مذہب کا زندگی سے تعلق کمزور رہا ہے اور

یہ کہ زندگی عقیدے سے جدا۔ ایسے اسباب کے ماتحت چل رہی ہے جن کا مذہب سے

کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تصور بذاتِ خود جاہلیت کی نشانی ہے۔

جب مذہب کا اثر عملی زندگی میں کمزور پڑ جاتا ہے تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے، کہ عقیدے میں فسادِ سرائت کر چکا ہے اور زندگی کی گاڑی طبعی رفتار پر نہیں چل رہی ہے اور یہ کہ زندگی ایک ایسے بگاڑ کا شکار ہو چکی ہے۔ جس کے نتائج عنقریب رونما ہو کر رہیں گے۔

جب مذہب کا اثر عملی زندگی میں کمزور پڑ جاتا ہے، تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت نہیں کر رہے ہیں۔ یا عبادت کا حق ادا نہیں کر رہے، یا بجائے ایک اللہ کی عبادت کے اور بھی معبودِ عبادت کے لیے چن لیے گئے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ صرف اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے بلکہ عملی زندگی میں انہی خداؤں کے احکامات نافذ ہیں۔

یہ عقیدے کی سب سے پہلی خرابی ہے۔ تعددِ الہ کی اس خرابی کا تمام جاہلیتیں شکار رہی ہیں۔ اور تعددِ الہ جاہلیت کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ اس کی وجہ سے عملی زندگی میں عقیدہ غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تعددِ الہ کی بنا پر عقیدے میں وحدت و یگانگت نہیں رہتی۔ اس لیے اس کی سمت میں بھی وحدت نہیں رہتی اور اس خصوصیت کی بنا پر جاہلیت اپنے حتمی اور یقینی نتائج کو پہنچ جاتی ہے۔ اگرچہ یہ نتائج بڑے آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں اور لوگوں کو کافی وقت گزرنے کے بعد ان نتائج کا احساس ہوتا ہے۔

تعددِ الہ کا سب سے پہلا نتیجہ تو یہی ہوتا ہے کہ انسانی زندگی دو علیحدہ علیحدہ راستوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک راستہ اللہ کی طرف جاتا ہے اور دوسرا اللہ کے راستے سے ہٹتی ہوئی عملی زندگی کی جانب، اور دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانی ضمیر میں اقدار کی کشاکش شروع ہو جاتی ہے۔ ایک قدر اللہ کے قانون کے مطابق تو بلند مرتبہ ہے۔ لیکن عملی زندگی میں وہ بالکل نیچی اور بوسیدہ ہے۔ دوسری طرف دوسری قدر ہے۔ جو اللہ کے دین میں حرام و ممنوع ہے لیکن عملی زندگی میں اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ یہ تفریق اور پراگندگی انسانی فکر و شعور کو بوجھل کر دیتی ہے اگرچہ اس کا احساس بعد میں ہوتا ہے کیونکہ عملی زندگی عقیدے کی روشنی سے تہی ہو جاتی ہے اور معبودانِ باطل بنیاد میں فساد برپا کر دیتے ہیں۔

عملی زندگی خواہشات، طاغوت اور شہوتوں کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے، اور فساد بڑھتے بڑھتے ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ جب کہ اللہ کی عبادت ثانوی حیثیت

اعتیار کر لیتی ہے اور تمام زندگی پر الہہ غالب آجاتے ہیں۔

بہر حال نشاۃ ثانیہ سے پہلے تک زندگی قدسے مذہب سے متاثر تھی لیکن نشاۃ ثانیہ کے بعد تو ناپ تول کے پیمانے ہی بدل گئے۔ اب عقیدے میں کوئی کشش باقی نہ رہی۔ کیونکہ جدید تحریک نے اپنے فکر و تصور کا معیار قدیم ہیلینی تہذیب کو بنایا تھا۔

اس کے بعد خدا میں کوئی کشش باقی نہیں رہی بلکہ لاتعداد معبودان باطل ہی مرکز کشش بن گئے اور اس کے دو بڑے اہم اسباب تھے۔ ایک واضح سبب اور ایک پوشیدہ سبب۔

واضح سبب تو کلیسا کی علم اور اہل علم سے جنگ ہے۔ کیونکہ کلیسا کو یہ الشہ تھا کہ علم کی وجہ سے اس کا اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا۔ جب علمی تحریک رونما ہوئی تو اسے لازمی طور پر دشمن ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح فکری و تہذیبی نشاۃ ثانیہ بھی کلیسا دشمن تھی۔ کیونکہ اس میں حرکت تھی۔ اس میں انقلاب تھا اور یہ سب کچھ کلیسا کی مرضی کے خلاف تھا۔

فطری طور پر نشاۃ ثانیہ کو زندگی پر غالب آنا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس کا زندگی سے گہرا تعلق تھا۔ چونکہ کلیسا نے نشاۃ ثانیہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اسی لیے منطقی طور پر عملی زندگی اور کلیسا کے مذہب میں بعد پیدا ہونا چلا گیا۔

درحقیقت یہ وقت ایسا تھا کہ یورپ اگر چاہتا تو تمام خرابیاں دور کر کے اللہ کے راستے پر چل سکتا تھا۔ لیکن صلیبی تعصب کا شکار ہو کر یورپ نے اس موقع کو کھو دیا۔ چنانچہ مسلمانوں سے ان کے علوم اور ان کے تجربات حاصل کیئے اور ان کی تہذیب سے استفادہ بھی کیا لیکن جس اللہ کے راستے پر مسلمانوں کے سارے علم و فن کی بنیاد تھی۔ اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد ہی اللہ کے راستے سے انحراف پر رکھی گئی۔ رہ گیا پوشیدہ سبب تو وہ قدیم یونانی جاہلیت کو اپنی تہذیب کا ماخذ بنانا ہے۔

مقدس آگ کا چرانے والا پرومیتھیس یورپ کے جدید انسان کے لئے نمونہ ہے۔ اس قسم کی تمام یونانی صنمیاں نے یورپ کے ذہن پر یہ اثر چھوڑا ہے کہ وہ حصول علم کو خدا دشمنی پر معمول سمجھتے ہیں۔

## مذہب اور زندگی کی دونی

بہر حال ان دونوں اسباب کے تحت مذہب اور زندگی کی دونی کا عمل ایک عرصے تک جاری رہا اور نشاۃ ثانیہ نے مذہب اور زندگی میں مزید فاصلہ اور بُد پیدا کر دیا۔ اور اصل قرون وسطیٰ کی جاہلیت میں اہل یورپ نے حضرت عیسیٰ کے اس قول کی روح کو نہیں سمجھا کہ:۔

”جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو اور جو اللہ کا وہ اللہ کو دے دو“

اور نہ ہی حضرت عیسیٰ کے اس قول کو سنا:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ  
مِنَ الْتَّوْرَةِ وَكَاحِلًا لِّكَمِّ لِبَعْضِ  
الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ

اور میں اس تعلیم و ہدایت کی تصدیق کرنے والا ہوں کہ آیا ہوں جو تورات میں سے اس وقت میرے زمانے میں موجود ہے۔ اور اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے بعض ان چیزوں کو

حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ (سورہ آل عمران ۵۰)

اللہ کی ہدایت سے اس انحراف کے کچھ تاریخی اسباب بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ ایک مستشرق بیولو پلڈ فائیس۔ جو اسلام لے آیا تھا اور اپنا نام محمد اسد رکھا تھا۔ اپنی کتاب ”اسلام چور ہے“ پر میں لکھتا ہے کہ ”مسیحیت کو اس عظیم سلطنت پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا جو اول قانون پر چل رہی تھی اور جس میں مذہب برائے نام ہی تھا۔ جب تیسری صدی میں کانستینٹائن نے مسیحیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا۔ اس وقت بھی مسیحیت کا قبول کرنا صرف عقیدے کی حد تک تھا۔ رہ گیا قانون مسیحی تو اس کا کوئی سوال نہ تھا۔ بلکہ بسا اوقات عقیدہ بھی رومی بٹ پرستی سے ملوث ہو جاتا تھا۔ چہ جائیکہ قانون مسیحی!؟

ان سب باتوں کے باوجود بھی لوگوں میں اپنے عقیدے کی کچھ نہ کچھ سمیت تھی۔ اس ان کے ذہنوں میں یہ بات روج بس گئی ہے کہ اللہ — یا آکہ — انسان کی بھلائی کے خواہاں نہیں ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ انسان کو معرفت حاصل ہو۔ بلکہ انسان کو یہ معرفت اللہ — یا آکہ — سے زبردستی پھینتی پڑتی ہے۔

جولیان ہکس نے اپنی کتاب ”جدید دنیا کا انسان“ میں کہتا ہے کہ

”جہالت اور عاجزی ہی انسان کو اللہ کے سامنے جھکاتے ہیں۔ انسان کے علم و معرفت میں اضافہ ہونے کے بعد اس کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں رہی کہ کہ وہ خدا کے بارے میں سوچتا پھرے۔ اب تو انسان اپنا خدا آپ ہے۔“

اس مرحلہ تک لوگ اچانک نہیں پہنچ گئے۔ کیونکہ انسانی طبیعت بڑی آہستہ آہستہ کسی تبدیلی کو قبول کرتی ہے اور بالخصوص عقیدے کی تبدیلی کئی کئی صدیاں گزرنے کے بعد رونما ہوتی ہے۔

## طبیعت کی پرستش

یورپ کے درمیانی دور میں طبیعت نے اللہ کی عبادت کی جگہ لے لی۔ لیکن دراصل ”طبیعت“ کی پرستش کلیسا کے الہ سے بچاؤ کا ایک راستہ تھا۔ کیونکہ کلیسا نے الہ کے نام پر ٹیکس اور تادان لگا رکھے تھے اور کلیسا لوگوں کو مجبور کرتا تھا کہ وہ اس کی زمینوں پر مفت کام کریں اور اس کے شکروں میں بھرتی ہو جائیں۔

لیکن طبیعت کے نام پر جو نیا الہ تراشا گیا۔ اس کا نہ کوئی کلیسا تھا نہ اس کے حقوق و ذرائع تھے اور۔ یہ نیا الہ لوگوں کے اس فطری جذبہ کی بھی تسکین کرتا تھا کہ وہ اپنے کسی نہ کسی خالق کے سامنے جھکنا چاہتے ہیں اور ان کے اس مقصد کی بھی تکمیل کرتا تھا کہ وہ کلیسا کے اس مذہب سے جان چھڑانا چاہتے تھے جو صدیوں سے ان پر مسلط چلا آ رہا تھا۔

جس زمانے میں طبیعت کے دیوتا کی پوجا ہو رہی تھی۔ اسی زمانے میں یورپ کے لوگوں کے دلوں میں اللہ بھی موجود تھا۔ جس کی طرف وہ اپنی خلوت میں لوٹ گاتے، اور کلیسا میں اسی کی عبادت کرتے اور تھوڑے بہت اپنے مذہبی اخلاق اور روایات پر بھی قائم تھے۔ لیکن یہ سب کچھ بطور عادت تھا۔ اور اس کے پس پشت کوئی ایمانی قوت موجود نہ تھی۔

اس طرح الہ چند در چند ہوتے گئے اور ان کے درمیان پیچیدگیاں بڑھتی گئیں۔ چنانچہ جب کلیسا میں نماز پڑھی جاتی، تو اللہ کی ذات محبوب سمجھی جاتی، اور اس سے ڈرا جاتا۔ یا نماز کے علاوہ زندگی کے کسی اور لمحے اللہ کو مالک سمجھ لیا جاتا۔ لیکن جب کسی فتنہ شعور کا مسد ہوا تو طبیعت معبود ہوتی اور اس سے خوف زدہ ہوا جا

کیونکہ تحریک رومانیت نے طبیعت کو بڑی اہمیت دے دی تھی اور ساری شاعری کو طبیعت کے گرد گھما دیا تھا۔

علمی ترقیات میں بھی مرکز فکر طبیعت قرار پائی۔ سائنس دانوں نے وہ قوانین طبیعت معلوم کیے جن کے سہارے ساری کائنات چل رہی ہے۔ ان قوانین طبیعت میں نہ تو عقلی لحاظ سے اختلاف کی گنجائش تھی اور نہ خود اس علمی منطوق کے لحاظ سے جس نے ان نظریات کو جنم دیا تھا!

حکومت اور اس کے قوانین تیسرا لہ تھے۔ جس کی عوام برضا و رغبت یا بجز و اکراہ اطاعت کر رہے تھے۔

ایک دین تین الہوں میں بٹ گیا۔ جب کہ قرون وسطیٰ میں دو ہی الہ تھے۔ ایک عقیدے کا حاکم تھا اور دوسرا قانون کا!

اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ تبدیلی رونما ہوئی کہ اللہ کو ٹھلا دیا گیا اور فکر و عمل پر اللہ کے عقیدے کا اثر کم ہوتا گیا اور اللہ کی جگہ خود انسان نے لے لی۔

### صنعتی انقلاب

جاگیرداری ختم ہو گئی۔ کلیں ایجاد ہوئیں اور صنعتی انقلاب آ گیا۔ صنعتی انقلاب کے ساتھ نفسواریات و افکار میں بھی انقلاب برپا ہو گیا۔

صنعتی انقلاب ایسی جاہلیت میں رونما ہوا جس میں اللہ کی عبادت صرف ظاہری طور پر ہوتی تھی۔ چنانچہ اس انقلاب نے نہ صرف یہ کہ جاہلیت کے اثرات کو خود قبول کیا۔ بلکہ جاہلیت کو مزید توانائی اور حرکت بخشی۔

ایک طرف اگر دیہاتوں کے جذبات اللہ کے ساتھ وابستہ تھے۔ دوسرے اہلہ کے شرک کے ساتھ۔ کیونکہ وہ غلط گانے والا۔ درختوں پر چل لانے والا اور زمین کو آفات سے محفوظ رکھنے والا اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔ اور دوسری جانب جاہلیت کی حکمرانی میں رہنے والے لوگوں کا اللہ سے کوئی رابطہ ہی نہ تھا۔



صنعتی انقلاب میں ان لوگوں کا جاہلی خیالی یہ تھا کہ اللہ صنعتی پیداوار نہیں کرتا بلکہ انسان کرتا ہے۔ کیونکہ انسان نے اپنے علم کی بنیاد پر مادے کے خواص معلوم کیے ہیں۔ انسان ہی نے اپنے علم کے ذریعے پیداوار کرنے والی کھیں ایجاد کی ہیں۔ انسان ہی مشین کو حرکت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ انسان ہی خام مواد کو مصنوعات کی شکل میں تبدیل کرتا ہے۔ جب سب کچھ انسان ہی کرتا ہے تو بجائے اللہ کے عبادت بھی اسی صنعتی انسان کی ہونی چاہیے۔!

اس دوران میں طبیعت کی ساحری میں بھی پہلا سا اثر نہ رہا اور اس کی الوہیت بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گئی۔!

کیونکہ ایک طرف تو فنی نقطہ نگاہ سے طبیعت مرکز خیال نہ رہی جیسے دورِ رومانویت میں تھی۔ بلکہ اس عملی زندگی میں انسان ہی اللہ جدید تسلیم کر لیا گیا!

دوسری طرف علمی نقطہ نگاہ سے جب انسان نے طبیعت کے رازوں کا پردہ چاک کر دیا تو خود طبیعت کے رازوں کا پردہ چاک کر دیا تو خود طبیعت پر انسان کی بالادستی قائم ہو گئی۔ اس طرح الوہیت، اللہ سے طبیعت میں آئی اور طبیعت سے انسان میں آگئی۔ اور اس دور کے انسان نے یہ خیال کیا کہ کسی ایسی غیبی طاقت اور ان دیکھی قوت کے سامنے انسان کا سرنگون ہونا جو اس کی گرفت میں نہ آسکے باعث شرم ہے اور انسانیت کے لیے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے اوقاف اور اپنے اخلاق کا مرجع ایسی مستی کو بنا لے جسے وہ دیکھ نہیں سکتا۔ بھلا انسان کب تک اندھا بن کر ان بے اساطیری قوانین پر چلتا ہے گا۔

چنانچہ انسان اس گرفت سے آزاد ہو گیا اور اس نے ان معبودوں کی پرستش چھوڑ دی جن کی پرستش وہ اپنی جہالت اور کمزوری کے ذریعے کیا کرتا تھا اور اس نے ہر شے کو عقل کے معیار پر پرکھنا شروع کر دیا جو بات عقل کی گرفت میں آجاتے وہ درست ہے اور جو بات عقل میں نہ آئے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ وہ ایک من گھڑت کہانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس لیے انسان نے اپنی زندگی کی تعمیر خود ہی شروع کر دی اور اپنے لیے قانون سازی کا حق بھی حاصل کر لیا کیونکہ انسان اپنی لحاظ بہ لحاظ بدلتی ہوئی ضرورتوں اور نوع بہ نوع حالات سے زیادہ واقف ہے۔

اور جب اس جگہ میں مزید اضافہ ہوا۔ تو وہ اپنے ساتھ انسان کی عبادت کو بھی بہا لے گیا۔  
 موجودہ جاہلیت کے اس آفری مرحلہ کو بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم ان جاہلوں  
 کے بچے کچھ آثار کی نشاندہی کریں۔ جن کی بنا پر حقیقت الوہیت میں یہ تمام بگاڑ رونما ہوتے  
 ہیں۔ یونانی جاہلیت کا اثر یہ ہے کہ اس نے انسان اور اللہ کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی  
 کر دی تھی۔ وہ کج بھی قائم ہے!

رومی جاہلیت کا اثر یہ ہے کہ آج بھی انہی حقائق کو تسلیم کیا جاتا ہے، جو اس غم کے  
 ذریعے محسوس ہو سکیں۔ چونکہ اللہ کا واس کے ذریعے ادراک ہو نہیں سکتا۔ اس لئے اس پر  
 ایمان لانا بھی غیر ضروری ہے!

رومی جاہلیت ایک نئی شکل میں بھی سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ آج بھی عقل انسانی کو اتنا بلند  
 مقام حاصل ہے کہ وہ اللہ کی وحی کا تنقیدی جائزہ لے اور چاہے تو خود اللہ کے وجود پر بھی تنقید کرے  
 اور آج بھی رومی جاہلیت کا یہ اثر موجود ہے کہ اللہ اور انسان میں بدستور جنگ جاری ہے۔  
 نشاۃ ثانیہ کے ابتدائی دور میں تو یہ جنگ کھلم کھلا تھی۔ جاہل و کمزور انسان اللہ کے  
 سامنے جھکتا تھا۔ جب وہ علم و طاقت حاصل کر لیتا۔ تو اس کا مقام خدا سے بھی بڑھ جاتا اور  
 خدا کا مقام اس کے مقابلے میں گر جاتا۔ پھر جوں جوں انسان علم حاصل کرتا گیا۔ اس کا مقام بڑھتا گیا۔  
 اور خدا کا مقام گرتا گیا۔ یہاں تک کہ انسان خود اپنی زندگی کا خالق بن گیا اور خود ہی اللہ بن گیا۔  
 اور جب اللہ کے ساتھ طبیعت کی بھی عبادت شروع ہو گئی تو یہ کش مکش اللہ سے ہٹ کر  
 طبیعت اور انسان میں شروع ہو گئی۔ کیونکہ انسان طبیعت پر غالب آنا چاہتا تھا اور انسان  
 طبیعت کے راز چھیننا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ جیسا کہ پر دہیٹھیں نے مقدس آگ چرائی تھی!

جب انسان خود ہی معبود بن بیٹھا۔ تو انسان اور انسان کے درمیان ایک سخت  
 کش مکش شروع ہو گئی۔! یہ کش مکش تھی انسان عابد اور انسان معبود کے درمیان۔! یہ کش مکش  
 تھی فرد کی جماعت کے ساتھ، فرد کی حکومت کے ساتھ، فرد کی سوسائٹی میں پائی جانے والی  
 اقدار کے ساتھ اور فرد کی خود انسانیت ہی کے دوسرے فرد کے ساتھ!۔۔۔ نتیجہ یہ ہوا کہ  
 انسان اور انسان کی ان کش مکشوں نے انسان کی عبادت کا قائلہ کر دیا۔

## مادی جبریت

اس کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ انسان اس زمین کا حقیقی معبود نہیں ہے بلکہ جدید علمی مباحثے کئی اور معبود دریافت کر لیے اور اقتصادی، اجتماعی اور تاریخی جبریتوں کو حاکم تسلیم کر لیا۔ اور ان کی انسان پر اور انسان کی تقدیر پر بالادستی مان لی۔ چنانچہ مارکس کہتا ہے:-

”اجتماعی نتائج جو انسان کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ محدود قسم کے تعلقات ہیں۔ جن کے بغیر چارہ کار نہیں اور جن میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔ مادی زندگی میں نتائج کا طریقہ کار ہی زندگی کی اجتماعی، سیاسی اور معنوی شکلیں متعین کرتا ہے۔ انسانی شعور ان شکلوں کو متعین نہیں کرتا بلکہ یہ شکلیں انسانی شعور کا رخ متعین کرتی ہیں۔“

انجلیز کہتا ہے:

”مادی نظریہ کی ابتداء یہ ہے کہ پیداوار ہی ہر اجتماعی نظام کی بنیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بھی بنیادی تغیر رونما ہوتا ہے۔ اس کا سبب پیداوار کا طریقہ کار ہی ہوتا ہے۔ نہ کہ لوگوں کی عقل یا حق و عدل کی تلاش و جستجو۔“

جبریتوں کے یہ دیوتا انسانوں کے فکر و تخیل اور ان کے حق و انصاف کی طرف سبقت کی فطری صلاحیت کا خیال کئے بغیر ان کی زندگی کو اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں۔ یہ ایسے دیوتا ہیں۔ جو انسانوں کے ضمیر پر لبیک نہیں کہتے اور نہ ان کے نفس کے ساتھ چلتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ان کے ضمیر کی آواز کو سنتا، اور ان کے نفوس کی رعایت رکھتا ہے۔ بلکہ اتنی رعایت تو جاہلیت اولیٰ کے دیوتا بھی کرتے تھے۔ باوجودیکہ اس جاہلیت میں بہت بڑا یگاڑ پایا جاتا تھا اور انسان اور دیوتا کی وحشیانہ کش مکش بھی تھی۔ یہ دیوتا تو اپنی جبریت میں انسان کو ایک مشین کا پڑزہ بنا دیتے ہیں۔ جو مشین کے ساتھ اپنی مقررہ حرکت کرنے پر مجبور ہے۔

اس طرح انسان اپنی عبادت میں پستیوں کی طرف گرتا چلا گیا۔ پہلے اللہ کی عبادت میں کچھ اور آگے کو شریک کیا۔ اس کے بعد نیچر پستی کی۔ پھر انسان نے انسان کی پرستش کی جس کے نتیجے میں مہلک کش مکش برپا ہوئی جس نے انسان کو ان ظالم۔ بے روح اور انسان کو ذلیل کرنے والے دیوتاؤں کی پرستش پر مجبور کر دیا۔ جن کے دامن میں جبریت کی سختی اور ذلت

کے کچھ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کی جاہلیت بہت ہی بڑی جاہلیت ہے !!  
اس سارے تہذیب کے پس منظر میں نہ کوئی منطق ہے نہ کوئی بصیرت ہے، اور نہ کوئی  
سند !! کیونکہ جب اللہ کے ساتھ شرک کے بگاڑ کی ابتداء ہوئی تو اس کے لئے بھی نہ کوئی  
سند تھی اور نہ کوئی تائید !!

جو اللہ کو پوری پوری طرح پہچانتا ہو، وہ کبھی بھی شرک گوارا نہیں کر سکتا۔ یورپ میں جب  
عقیدہ پہنچا تو کانسٹیٹائن کے ہاتھوں اس میں رومی و ثنیت کی آمیزش ہو چکی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا  
کہ یورپ نے اللہ کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ بلکہ دن بہ دن جاہلیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔  
بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر نازل کردہ شریعت چونکہ رومی  
سلطنت کے مختصر حصے میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ اس لئے اتنی وسیع سلطنت میں اس کو نافذ  
نہیں کیا جاسکتا تھا۔

یہ عقیدہ ایک رخ سے تو پرہ اٹھاتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے غفلت برتنے لگا ہے کہ مسیحی  
تصور میں خود عقیدہ بھی صحیح نہ تھا۔ اگر عقیدہ صحیح ہوتا تو رومی سلطنت اس کا راستہ نہیں روک سکتی تھی  
جیسا کہ اسلام کے سامنے نہ عرب کی اندرونی طاقتیں ٹھہر سکیں اور نہ بیرونی۔ جب کہ بیرونی طاقتوں  
میں تمام رومی اور ایرانی سلطنتیں بھی شامل تھیں۔ بہر حال یہ اسباب ایسے ہیں کہ ان سے واقعات  
کی تشریح تو کی جاسکتی ہے لیکن ان سے راہِ حق سے انحراف کا جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا۔

اصل میں یہ بنیادی بگاڑ ہی ہر قسم کے بگاڑ کا پیش خیمہ ہے۔ اگر نفس میں شرک کو قبول  
کرنے کی گنجائش موجود ہے تو شرک کے بعد تو سب کچھ آسان ہے اور جب یہ بگاڑ پیدا ہو  
جاتے تو یہ زیادہ سے زیادہ گہرائی میں دھکیلتا اور مزید فساد کا موجب بنتا ہے۔

یورپ کی ابتداء ہی غلط ہوئی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اللہ کی ہدایت سے دور ہی ہوتا چلا گیا!  
جب کلیسا نے اپنی حماقتوں سے بُرائیوں اور خرابیوں میں اضافہ کر دیا تو یہ یورپ کے  
عقیدے میں ایک نئے بگاڑ کا سبب بنا۔ جس نے بتدریج اس بگاڑ کو بیسویں صدی کی جاہلیت  
سے لاپلا یا !! یہ بھی حالات و اسباب کی ایک تشریح تو ہے مگر انحراف کا جواز نہیں ہے۔  
کیونکہ یورپ والے پہلے ہی سمجھتے تھے کہ کلیسا جو کچھ پیش کر رہا ہے، وہ حقیقی دین نہیں ہے۔

بلکہ کاہنوں اور مذہبی لوگوں کی اپنی ہی تخلیق ہے۔

جس میں ایسے عقائد ہیں جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہیں اور جن کے قبول کرنے سے ان کی عقلیں انکار کرتی ہیں لیکن بجائے اس کے کہ وہ کلیسا کے اس مسخ شدہ دین کا جوا اتار کر، اللہ کے نازل کردہ صاف سچے دین کی طرف پلٹ آتے۔ انہوں نے سارے ”دین“ ہی سے یہ کہتے ہوئے ہاتھ جھٹک دیئے کہ ”مذہب ہے ہی خرافات“!

## نیچر کیا ہے؟

اہل یورپ اپنے انحراف کے خواہ کتنے ہی عذر پیش کریں لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ یورپ بگاڑا اور انحراف سے دوچار ہوا اور اس نے تاریک دور کے شرک میں نیچر پرستی کا بھی اضافہ کر لیا۔ تو اس کا مغرب کے پاس کیا عذر ہے بلکہ یورپ کے روشن و مانع لوگوں نے شرک کی جو نئی نئی صورتیں اختیار کی ہیں ان کا کیا عذر ہے۔

در اصل نیچر پرستی تو ظالم کلیسا کے اقتدار سے بچاؤ کے لیے وجود میں آئی تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود نیچر کیا چیز ہے؟ کیا کوئی صاحب عقل آدمی اس عقلیت کے دور میں وہ بات کہہ سکتا ہے جو ڈارون نے کہی ہے۔ کہ

”نیچر برائے کی خالق ہے اور اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے“

— اور کسی عقل و سمجھ رکھنے والے انسان کے لئے کیسے ممکن ہے کہ وہ نیچر کو ایک ایسی ہستی خیال کرے۔ جو پوری کائنات پر حاکم اور اس کی تقدیر کی مالک ہے؟

آخر یہ عقلمند اپنے آپ سے یہ سوالات کیوں نہیں کرتے کہ یہ نیچر جس کی وہ پرستش کر رہے ہیں آخر ہے کیا؟ مخلوق ہے یا خالق؟ عاقل ہے یا غیر عاقل؟ اس نیچر نے اپنے آپ کو کیسے پیدا کر لیا؟ وہ قوانین کیسے پیدا کیے جن پر کائنات چل رہی ہے؟ یہ قوانین کائنات کو اپنی منشا کے مطابق کس طرح چلاتے ہیں؟ ان قوانین کو یہ ”جبریت“ کہاں سے حاصل ہوئی کہ کائنات انہی لگے بندھے اصولوں پر چلتی رہے؟

پھر بتائیے کہ اس نئے معبود میں جس کو ہر قسم کی قوت و طاقت کا سرچشمہ قرار دے دیا گیا

لے ڈارون کہتا ہے کہ ”نیچر تو اندھے کی لالچی ہے“

ہے اور اس اللہ میں جس کو غیر معقول سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ کیا فرق ہے؟  
 جب یہ کسی غیبی قوت کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ تو یہ اپنے آپ سے  
 سوال کیوں نہیں کرتے کہ نیچر غیب ہے یا مشاہدہ؟ اگر نیچر کے مظاہر آسمان، زمین، مادہ اور شعاع  
 کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ تو خود نیچر کیا ہے؟ نیچر کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ وہ نیچر جس نے آسمان  
 کو آسمان، زمین کو زمین اور مادے کو مادہ بنا دیا ہے۔ کیا یہ نیچر ایسا غیب نہیں ہے جس کو جو اس  
 محسوس نہ کر سکیں؟ اور کیا اللہ بھی اسی طرح غیب نہیں ہے؟

ایسا غیب جو محسوس تو نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے مظاہر آسمان، زمین، مادہ اور شعاع کی  
 شکل میں ہمیں نظر آتے ہیں!؟!

یہ وہ عظیم ترین حماقت تھی جس میں یورپ کے روشن دماغ لوگ مبتلا ہوئے!  
 پھر جب نیچر کی پرستش ختم ہو گئی اور اس کی جگہ خود انسان کی پرستش ہونے لگی تو یہ انسان کی  
 پرستش آخر کیوں ہوئی؟

کیا اس لئے کہ انسان نچلم نچلم حاصل کر لیا اور اس کی قوت میں اضافہ ہو گیا۔!  
 اس بدترین جاہلیت سے ذرا چشم پوشی کیجئے۔ اس جاہلیت کی بُرائی کا یہ عالم ہے کہ یہ  
 اپنے اُس خالق کو بھی پہچاننے سے انکار کرتی ہے جس نے اسے علم عطا کیا۔ سبب صرف یہ کہ سڑیہ علم  
 ہاتھ آگیا! بجائے اس کے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اس عظیم عطا و بخشش پر اس کی جناب میں سجدہ شکر  
 بجالائے۔ انسان نے خود نعمت ہی کو اپنے لئے کفر و نفرت کا سبب بنا لیا۔

تھوڑی دیر کے لیے اس جاہلیت سے درگزر کیجئے کہ جو قدیم یونانی جاہلیت کے اس  
 بگاڑ سے زہرا لود ہے کہ انسان اگودیاؤلیس میں کش مکش رہی، اور جب بھی انسان دیوتاؤں سے  
 کچھ علم غصب کر لیتا ہے تو اس طاقت کے بل بوتے پر سرکشی اور نافرمانی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے

## سائنس کی بے چارگی

تھوڑی دیر کے لیے ان سب باتوں سے درگزر کیجئے۔ ذرا دیکھئے آخر اس علم کی مقدار کیا ہے  
 جس نے انسان کو سرکشی اور نافرمانی پر مجبور کر دیا۔

ایک امریکی سائنس دان ماریت اسٹینے کونگڈن اپنے مضمون ”گلاب کے پودے کا مطالعہ“

میں لگتا ہے :-

”اگرچہ سائنس مشاہداتی حقیقتوں کا نام ہے۔ لیکن یہ بھی انسانی عقل، مطالعے اور نتیجہ اخذ کرنے کے مختلف طریقوں سے ضرور متاثر ہوتی ہے۔ سائنٹیفک مشاہدات اس حد تک تو قابل قبول ہیں۔ لیکن کمیت کے میدان میں یہ بڑے محدود ہیں۔ ان کی ابتداء بھی احتمالات ہیں اور انتہا بھی احتمالات ہیں۔ یقین کا کوئی واسطہ نہیں بلکہ تمام سائنٹیفک نتائج غلطی کے متحمل ہیں اور یہ کہ ان میں کسی بھی وقت تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی ہمیشہ رہنے والے مطلق اصول نہیں ہیں۔“

یہ کسی مذاہبی آدمی کا نہیں۔ بلکہ ایک سائنس دان کا قول ہے۔! تمام انسانی علم احتمالات ہی کا مجموعہ ہے۔ یقین تو کہیں بھی نہیں۔ خواہ تجربات اور آلات کی دنیا میں کتنی ہی باریک بینی سے کام کیوں نہ لیا جائے :-

فدا علم سائنس کا میدان بھی دیکھئے!

ایک زمانہ ہوا کہ علم اس بات پر مجبور ہو چکا ہے کہ اشیاء کی اصل حقیقت اور گتہ معلوم کرنے کے بجائے صرف اشیاء کی ظاہری ہیئت ہی معلوم کر لی جائے اور اشیاء کی اس ظاہری ہیئت کے بارے میں بھی یہ سائنس دان کہتا ہے کہ یقینی نہیں ہے بلکہ اس کی ابتداء اور انتہا سب ہی احتمالات ہیں! اصل علم کی نسبت اس علم کی حقیقت سہمی کیا ہے اور انسان اس علم کی بدولت کس فریب کا شکار ہو گیا ہے :-

پھر اس علم کی کیا حقیقت ہے۔ اس مقدار علم کے بالمقابل جو انسان حاصل کرنا چاہتا ہے وہ علم غیب آخر کہاں ہے۔ جس کی تلاش میں انسان ابتدائے آفرینش سے ہے اور ہزار ہا برس سے اس کی یہی خواہش چلی آرہی ہے۔

بتائیے! انسان کو تو ابھی آنے والے لمحہ کا بھی علم نہیں ہے۔ ہر آنے والا لمحہ اور ثانیہ ایک ہزار پردوں کے پیچھے پوشیدہ ہے؟! بس صرف یہی ہے انسانی علم کی پونجی!

بلاشبہ انسانی قوت و طاقت میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ انسان نے اپنے ماحول پر غلبہ پایا

ہے۔ انسان نے نیچر پر قدرت حاصل کر لی ہے۔ ایٹم ایجاد کیا، فضا کے بساط میں راکٹ چھوڑے اور اب چاند تک رسائی حاصل ہو چکی ہے۔

لیکن انسان جو قوت چاہتا تھا۔ وہ اس کو کہاں حاصل ہوئی؟

انسان تمہاری قوت سے بچاؤ، اور دائمی زندگی چاہتا تھا یہی تو خواہش تھی جس پر شیطان نے آدم کو بہکا یا تھا۔ اور یہی خواہش آدم کی اولاد میں آج تک موجود ہے۔

وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَائِكَةً  
أَوْ تَكُونَا مِنَ الْفَالِقِينَ وَقَامَهُمَا  
إِنِّي لَكُمَا مِنَ النَّاصِحِينَ  
(سورۃ اعراف ۲۰)

تمہارے رب نے جو تمہیں اس درخت سے روکا ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔ یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے اور اس نے قسم کھا کہ ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔

بلکہ انسان تو بیماریوں سے بھی بچاؤ نہ کر سکا۔ آج بھی ایک ادنیٰ سا بھرتو نہ جو صرف خوردبین سے دیکھا جاسکتا ہے۔ بڑے بڑے لاعلاج امراض کا سبب بن جاتا ہے!

جولیان ہکسلے جس کے ذہن پر بیسویں صدی کی جاہلیت کی حکمرانی ہے۔ کہتا ہے کہ اللہ کی عبادت کے دو اسباب ہیں۔ جہالت اور عاجزی۔

ہو سکتا ہے۔ ایسا ہو، لیکن اس علم و طاقت کے دور میں کون سی شے ایسی ہے جو اللہ کی عبادت کے چھوڑنے پر اکسائی اور اس کی تائید کرتی ہے۔

ہم اس جاہلیت کی طرف دوبارہ آتے ہیں۔ جس کے سارے پیمانے اکٹھے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو تعلیم حاصل کرنے کی استطاعت اور کائنات کی بعض طاقتوں کی تسخیر کی قوت اس لئے عطا کی تھی کہ انسان میں غرور و تکبر پیدا ہو اور وہ اللہ کی عبادت سے نکل جائے!

یہ لعنت مغربی فکر میں پرویٹیسٹنٹس کی کہانی سے آئی ہے! — آج کے — اس انسان کو دیکھئے۔ جس نے اللہ کے بالمقابل ہو کر کہا کہ مجھے کسی اللہ کی ضرورت نہیں؟!

— اس انسان نے کون سے گناہ نہیں کیئے؟!

اس نے کہا میں اپنا قانون خود بناؤں گا۔ کیونکہ اب انسان غلامی سے آزاد ہو چکا ہے۔



اس نے کہا کہ میں اپنے عقائد اور مراسم خود ہی وضع کروں گا !  
 اس نے کہا کہ میں اپنا حاضر اور اپنا مستقبل اللہ کی راہنمائی سے بے پرواہ ہو کر خود ہی تراشوں گا !  
 اور ظاہر ہے کہ یہ سب شیطانی دھوکا و فریب تھا۔ اور

اگر یہ شیطان کے کرتوت نہ ہوتے، تو انسان یہ کارنامے کیسے سرانجام دیتا؟ ساری زمین  
 میں بُرائی کس طرح پھیل جاتی؟ ہر جگہ یہ ظلم و ستم کیوں ہوتے؟  
 ساری دنیا میں یہ ذلیل غلامی کیوں ہوتی...؟

کبھی سرمایہ کی غلامی ! کبھی حکومت کی غلامی ! کبھی فرد کی غلامی اور کبھی ہلاکت خیز شہوتوں  
 کی غلامی !

ہر صورت میں غلامی اور ہر شکل میں ذلت ہے !  
 دنیا میں بُرائیاں اس قدر پھیل گئیں کہ ساری دنیا بُرائیوں کا ایک ایسا گڑھا بن گئی جس  
 میں نوجوان آتے ہیں اور گرتے جاتے ہیں !

بھلا بتائیے۔ یہ جو متمدن اقوام کے شفا خانے مجنوں اور پاگلوں سے بھرے ہوئے ہیں۔  
 آخر اس کا سبب کیا ہے اور اس اختلال اور بے راہ روی کا آخر کیا انجام ہوگا۔ کیا فیش پرستی  
 سینما، ٹیلی ویژن کا جنون مہلک حد تک نہیں پہنچ چکا ہے؟ یہ سارے ہی بگاڑ اس انسان کے  
 لئے مہلک ہیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کیا !!

انسان کتنا بد بخت تھا۔ جب اس نے اپنے بارے میں سوچا کہ وہ "اللہ" ہے۔ اور اب  
 وہ اللہ کی راہنمائی اور اس کی غلامی سے آزاد ہو چکا ہے !!

## تاریخ کی مادی تعبیر

یہودی فکر نے انیسویں صدی میں جو الہہ پیدا کیے اور جن سے غیر یہودیوں کے افکار  
 مسموم ہو رہے ہیں... وہ ہیں اقتصادی، اجتماعی اور تاریخی جبریتوں کے الہہ۔ اور یہ  
 الہہ تاریخ کی مادی تعبیر میں ہر مقام پر موجود نظر آتے ہیں۔

آخر یہ جبریتیں کیا ہیں؟ تاریخ کی مادی تعبیر پہلے تو یہ کہتی ہے کہ انسان کی تاریخ دراصل

دو روٹی کی تلاش و جستجو کا نام ہے۔۔۔۔ اور یہ تاریخ کی پہلی جبریت ہے۔

روٹی کی تلاش میں انسان نے کچھ اوزار بنا لیے۔ جو اس کی زندگی کو کشاں کشاں ایک دور سے دوسرے دور کی طرف دھکیلتے لے گئے۔!

پہلے شیوعیت تھی، اور انفرادی ملکیت کا کوئی وجود نہ تھا۔ پھر زراعت ایجاد ہوئی تو زمین اور ذرائع پیداوار کی ملکیت رونما ہوئی۔ اس کے بعد زمین کے حصول کے لالچ میں ایک قوم دوسری پر حملہ آور ہوئی اور فاتح قوم نے مفتوح کو غلام بنا کر اپنی زمین میں جبری طور پر کام لیا۔ جس سے جاگیرداری وجود میں آئی۔ پھر مشین وجود میں آئی تو اس کے ساتھ سرمایہ داری آئی اور جاگیرداری ختم ہو گئی۔ پھر لازمی طور پر سرمایہ دار اور مزدور میں جنگ شروع ہو گئی۔ پھر جبری طریقہ پر تاریخ کی دوسری اور آخری شیوعیت رونما ہوئی اور انفرادی ملکیت پھر ختم ہو گئی۔ یہ ہے جبریتوں کی مقرر کردہ انسانی تاریخ کا خلاصہ! اور ظاہر ہے کہ

یہ طرز فکر صرف جاہلیت ہی کا ہو سکتا ہے۔!

تاریخ کی یہ مادی تعبیر حوالہ سے بنیاز ہے اور کائنات اور حیات انسانی میں اللہ کی تدبیر سے بیگانہ ہو کر کی گئی ہے۔ یہ تو ایسی تعبیر ہے کہ جس کو آج کا روشن خیال اور آج کے جاہلی علوم کا جاننے والا بھی اپنے ضمیر کے اطمینان کے ساتھ قبول نہیں کر سکتا۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ زندگی کی یہ ساری مادی تعبیر صحیح ہے۔ (حالانکہ آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ تعبیر درست نہیں ہے) پھر بھی انسان کے ارادے اور اس کے حالات سے بیگانہ تو نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ مارکس کہتا ہے۔

کیا انسان ہی زمین اور ذرائع پیداوار کا مالک نہیں بنا۔ جب کہ وہ پہلے مالک نہیں تھا۔ کیا زمین نے انسان سے کہا تھا کہ وہ اس کا مالک ہو جائے۔ کیا زمین نے انسان کا گلہ بایا تھا اور کہا تھا کہ اسے زمین کا مالک ہونے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ یا انسان زمین کا اس وجہ سے مالک ہوا تھا کہ ملکیت اس کی فطرت میں شامل ہے۔

کیا مشین انسان نے اپنے ارادے سے ایجاد نہیں کی تھی؟

یا مشین نے انسان کی گردن دبوچ کر کہا تھا کہ مجھے ایجاد کر۔ ؟ کیا انسان کی اس فطری خواہش نے کہ وہ اپنی پیداوار کو بہتر سے بہتر بنائے اور اس رغبت و خواہش نے انسان کو سرگرم عمل کر دیا۔

اور اس نے مشین ایجاد کر لی؟!

اگر یہ بات سچ بھی لی جاتے کہ مشین نے انسانی تاریخ لکھی ہے۔ پھر بھی کیا اس میں انسان ارادے کا کوئی حصہ نہیں ہے؟ یقیناً ہے تو پھر بتائیے کہ خود

انسانی زندگی کے حالات کس طرح انسانی ارادے سے باہر ہو سکتے ہیں۔

پھر جب سرمایہ داری آئی۔ تو کیا اس میں انسان کی یہ فطری خواہش کارفرما نہیں تھی کہ

ملکیت چاہتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی ملکیت میں اضافہ ہوتا رہے اور انسان ہی پر

یہ فطری استعداد بھی ہے کہ جب وہ راستے سے منحرف ہوتا ہے تو بغاوت و سرکشی پر آمادہ ہو جاتا

پھر جب شیوعیت آئی۔ تو کیا انسان نے یہ نہیں سوچا کہ حق و انصاف کا راستہ یہی ہے

اور جس کا فریڈ ریک اینگلز نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ

”انسان ذیادتی معاملات میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔“

یہ تو پہلی بات تھی اور دوسری بات جو حقیقت سے زیادہ قریب ہے یہ ہے کہ ان جبریتوں

کی صحت کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو آخر یہ جبریتیں کس کی مقرر کردہ ہیں۔

اور پوری انسانی زندگی پر ان حتمیات کو کس نے مسلط کر دیا ہے؟

کیا زندگی کی یہ مادی تعبیر ہی زندگی کی ممکنہ شکل تھی؟

کیا ایسا ممکن نہ تھا کہ انسان ہمیشہ ہی اپنی ابتدائی شیوعیت کی زندگی گزارتا رہتا؟ اور

کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ انسان ہمیشہ غلامی کی زندگی گزارتا رہتا؟ یا ہمیشہ جاگیرداری نظام

رہتا؟ یا ہمیشہ سرمایہ داری رہتی؟

بلاشبہ مشین کی ایجاد نے انسانی زندگی کو ایک نئے رخ پر موڑ دیا جی ہاں! لیکن کیا

مشین کی ایجاد بھی انسان پر مسلط کردہ کوئی جبریت تھی؟ اس جبریت کو کس نے مسلط کیا؟

آخر یہ اللہ کی ہدایت سے بیزاری کیوں؟

کیا اللہ کا اس سارے معاملے میں کوئی حصہ نہیں ہے (بیشک اللہ کی ذات پاک ہے

ان تمام باتوں سے جو وہ کہتے ہیں) کیا اللہ نے انسان کو پیدا نہیں کیا؟ کیا مشین ایجاد کرنے

کی قوت انسان کو اللہ نے نہیں دی ہے؟ کیا انسان کو یہ قدرت و قوت حاصل ہو جانا جبری تھا۔

لیکن یہ جبریت کس کی پیدا کردہ ہے؟ بلکہ کیا انسان کا اپنا وجود اس زمین پر ہی ہے؟ بلکہ کیا زمین

کا وجود بھی جبری ہو سکتا ہے ؟ بلکہ کیا کائنات کا وجود ہی جبری خیال کیا جا سکتا ہے ؟ آخر کس نے انہیں یہ جبریت دے دی ہے ؟ آخر یہ اللہ کی ہدایت سے روگردانی کس لئے ہے ؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ انسان سچائی کا راستہ اختیار کرتا ! کیا اللہ تعالیٰ نے کائنات کو بغیر کسی مجبوری کے پیدا نہیں کیا ہے ۔

کیا اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا نہیں کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا نہیں کیا۔ حالانکہ اللہ کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ زمین اور انسان کو نہ پیدا کرتا۔ یا ایسے حالات ہی نہ پیدا کرتا جو انسانی حیات کے لیے ضروری ہیں ۔

انگریز سب کچھ اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ تقدیر نہیں بلکہ یہ تاریخی جبریت ہے۔ یا اقتصادی اور اجتماعی جبریت ہے۔ یا اس کے علاوہ دیگر الہ کار فرما ہیں !؟

یورپی فکر کے اس جاہلیت میں تراشے ہوئے سارے الہ نہایت سخت گیر کھوکھے اور بے رحم ہیں۔ یہ الہ انسانی ارادے کا کوئی دخل برداشت نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے دن رات میں اس کی کسی استدعا پر لبیک کہتے ہیں !

یہ الہ اپنی احمقانہ جبریت میں انسان کو بالکل ہی منظر انداز کر گئے ہیں۔ انہیں اس کے فکر و عمل سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ انہیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ انسانی عمل صحیح ہے یا غلط، انسان کو ترقی حاصل ہوئی یا قعر مذلت میں گر گیا۔ یہ ایمان لایا یا کفر پر قائم رہا۔

ان الہ کا انسان کے ساتھ برتاؤ ایسا ہے۔ جیسے کوئی بے جان شے ہو اور انسان ان کی جبریت کے سامنے بیچ ہے۔ یا ان الہ کا برتاؤ انسان سے ایسا ہے۔ جیسے انسان نہ ہو بلکہ بھیڑوں کا ایک گلہ ہو، جسے کسی نامعلوم راستے پر منہکایا جا رہا ہو۔

اور اس سے بڑھ کر انسانیت کی ذلت و رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسانی فکر و عمل کی کوئی قیمت ہی باقی نہ رہے۔ حالانکہ فکر و عمل کی اسی قیمت کا نام انسان ہے ۔

کیا انسان اللہ کی راہنمائی سے کنارہ کش ہو کر اسی عزت کا خواہاں تھا جو اسے ملی ہے کہ وہ ایسے الہ کا بندہ بن کر رہ گیا جو نہ اس پر رحم کرتے ہیں اور نہ اس کی بات

سنتے ہیں۔ !! بیسویں صدی کی جاہلیت میں بے چارہ انسان کتنا قابل رحم ہو گیا ہے۔ !  
 انسان کی جاہلیت اس مرحلہ پر بھی ختم نہیں ہوئی اور نہ ختم ہونا ممکن ہے۔ اگر اللہ کے  
 تصور میں ایک دفعہ بگاڑ رونما ہو جائے۔ تو وہ یقینی طور پر انسان کے سارے فکر و عمل پر  
 چھا جاتا ہے۔ کیونکہ پہلے ہی سمت سفر غلط متعین ہوئی ہے تو راہ کا ہر قدم غلط ہی اٹھے گا۔  
 کائنات کے تصور، کائنات اور اللہ کے تصور اور کائنات اور انسان کے بارے  
 میں مغربی جاہلیت جدیدہ میں بہت سے بگاڑ رونما ہوئے ہیں۔

کبھی قوانین فطرت کی جبریت پر ایمان لا کر اللہ کی قدرت سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔  
 کبھی کہتے ہیں کہ کائنات خود بخود وجود میں آگئی۔ کیونکہ کائنات میں زندگی موجود تھی۔ مقصد یہ کہ  
 اس اللہ پر ایمان نہ لانا پڑے جس نے کائنات اور زندگی کو پیدا کیا۔

کبھی کہتے ہیں کہ کائنات کے حالات زندگی کے مناسب نہ تھے۔ بلکہ ایک اتفاقی حادثے  
 کے طور پر زندگی وجود میں آگئی۔ اور یہی حادثہ آخر کار انسان کے ظہور کا سبب بن گیا۔

کبھی کہتے ہیں کہ کائنات اور انسان بغیر کسی مقصد کے وجود میں آگئے ہیں غرض ہر قسم  
 کی گمراہیاں انسان کے فکر و عمل پر چھا گئی ہیں۔ اور بنیاد سب کی وہی اللہ کے تصور میں بگاڑ  
 کا رونما ہو جانا ہے۔

ہم پہلے جبریتوں کے بارے میں گفتگو کر چکے ہیں۔ قوانین طبیعت بھی ان بیان کردہ  
 جبریتوں سے مختلف نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ سب ہی انسان کو ایک اور حقیقی جبریت سے بیگانہ  
 بناتی ہیں۔ اور وہ ایک جبریت ہے۔ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت!

## اللہ کی مشیت

اللہ کی مشیت آزاد ہے۔ مقید نہیں ہے۔ اللہ کے ارادے کے بالمقابل ہر قید غلط  
 ہے۔ کون ہے۔ جو اللہ کے ارادے پر بندش لگائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی اپنے ارادے  
 سے ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔

فقہ کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کی سنت کو کائنات کے لیے ناقابل تبدیلی اور دائمی سمجھ

لایا گیا ہے۔

حالانکہ اللہ کی سنت کا ناقابل تبدیلی اور دائمی ہونا، اللہ کی مشیت کے مطابق ہے  
اللہ تعالیٰ اپنے ارادے میں مختار ہے۔ مقید نہیں ہے اور اللہ کی مشیت کائنات  
انسان کے لئے رحمت ہے۔ نہ اللہ کا ارادہ مقید ہے اور نہ اسے کائنات میں تصرف  
رنے میں کوئی رکاوٹ ہے۔

چنانچہ اللہ کی مشیت چاہتی تھی کہ کائنات اللہ کی مقرر کردہ سنت پر چلے جس کا نام جاہلیتِ جدیدہ  
نے قوانینِ طبیعت رکھا ہے۔ تاکہ اس کے حقیقی نام سنت اللہ سے بچا جاسکے۔

لیکن اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ خود چاہے کہ اپنی مقررہ کردہ سنت کے خلاف کوئی کام  
کرے تو کون ہے جو اسے یہ کہہ سکے کہ قوانینِ طبیعت ناقابل تغیر ہیں۔

جب کبھی اللہ تعالیٰ دائمی سنت سے ہٹ کر کوئی کام کرتا ہے۔ اسی کا نام معجزہ ہے  
لیکن یہ معجزہ بذات خود اللہ کی سنت ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی سنت اور اس کا طریقہ کار ہی  
کائنات کی واحد حیرت ہے۔ معجزے پر ایمان، علم کے مقررہ قوانین کے قیام، اور عقیدے  
کے سائے میں علم کے قیام سے نہیں روکتا۔ جیسا کہ جاہل لوگ خیال کرتے ہیں۔ بلکہ معجزے پر ایمان  
تو علم کے تقدم کا باعث ہے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

سارا اسلامی علم جو درحقیقت ایک بہت بڑی میراث ہے۔ ایسی میراث جو مسلمانوں کی  
عظمت کی نشاندہی کرتی ہے اور جس اسلامی علم کی یورپ کی جدید علمی ترقیات مرہونِ منت  
ہیں۔ خاص طور پر تجرباتی اسکول میں تو یورپ نے نہایت عظیم فائدے اٹھائے۔ اور  
یہ سارا اسلامی علم عقیدے اور معجزے پر ایمان کے سائے تلے پروان چڑھا ہے۔

مسلمانوں کے فکر و نظر میں اس بات میں کوئی تعارض نہ تھا کہ وہ معجزے پر بھی ایمان  
رکھتے ہیں اور اللہ کی دائمی سنت اور کائنات کے مقررہ قوانین پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جب کہ  
علمی مباحث کا دار و مدار تمام تر اسی دائمی سنت پر تھا۔ کیونکہ معجزہ ایک علیحدہ حقیقت ہے اور  
اللہ کی دائمی سنت ایک علیحدہ حقیقت اور حقائق میں کوئی تعارض نہیں ہوا کرتا۔ البتہ  
جن لوگوں کی چھوٹی چھوٹی عقلوں میں بڑے بڑے امور نہ سما سکیں تو وہ ضرور تعارض محسوس کرتے ہیں  
مغرب کے تنگ ذہن کی ساری مشکل یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر کسی وقت معجزہ رونما  
ہو جائے تو ساری کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ کیونکہ کائنات کے سارے

قوانین باہم ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ اس لئے ہر واقعے کے معین نتائج رونما ہونے ضروری ہیں۔

ان قوانین کو باہم مربوط کس نے کیا ہے۔ کیا وہ ان قوانین کا خالق نہیں ہے۔ کیا خالق کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اگر وہ کسی عظیم مقصد کے لیے کسی وقت کسی واقعے کے وہ نتائج مرتب نہ ہونے دے جو اس واقعے کے لئے ضروری ہیں۔ اور اس عظیم مقصد کے حصول کے بعد اللہ کی سنت پھر اپنے نظری تقاضوں کے مطابق رواں دریاں ہو جائے۔

اس کے باوجود بھی علم اور تمام جبری قوانین طبیعت سب کے سب احتمالات ہی نہیں۔ ایک طبیعیات اور ریاضیات کا ماہر انگریز سائنس دان جو پہلے ملحد تھا اور آخر میں اللہ کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہتا ہے۔

”قدیم علم میں یہ بات طے شدہ تھی کہ طبیعت صرف ایک ہی راستے پر چل سکتی ہے اور وہ راستہ ہے جو علت و معلول کی شکل میں اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم کر دیا گیا ہے۔ اس کے سوا کوئی شکل بھی نہیں سکتی کہ جب بھی حالت ”ا“ وجود میں آئے تو اس کے بعد ”ب“ وجود پذیر ہو۔ لیکن جدید سائنس کے لحاظ سے ”ا“ کے بعد ”ب“ بھی آسکتی ہے۔ ”ج“ بھی آسکتی ہے۔ اور ”د“ بھی آسکتی ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ”ب“ کے وجود میں آنے کا زیادہ احتمال ہے۔ بہ نسبت ”ج“ کے۔ اور ”ج“ کے وجود پذیر ہونا زیادہ متحمل ہے بہ نسبت ”د“ کے۔ بلکہ ”ج“ اور ”د“ تینوں کا درجہ احتمال بھی متعین کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ کون سی حالت کس حالت کے بعد رونما ہوگی۔ کیونکہ علم جدید کی بنیاد ہی احتمالات ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ کس بات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے تو یہ تقدیر کا مسئلہ ہے۔ جو بھی کچھ تقدیر کی حقیقت ہو“

تخلیق کائنات کے بالکل نئے نظریہ

ایسویں صدی اور بیسویں صدی کی جاہلیت جدیدہ کی جاہلیتوں میں ایک تعجب خیز

جاہلیت تصور ہے کہ کائنات از خود وجود پذیر ہو گئی ہے۔ چنانچہ

ڈارون نے زندگی کے مختلف ادوار کا مطالعہ کر کے زندگی کی ابتدائی اور موجودہ شکل کی درمیانی کڑیاں ترتیب دیں۔ مگر وہ خداوند کلیسا کے وجود کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، کیونکہ وہ کلیسا سے ہی برسرِ پیکار تھا، چنانچہ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ کائنات خود بخود وجود میں آ گئی ہے اور کوئی خدا اس کا خالق نہیں ہے لیکن یہ تصور کہ کائنات خود بخود وجود میں آ گئی ہے اس قدر بوجہ تھا کہ بیسیویں صدی کے سائنس دانوں کو اس کو ترک کرنا پڑا۔ چنانچہ رسل چارلس ارنسٹ — جو جامعہ فرینچ فرٹ — جرمنی میں حیاتیات اور نباتیات کے پروفیسر ہیں — کہتے ہیں :

”جمادات سے زندگی کے وجود میں آنے کے بارے میں مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ بعض محققین نے کہا کہ زندگی، پروتوپلین، یا فیروس یا بعض بڑے پروٹونی اجزاء کے جمع ہو جانے سے وجود میں آئی ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظریات سے عالم حیات اور جمادات کا درمیانی خلا پُر ہو گیا ہے۔ لیکن جو حقیقت ہم تسلیم کرنے پر مجبور ہیں، وہ یہ ہے کہ زندہ مادے کو غیر زندہ مادے سے علیحدہ کرنے کی تمام کوششیں انتہائی ناکامی کا شکار ہو گئی ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ اللہ کے وجود سے انکار کرتے ہیں، ان کے پاس بھی اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ صرف ذرات اور اجزاء کے اچانک جمع ہو جانے سے بھی زندگی رونما ہو سکتی ہے اور وہ شکل اختیار کر سکتی ہے جو ہم زندہ خلیوں میں دیکھتے ہیں۔ ہر شخص کو پوری پوری آزادی ہے کہ اگر وہ چاہے، تو زندگی کی اس تعبیر کو قبول کر لے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نظریہ کو قبول کرنے کے بعد تو عقل کو اتنی مشکلا پیش آتی ہیں کہ اتنی تو خود اللہ کا وجود تسلیم کر لینے میں نہیں ہیں۔“

میرا خیال یہ ہے کہ زندہ خلیوں میں سے ہر خلیہ اتنا پیچیدہ ہے کہ ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے اور زمین پر بکھرے ہوئے لاکھوں کروڑوں خلیے اس کی قدرت کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایسی شہادت جس کی بنیاد عقل اور منطق پر ہے، اسی لئے میں اس اللہ پر پکا سچا ایمان لاتا ہوں۔“



رہ گیا یہ خیال کہ کائنات اتفاقی طور پر وجود میں آگئی ہے تو اس خیال کے بودے پن کو واضح کرنے کے لئے بھی گذشتہ پیراگراف میں جو سائنس دان کا قول نقل کیا گیا ہے وہ کافی ہے۔ پھر بھی اگر ہم علم و سائنس کو ایک طرف رہنے دیں اور صرف کھلی ہوئی آنکھوں اور بصیرت افروز دل سے غور کریں تو بھی یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ آسمانوں کی گردش اور کائنات کی ہر شے کا انتہائی دقیق نظام اچانک اور اتفاقی طور پر وجود میں نہیں آسکتا بلکہ یہ کسی مدبر خالق کی تخلیق ہی ہو سکتا ہے۔

اگرچہ یہ نظریہ قطعی غیر علمی ہے۔ پھر بھی اگر مان لیا جائے تو بھی کوئی ایسی چیز جو اتفاقاً رونما ہوگئی ہو۔ اس کے نظام میں اتنی باریکی پیدا نہیں ہو سکتی کہ کروڑوں سال گذرتے چلے جا رہے ہیں اور آج تک کبھی بھی اور کہیں بھی اس نظام میں کوئی معمولی سا نقص رونما نہیں ہوا۔

اس گمراہ کن نظریہ کی بنا پر کہ کائنات اتفاقیہ وجود میں آگئی ہے۔ ایک اور گمراہی رونما ہوگئی۔ وہ یہ کہ کائنات اور انسان کی تخلیق بے مقصد ہے۔ ہر گمراہی کی اصل و بنیاد ایک ہی گمراہی ہے۔ اور وہ ہے اللہ کی ہدایت سے دور ہونا۔ کیونکہ جس کا دل اللہ کی قدرت تخلیق پر ایمان رکھتا ہو۔ اس پر اس گمراہی کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔

کائنات کی تعمیر میں یہ معجز نما باریک بینی خواہ مخواہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ضرور اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس تخلیق کوئی نہ کوئی منشاء و مقصد ضرور ہے۔

یہ ہو سکتا ہے انسان اس مقصد کو نہ پاسکے۔ کیونکہ انسان کائنات سے باہر نہیں ہے۔ بلکہ خود بھی کائنات کا ایک جز ہے۔ اور جز کل کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ لیکن پھر بھی اگر انسان کھل آنکھوں سے دیکھے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس معجز نما باریکی کا۔ جس کا انسانی عقل اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔ کوئی مقصد تو آخر ہوگا ہی۔ بہر حال یہ خیال کہ کائنات اور انسان کا وجود بے مقصد ہے۔ ایک ایسی گمراہی ہے جس سے زندگی کے تصور و عمل میں بڑے بگاڑ رونما ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے۔ جو زندگی بغیر کسی صاحب تدبیر خالق کے وجود میں آگئی ہو اور انسان بھی اتفاقاً پیدا ہو گیا ہو۔ اس زندگی میں نہ تو کوئی ربط و ہم آہنگی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی مقصد

سامنے ہو سکتا ہے!

ڈارون کہتا ہے۔ کہ "زندگی تو ایس اندھے کی لامٹھی ہے۔۔۔ اس خیال میں انسان کی پیدائش اور ارتقاء بھی شامل ہیں۔ اور یہی تصور ہے۔ جہاں سے گمراہی انسان کے ذہن پر اور اس کی زندگی کے مقاصد پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔

یہ بلاشبہ ایک عظیم نقصان ہے انتہائی بدبختی ہے یہ مہلک لذت پرستی اور ایسی ناریا اور حسرت کی کشمکش ہے جس میں انسان خدائے رحمان کی مہربانیوں سے محروم ہو چکا ہے۔

اگلے باب میں ہم ان فاسد اثرات کی نشان دہی کریں گے جو اس فرسودہ اور گمراہ تصور انسانیت کی روش پر مرتب کیے ہیں، کیونکہ جب انسان کا اللہ سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس کا ہر رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور انسان بغیر کسی رہنما کے بھٹکتے لگتا ہے۔ چنانچہ بیسویں صدی کا انسان بھٹکتا رہا اور اسے اپنے وجود کے مقصد کا علم نہ ہو سکا نہ ہی انسان کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا مقام ہے اور اسے اس کائنات میں کیا کردار ادا کرنا ہے۔۔۔ حتیٰ کہ اس نے اللہ کے بالمقابل اپنے آپ کو الہ بنا لیا لیکن جو نہی انسان اللہ کی ہدایت رہنمائی سے باہر آیا شیاطین نے اسے اچک لیا۔ اسے جہیتوں کے الہ نے اچک لیا اور ان اللہ نے انسان کی ناک مٹی میں رگڑ کر اسے ایسا ذلیل و خوار کیا کہ انسان انہی کے سامنے سر بسجود ہو گیا۔ انسان نہ اپنی حقیقت کا اندازہ کر سکا اور اپنے مقصد وجود کا پتہ چلا سکا۔!

## انسان کا مقام

کیونکہ ڈارون کی نظر میں انسان بھی دوسرے جانوروں کی طرح ایک جانور ہے اسی لیے انسانی زندگی کے بارے میں اور انسانیت کے بلند مقام کے بارے میں اس کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ انسان کی حیثیت کائنات میں ایک حقیر کیرٹے سے زیادہ نہیں ہے۔ بقا وہی دراصل فلسفہ ارتقاء میں کامیابی کی علامت ہے۔ اس لئے کائنات کی ہر شے کی قیمت برابر ہے۔ آگے بڑھنے کا تخیل صرف انسانی تخیل ہے۔ یہ بات اگرچہ تسلیم شدہ ہے کہ اس وقت انسان سید المخلوقات ہے۔ لیکن یہ مقام اپنے ارتقائی مراحل میں ایک چوٹی بھی حاصل کر سکتی ہے۔"

یہیں سے انسان اپنی ذات اور اپنے مقصد کے حیوانی تصور میں الجھ گیا اور حقیقتاً اس کا مقام ایک چھوٹی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اور

انسان یہ اندازہ نہیں کر سکا کہ زندگی کا اس زمین پر اس مختصر سے وقفہ میں ختم ہو جانا ناممکن ہے۔ اگر زندگی اسی دنیا میں ختم ہو جاتی تو یہ تصویر کا ایک نامکمل رخ ہے۔ کیونکہ دنیاوی زندگی اپنی اس تمام کش مکش حیات اور اپنے گونا گوں مظالم کے اگر صرف اتنی ہی ہے۔ جتنی دنیا میں ہے تو یہ بالکل ہی بیکار ہے۔ یہ تو ایسا جھوٹ ہے جس میں سچائی کا نام و نشان نہیں۔ یہ تو اتنی بیکار ہے کہ انسان بھی اس کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ !

جب ان کی رسی اللہ سے منقطع ہو گئی اور جب انہوں نے اپنی نظریں صرف دنیا ہی کے محدود دائرے میں مرکوز کر لیں تو دنیاوی زندگی ان کے سامنے بد نما جھدی اور بیکار شکل میں سامنے آگئی۔ جس زندگی کے نہ کوئی معنی ہیں اور نہ مطلب! جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اس باطل زندگی میں سوائے بے چینی اور اضطراب کے کچھ بھی نہیں ہے تو جو لذتیں انہیں مل سکتی تھیں ان کی طرف مجنونانہ دوڑ پڑے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ زندگی کے جولمحات وہ لذت اندوزی اور عیش پرستی میں گزار سکتے ہیں ان کو ضائع کر دیں۔ کیونکہ اس زندگی کے بعد تو زندگی ہی نہیں ہے۔ جانوروں کی طرح بے مقصد جلد بھر مٹا اٹھا چل دیئے۔۔۔ پھر اس بے پناہ جنون میں نہ کوئی اطمینان ہے۔ نہ سعادت ہے اور نہ کوئی راحت ہے۔

جاہلیتِ جدیدہ، انسان اور انسانوں کے آپس کے تعلقات کے بارے میں جو نظریہ رکھتی ہے۔ وہ ہی درحقیقت اس دور کی سب سے بڑی گمراہی ہے اور یہ عظیم ترین گمراہی بھی بھی اسی ایک بنیادی گمراہی یعنی اللہ کی ہدایت سے انحراف سے پیدا شدہ ہے۔

انسان کے اوپر جاہلیت کے جتنے بھی ادوار گذرے ہیں، وہ ہر دور میں یہی سمجھا رہا کہ وہ انسان ہے۔ لیکن دورِ جدید کی جاہلیت میں ڈارون نے آکر بتایا کہ انسان دراصل حیوان ہے! جب سے انسان عالم وجود میں آیا ہے۔ اس وقت سے لے کر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ کے جیسے ہوتے انبیاء انسان کی انسانیت کا پرچار کرتے رہے اور اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ انسان اپنے اس بلند ترین مقام کو حاصل کر لے جو اس کی انسانیت کا تقاضا ہے۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو اللہ کی روشنی میں راستہ دکھایا اور معجزات

مے کر اس دنیا میں کثرت لائے لیکن انیسویں صدی کا علم و سائنس کا پیغمبر جب دنیا میں آیا تو اس نے بتایا کہ انسان حیوان ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ انیسویں صدی کا پیغمبر شیطان کا بھیجا ہوا ہو۔ ڈارون کے افکار و نظریات نے اس جاہلیت جدیدہ میں انسانیت کو وہ عظیم ترین نقصان پہنچائے ہیں۔ جو ہزاروں برس میں شیطان بھی نہ پہنچا سکا۔ اس لیے کہ انسان اب تو حیوان بن چکا ہے۔ حیوان سے آپ کیا توقع کر سکتے ہیں۔

ڈارونیت کے زہریلے اثرات پورے مغربی فکر پر بڑی طرح اثر انداز ہوئے ہیں سیاست ہو یا اقتصاد و اجتماعیت و نفسیات ہو یا اخلاق و فن، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی شکل نہ بگاڑی ہو۔ جب انسان جانور ہی بن گیا تو ظاہر ہے کہ اس کے لازمی نتائج ضرور رونما ہو کر رہیں گے۔ فکر کے اس جاہلاد بگاڑ اور انسان کی اس حیوانی تعبیر کے نتائج یہ ہیں کہ انسانی فکر کے تمام ناریے اور انسانی اخلاق کے تمام گوشے زوال پذیر ہو گئے اور انسان اپنے بلند مقام سے گر کر بالکل حیوانیت کی آغوش میں آ گیا۔

ڈارون نے جب انسان کی جہانی ساخت کا مطالعہ کر کے یہ محسوس کیا کہ انسانی جسم اور حیوانی جسم میں کافی کچھ مشابہت ہے تو اسے یہ دھوکہ ہو گیا کہ انسانی درحقیقت حیوان ہی ہے۔ مگر ظاہر ہے ڈارون کے اس نظریہ کو کوئی سائنٹیفک حقیقت نہیں کہا جاسکتا !

### جدید ڈارونیت

جدید ڈارونیت فلسفہ ارتقاء پر ایمان رکھنے کے باوجود ڈارون کے اس نظریہ کو علمی حیثیت غلط ٹھہراتی ہے۔ اس اصول کا لیڈر لائف جو لیان ہیکلے صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ انسان حیوان نہیں ہے بلکہ نظریہ ڈارون کے بعد انسان اپنی حیوانیت سے انکار تو نہ کر سکا۔ البتہ یہ سمجھنے پر ضرور مجبور ہو گیا کہ وہ کوئی علیحدہ نوعیت کا جانور ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں اس میں انفرادیت بھی پائی جاتی ہے۔ جبکہ انسان کی حیاتیاتی تحقیق ابھی تک نامکمل ہے لہذا گویا جس حیاتیاتی مشابہت کی بنا پر ڈارون یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ انسان حیوان ہے۔ اب وہ ہی انسانی حیاتیات اپنی ساخت اور ترکیب کے لحاظ منفرد ثابت ہو چکی ہے۔

ہیکلے کہتا ہے: کہ تمام جانوروں کے بھیجوں میں دو قسم کے اعصاب آکر مل جاتے ہیں۔

۱۰

ایک عضلات قابضہ اور دوسرے عضلات باسطہ۔ ایک لمحہ میں ایک حیوان ایک ہی قسم کے عضلات کو حکم دے سکتا ہے۔ یا عضلات قابضہ کو یا عضلات باسطہ کو مثال کے طور پر کتا یا تو دوڑ سکتا ہے یا پھاڑ سکتا ہے۔ ایک وقت میں دونوں کام نہیں کر سکتا۔ صرف انسان ہی تمام مخلوقات میں ایک ایسا جانور ہے جو ایک لمحہ ہی میں متعارض کام سرانجام دے سکتا ہے۔ کیونکہ انسانی بھیجہ متعارض امور کو بیک وقت ترتیب دے سکتا ہے۔“

پہلے انسان کی حیاتیاتی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

”انسان کی سب سے بڑی اور بہترین خوبی یہ ہے کہ وہ فکر تصویری پر قادر ہے اگر آپ اصطلاحی عبارت استعمال کرنا چاہتے ہیں تو کہہ لیجئے کہ انسان واضح گفتگو کر سکتا ہے۔“ انسان کی اسی خصوصیت کی بناء پر رسم و روایات پیدا ہوئیں اور رسم و روایات کی زیادتی سے انسان کے سامان آرائش و آسائش میں حسن و خوبی پیدا ہوئی۔ جس کی بناء پر انسان کو کائنات میں یہ ممتاز مقام حاصل ہوا۔ جس پر وہ فائز ہے۔

موجودہ دور میں انسان کی یہ حیاتیاتی اہمیت بھی انسان کی ایک تمیازی خصوصیت ہے۔ کیونکہ انسان کی ترقی اور باقی دنیا پر اس کی حکمرانی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اور انسانی زندگی کا تنوع بڑھتا چلا گیا ہے۔

غرض جس طرح تمام مذاہب نے انسان کو اثرات المخلوقات بتایا ہے کچھ اسی قسم کا تصادم انسان کو علم حیاتیات بھی دیتا ہے۔

قوت گویائی، رسم و روایت اور عددی کثرت نے انسان کے لیے کچھ ایسی خوبیاں پیدا کر دی ہیں جو کسی اور مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔ چونکہ یہ خوبیاں واضح طور پر سامنے ہیں۔ اس لئے میں ان کا تذکرہ کرنے کے بجائے ایسی خصوصیات کا تذکرہ کرتا ہوں۔ کیونکہ انسان اپنی حیاتیاتی بناوٹ کے لحاظ سے بالکل ایک علیحدہ نوع ہے۔ پھر یہ خصوصیت جن کامیں تذکرہ کرنے والا ہوں۔ ایسی خصوصیات ہیں۔ جن کی طرف نہ تو علم حیران نے توجہ دی اور نہ ہی اجتماعیات نے۔

”تمام ارتقا پذیر حیوانات میں انسان اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔“

جدید ڈاروینیٹ نے ان الفاظ میں انسان کی انفرادیت کا اعلان کیا ہے۔ لیکن یہ اعلان اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ کھلے محمد ہے اور اپنے الحاد میں بہت ہی بے باک واقع ہوا

ہے۔ بلکہ یہ اعلان خالص علمی اور سائنٹیفک تجربات پر مبنی ہے۔

ڈارون نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے بغیر کسی سائنٹیفک دلیل کے انسان کو حیوان بتا دیا۔ حالانکہ اس کو مزید غور و فکر کرنا چاہیے تھا۔ تاکہ اسے بھی انسان کی انسانیت کا علم ہو جاتا۔ جیسا کہ جدید ڈاروینیت کو ہو گیا ہے۔

ڈارون کی ”حیوانی تعبیر“ ایک سرکش جن بن کر تمام افکار و تصورات پر چھا گئی اور اتنا عظیم بگاڑ پیدا کر دیا کہ تاریخ کی کسی بھی جاہلیت میں نہ ہوا تھا۔ اور اس بگاڑ کے زیر اثر ساری انسانی زندگی مسخ ہو کر رہ گئی۔ انسان حیوان بن گیا۔ بلکہ حیوان سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر!

### قرآن کی جنسی تعبیر

غرض انسان کو مذہب سے بیگانہ اور خدا سے بے نیاز بنانے کے لیے انسانی تعبیر کے علاوہ ہر تعبیر اختیار کی گئی۔ چنانچہ تاریخ کی مادی تعبیر، عمل کی جنسی تعبیر اور شعور کی جسمانی تعبیر کی گئی۔

تاریخ کی مادی تعبیر کا ہیرو کارل مارکس ہے جس نے پوری انسانی زندگی کی مادی تعبیر کی ہے اور بتایا ہے کہ انسان کی تاریخ دراصل دور ذوق کی تلاش کی تاریخ ہے اور بھوک ہی انسانی زندگی پر مسلط ہے۔

خالص ملویت انسانی وجود اور اس کے شعور کی راہیں متعین کرتی ہے اور معنوی اقدار زوال پذیرہ اعراض ہیں جو ہر نہیں ہیں۔ جبکہ جو ہر صرف انسانی زندگی کا مادی ڈھانچہ ہے۔ صرف تاریخ کی مادی تعبیر ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ڈارون کا فلسفہ ارتقاء بھی لہجہ جس نے خاص طور پر تمام اقدار کو زک پہنچائی ہے۔

ڈارون کے نزدیک چونکہ معنوی اقدار ہمیشہ تغیر پذیر ہی ہیں۔ اس لئے دنیا میں کسی ازلی حق و انصاف کا وجود تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ جو بات آج کسی مادی یا اقتصادی سبب کی بنا پر بُرائی سمجھی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مستقبل میں خوبی بن جائے۔ چنانچہ

جاگیر داری نظام میں مذہب پرستی خرابی تھی۔ لیکن یہی دینداری صنعتی دور میں جمود و رجحیت بھی جانے لگی اور الحاد اس دور کی اچھائی بن گیا۔ جنسی پاکبازی جاگیر داری دور میں اچھائی

خیال کی جاتی تھی۔ اب ایک ترقی یافتہ صنعتی سوسائٹی میں اس کی حیثیت ایک مذاق سے زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ عورت اقتصادی طور پر مرد کی گرفت سے آزاد ہو چکی ہے اور ایک عورت کی اقتصادی زندگی کا مالک نہیں رہے کہ وہ اس کے بدلے میں عورت سے پاکدامنی اور پاکبازی کا مطالبہ کر سکے !! خود مرد بھی اخلاقی قیود سے آزاد ہو گیا۔ اسے بھی فکر و عمل میں پاکبازی کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ انسان کا نیا دینوتا۔۔۔ خواہ وہ مغرب کا سرمایہ ہو۔ یا مشرق کی حکومت۔۔۔ انسان سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ پاکباز رہے بلکہ اس کی دلچسپی تو کسی اور ہی بات سے متعلق ہے۔ یہ تعبیر انسان کی صرف مادی اور حیوانی زندگی کو مد نظر رکھتی ہے اور روح کا مذاق اڑاتی ہے۔ کیونکہ جاہلیت جدیدہ بالٹھ پر ایمان نہیں رکھتی اور اس پر بھی ایمان نہیں رکھتی کہ انسانی وجود میں روح اللہ کی ودیعت کردہ ہے۔

جنسی تعبیر کی بھیانگ نگرانی کا ہیرو فرائڈ ہے۔ اور اس نے انسان کو حیوان بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور حیوان بھی بہت بگڑا ہوا بد ہیئت بنا کر پیش کیا اور اس نے بتایا کہ انسان کے ہر عمل ہر حرکت اور ہر سوچ کا مرکز جنس ہے۔ کیونکہ حیوان کو جب لذتِ اکل محسوس ہوتی ہے۔ تو وہ کھاتا ہے۔ جب پینے کی خواہش ہوتی ہے تو پیتا ہے۔ جب ڈوڑنے کا جذبہ ابھرتا ہے تو دوڑنے لگتا اور جب جنسی جذبات سے مجبور ہوتا ہے تو جنسی عمل بھی انجام دیتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ فرائڈ کا بگڑا ہوا بد نما و بد شکل انسان !! جب ماں کا دودھ پیتا ہے تو لذتِ جنس سے۔

جب انگوٹھا چوستا ہے تو اس میں بھی جنسی لذت کا رفرما ہوتی ہے۔ جب پیشاب پاتا ہے کرتا ہے تو یہاں بھی محرک جنسی ہوتا ہے !

جب اپنے عضلات کو حرکت دیتا ہے تو اس حرکت کا سبب بھی جنس ہوتی ہے۔ پھر سنڈرائڈ کا انسان جب اپنی ماں سے محبت کرتا ہے تو اس پر محبت بھی جنسی ہوتی ہے ! اسی پر بس نہیں بلکہ مذہب، اخلاق، رسوم و رواجیات سب جنس کے اسی گندے گھورے پر اُگتے ہیں !!

فکر کا بیگانہ



# فکر کا برکاٹ

نفسیات کے ”تجربی اسکول“ کے ارباب تمام انسانی زندگی اور اس کے جملہ مشاعر کی حیوانات کے مانند جسمانی تعبیر کرتے ہیں۔

چنانچہ ان کے نزدیک انسانی شعور اور افکار انسان کے جسم میں ہونے والے غدوری اور کیمیائی عمل کا نتیجہ ہیں۔ اور ان کی رائے کے مطابق ”جنسی غدود سے“ جنسی شعور“ ابھرتا ہے۔ ”غذہ امومہ“ مادی شعور پیدا کرتا ہے۔ ”غذہ کفیر“ سے بہادری یا بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ اور۔۔۔ ”غذہ یرقیہ“ سے عصبی، معتدل یا بار دمزاج بنتا ہے۔

ولیم جیمز اپنی کتاب ”نظریہ میلانات“ میں کہتے ہیں۔ (ص ۶۰)

دعواطف اور میلانات کے بارے میں لوگوں کا عام طور پر یہ نظریہ ہے کہ کسی

چیز کا ایسا عقلی ادراک جس سے حالت وجدانی میں ہیجان پیدا ہو۔ میرا اپنا نظریہ

یہ ہے کہ کسی مؤثر کے ادراک کے فوراً بعد جسم میں تغیرات واقع ہوتے ہیں اور

جو احساس ہمارے اندر ابھرتا ہے۔ وہ انہی تغیرات کا نتیجہ ہوتا ہے، اور اسی

کا نام میلان ہے!“

حاصل کلام یہ کہ نفس جسم کی پیداوار ہے اور اس لیے انسانی تشخص میں کوئی بنیادی اور جوہری

اہمیت نہیں رکھتا۔

## Experimental Method

۲ ولیم جیمز۔ ”نفسیات کے تجربی اسکول“ کے پیش رو ہیں۔

میں انسانی زندگی کی ان تمام تعبیرات پر پہلے بھی اپنی کئی کتابوں پر تنقید کر چکا ہوں۔ یہاں زیادہ تفصیلی تنقید کی ضرورت نہیں ہے کہ انسانی زندگی کے جس پہلو کو یہ تعبیرات واضح کرتی ہیں۔ وہ کتنا گمراہ کن ہے۔ البتہ رہنمائی کے لئے چند امور کا تذکرہ ضروری ہے۔

انسانی زندگی کی یہ تمام تعبیریں ایک ہی گمراہی کا شکار ہیں کہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر ایک کمتر پہلو کو فوقیت دے دی گئی ہے۔ انسانیت کا یہ کمتر پہلو جسم اور اس کی ضروریات ہیں۔ پھر ان تمام تعبیرات کا رشتہ ایک ہی بنیادی نظریہ سے جا ملتا ہے۔ جس میں انسان کو قطعی طور پر حیوان سمجھ لیا گیا ہے۔!

انسانیت کے بارے میں ہر جزئی نظریہ غلط ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں انسانیت کے بقیہ پہلوؤں کو نظر انداز کر کے انسانیت کو ایسی گھناؤنی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے حقیقت کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور اس شکل کے گھناؤنے پن میں اس وقت تو کوئی کسر باقی نہیں رہتی جب ساری انسانیت کو اسی ایک طرفہ نظریہ کے گرد گھما دیا جاتا ہے۔ اور انسان کو اسی ایک خاص عینک سے دیکھا جانے لگتا ہے۔

پھر لطف کی بات یہ کہ انسانیت کے جس گوشے کو یہ تمام تعبیریں نظر انداز کر چکی ہیں۔ وہ ہی درحقیقت انسانیت کا وہ عظیم پہلو ہے۔ جس کی بنا پر انسان، انسان کہلایا اور حیوانات سے ممتاز ہو گیا۔ یعنی — انسان کا روحانی پہلو، جس کو تمام تعبیرات میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ تاریخ کی "مادی تعبیر" نے دوروں کی تلاش ہی کو انسانی فکر کا راہنما قرار دے دیا۔ اعمال انسانی کی "جنسی تعبیر" نے پوری انسانیت کو جنس کے اندھیار سے میں دھکیل دیا۔

۱۔ ملاحظہ کیجئے مصنف کی کتابیں :-

۵۔ الانسان بين الماديات والاسلام — اس کتاب کا راقم الحروف کا اردو ترجمہ اسلام اور جدید مادی افکار کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۵۔ معركة التقاليد —

۵۔ دراسات في النفس الانسانية —

شعور کی جسمانی تعبیر نے جسم کو نفسیات انسانی کا سرچشمہ بنا دیا۔

غرض انسانی زندگی کی یہ تمام تعبیرات انسانی زندگی میں روح کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔

بلکہ ان تمام تصورات کا مرکزی فکر صرف انسان کی حیوانیت ہے۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ انسان اور دیگر حیوانات میں اس ظاہری مشابہت کے باوجود بھی بہت بڑا اختلاف موجود ہے !!

حیوانات کھانے کی تلاش و جستجو کرتے ہیں۔ اور... حیوانات جنسی اختلاط بھی کرتے

ہیں اور... ان کے ان تمام تصرفات کا سرچشمہ بھی ان کا جسم ہی ہوتا ہے۔

پھر... آخر... انسان حیوانات سے مختلف کیوں ہے اور انسان اور حیوانات

کی زندگی کی راہیں جدا جدا کیوں ہیں؟

بات دراصل یہ ہے کہ ان تمام جدید تعبیرات نے انسانی زندگی کی حقیقت واقعہ کو قطعاً منظر انداز

کر دیا ہے۔ — یا — اپنے خبیث شیطانی جذبات کے ماتحت بالارادہ انسان

کی تصویر کشی جانور کی شکل میں کی ہے۔

کچھ بھی ہو... بہر کیف... یہ فرسودہ تصورات انسانیت کی صحیح تعبیر سے عاجز ہے

اور اس معنی کو نہ حل کر سکے کہ۔

انسانیت اپنے ابتدائی دور میں تو دوروٹی، جنس، رہائش اور لباس کی تلاش میں رہی۔

پھر اچانک انسان نے اپنی اس تنگ و دوکے لیے باقاعدہ اجتماعی، معاشی اور سیاسی نظام مرتب

کر لیے۔ اور ان تنظیمات کو چلانے کے لیے کچھ اقدار، چند عقائد اور بعض افکار بھی ترتیب سے

لیے۔ — کیوں اور کس طرح؟ کیا اس لیے کہ انسان ہر قسم کی اقدار سے کنارہ کش ہو کر اپنے

اعمال کو سرانجام دے سکتا تھا؟

انسان بھوک کو اس طرح بھی مٹا سکتا ہے۔ جس طرح جانور مٹاتے ہیں۔ لیکن انسان اسی

بھوک کے ذریعہ معاشی، اجتماعی اور سیاسی نظام ترتیب دیتا ہے (خواہ یہ نظام اپنی

جگہ پر صحیح اصولوں پر قائم ہوں یا غلط؟) پھر ان تنظیمات کے ذریعے ہر انسان کو اس کا حصہ پہنچاتا

کہ ملاحظہ کیجئے التطور والثبات، جس کا راقم الحروف کا ترجمہ انسانی زندگی میں جمود و ارتقا کے

نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ہے۔ یہ ہی نہیں۔ بلکہ اس حصہ رسائی اور اس کے طریقوں کے لازمی نتیجہ میں حکومت معاشرت اور لوگوں کے آپس کے تعلقات ایک خاص منہج پر ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے انسان اپنی جنسی بھوک صرف جنسی جذبات کے تحت نہیں مٹاتا بلکہ اس ضرورت کے رفع کرنے کے لیے اور اسے تشکیل دیتا ہے اور ان اداروں کے ذریعے اپنی جنسی ضرورت پوری کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ ادارے اس کے اس مقصد کے حصول کی راہیں متعین کرتے ہیں۔ انسان چاہے یا نہ چاہے اس کی دلچسپی کے ہر پہلو کی تکمیل کے کچھ ادارے وجود میں آجاتے ہیں اور ان اداروں میں کچھ اقدار، چند افکار اور بعض عقائد کا سہارا لیا جاتا ہے۔ فکر کی یہ بنیادیں غلط ہوں یا صحیح ہوتی ضرور ہیں اور اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ انسان جسم اور روح دونوں کا مرکب ہے اور انسان کے ان دونوں اجزا کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ جدید جاہلیت نے انسان کے جسم کو مد نظر رکھ کر روح کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اسے زندگی کی یہ تمام تعبیریں کھوٹی، نکمی اور بیکار ہیں۔

زندگی کی یہ تمام تعبیریں کھوٹی، نکمی اور بیکار ہیں۔

اور یہ سب جاہلیتیں ہیں اور ایک ہی بھیانک جاہلیت سے پھوٹی ہیں جس نے اللہ کی ہدایت کو ٹھکرا دیا۔ اور جان بوجھ کر زندگی کی ہر تعبیر اللہ سے ہٹ کر کرتی ہے۔ اور اسی خدا بیزاری کے نتیجے میں بگو اس اور جہالت میں الجھ کر رہ گئی۔

انسانی نفسیات کی تحلیل کے بارے میں جاہلیت جدیدہ کا ہی "انحراف" یہ ہے کہ اُس نے انسان کے جسم اور روح کو علیحدہ علیحدہ کر کے جسم کو تو اہمیت دی۔ لیکن روح کو کھیل کر رکھ دیا۔ کیونکہ روح کا براہ راست اللہ سے تعلق ہے جس سے جاہلیت نہ صرف اپنا بچاؤ کرتی ہے بلکہ اس کی نشانیوں کو بھی مٹانے سے دریغ نہیں کرتی۔ اور انسان کے جسمانی پہلو ابھار کر ساری زندگی کی تعبیر اسی کے مطابق کر دی حالانکہ زندگی کی اس کا بظرف تعبیر کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

فردیت اور اجتماعیت

درحقیقت جاہلیت جدیدہ کا یہ ایک ہی "انحراف" نہیں ہے بلکہ اس ایک انحراف

سے کئی اور انحرافات نے جنم لیا ہے۔ کیونکہ جاہلیت جب اللہ کے راستے سے منحرف ہو جاتی ہے تو اس کے تمام تصورات و افکار میں اعتدال ختم ہو جاتا ہے اور لوگ انتہا پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اعتدال کی راہ تو انسان جب ہی اپنا سکتا ہے۔ جب وہ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر چلے اور کائنات و زندگی کی تفسیر و تعبیر اللہ کی ہدایت کی روشنی میں کرے۔

چنانچہ جب جاہلیت جدیدہ اعتدال کی راہ سے منحرف ہو گئی۔ تو اس کی فکر انسان کی 'فردیت' اور 'اجتماعیت' کی ظاہری شکلوں پر مرکوز ہو کر رہ گئی! کچھ 'جاہلیت زدہ' اشخاص نے "فرد" کے پہلو پر زور دیا اور کچھ نے "اجتماعیت پسند" بن گئے۔ اور ہر گروہ نے دوسرے پہلو کو یا تو بالکل نظر انداز کر دیا۔ یا زیادہ قابل توجہ خیالی نہیں کیا۔ اگر انسانی معاشرہ میں حقیقی اہمیت 'فرد' کو حاصل ہے تو "اجتماعیت" فرد کی شخصیت کو کچل کر اس کے وجود کو پاپال کر رہی ہے۔

اور۔ اگر حقیقت 'اجتماعیت' میں پنہاں ہے۔ تو فرد کی انفرادیت معاشرے کے خلاف ظلم و بغاوت ہے اور فرد اپنی 'ایگو' (انا) کے اثبات کے لیے 'اجتماعیت' پر زیادتیوں کر رہا ہے!

'فرد' اور 'جماعت' کے بارے میں یہ دونوں تصورات جاہلیت جدیدہ کے ہیں اور دونوں تصورات اعتدال و توازن سے یکسر خالی ہیں۔

پھر انہی اعتدال سے خالی تصورات پر سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی نظام کھڑے کر لئے گئے۔ اور جاہلیت جدیدہ کے پرستاروں نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ "انسانیت" 'فرد' اور 'جماعت' کا ایک متوازن اور معتدل مجموعہ ہے۔ ایک انسان ایک ہی وقت میں مستقل فرد بھی ہے اور اسی وقت وہ معاشرے کا ایک حصہ بھی ہے۔ انسان اپنے ذاتی

Individualism

Collectivism

۱۰ ہم اگلے باب میں ان تمام امور پر تنقید کریں گے۔

شعور کے ساتھ اپنے تشخص کو بھی نکھارتا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے، اپنے ہم جنسوں میں مل بیٹھنے کا خواہاں ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ان میں پا کر خوش بھی ہوتا ہے۔

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ "فردیت" اور "اجتماعیت" میں کبھی کبھی کش مکش پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس کش مکش سے بچنے کے لیے فردیت اور اجتماعیت کے حقیقت واقعہ اور ایک نفسیاتی امر ہونے سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس بات سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ اگر انسانیت زندگی کا صحیح راستہ اختیار کر لے تو اسے فردیت اور اجتماعیت کی اس کش مکش سے کافی حد تک چھٹکارا مل سکتا ہے اور انسانی معاشرہ اعتدال کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

لیکن چونکہ ہر جاہلیت راہ حق سے روگردانی کرتی ہے اور اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر نہیں چلتی۔ اس لئے اس کے سارے نظام میں فکر و عمل کی بے پناہ خرابیاں ابھر آتی ہیں۔ چنانچہ نفس انسانی کے تصور میں جاہلیت جدید نے انحراف کیا ہے اور درحقیقت یہ انحراف بھی اللہ کی عبادت سے روگردانی ہی کا نتیجہ ہے۔

جاہلیت جدید نے انسانوں کے آپس کے انفرادی، اجتماعی، جنسی اور قومی تعلقات کو طیامیٹ کر کے رکھ دیا ہے۔

فرد انسانی اور اس کے نفس کی تصویر کشی کچھ اس انداز سے کی گئی ہے کہ وہ ایک مسلسل کش مکش کا شکار ہے۔ جو کسی وقت بھی کم نہیں ہوتی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ کش مکش اس کی ترقی اور قوت کارکردگی میں اضافہ کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور اطمینان و سکون تو منفی بیماریاں ہیں جن سے انسان کو بچنا ہی چاہیے اور قلق و بے چینی ہی زندگی کو رواں دواں رکھتی ہے۔۔۔۔!

بے شک اس قلق و بے چینی نے زندگی کو رواں دواں رکھا۔ لیکن حیرت! اضطراب جنون، بلڈ پریشر، عصبی اور نفسیاتی اختلال کی طرف! اب حالت یہ ہے کہ ہسپتال دماغی

اور نفسیاتی مریضوں سے بھرے پڑے ہیں۔ حدیہ کہ پاگل پن ایک متمدن مرض اور اختلاف  
علامات تہذیب میں سے خیال کیا جانے لگا ہے !

درحقیقت یہ سب جاہلیت کے شاخسانے ہیں۔ کیونکہ ”زندگی سے بھرپور حرکت“  
اور تعلق و بے چینی میں بہت بڑا فرق ہے !

### دورِ اول کے مسلمان

دورِ اول کے مسلمان تاریخ کی سب سے زیادہ متحرک اور زندگی سے بھرپور جماعت  
تھی۔ ایک طرف مسلمانوں نے آدھی صدی سے بھی کم وقت میں سمندر پار تک کے  
علاقے فتح کر ڈالے۔ تو دوسری طرف مسلمان ایک بلند ترین علمی تحریک کے علم بردار بھی  
بن گئے۔ ان کے پاس سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی تنظیمات بھی تھیں وہ قرآن کریم  
کو سمجھنے کے لیے چند در چند فکری مذاہب بھی رکھتے تھے۔ پھر ان فکری مذاہب کو  
معاشرے کی واقعی صورتِ حال پر منطبق بھی کرتے تھے۔ جس کی بنا پر فقہی مذاہب وجود  
میں آئے۔ جن میں زندگی تھی۔ حرکت تھی اور نشاط تھا۔ پھر یہ سارے کارنامے  
اپنے تمام کاموں میں اللہ کی طرف متوجہ تھے اور اللہ کے ذکر سے ان کے قلب مطمئن تھے؛  
رہ گیا فرد کا معاشرے کے ساتھ تعلق۔ تو اس کے بارے میں جاہلیت جدیدہ

بتاتی ہے کہ فرد اور معاشرے میں ایک نہ ختم ہونے والی جنگ جاری ہے۔  
پھر اس فکر کو سامنے رکھ کر انسانی زندگی کی تفسیریں کی گئیں۔ جس میں ممتاز ترین تاریخ  
کی مادی تعبیر ہے۔ جس کے تحت نہ تو انسان کو کبھی اس جنگ سے چھٹکارا مل سکتا ہے اور  
نہ ہی اس کش مکش میں کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ کش مکشِ حق و باطل کے درمیان نہیں ہے۔ حالانکہ جس انسان  
کو اللہ نے مکرم اور صاحبِ عزت بنایا تھا اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ حق کا علم بردار  
بنے اور باطل سے بدبر پیکار رہے۔

جاہلیتِ حق و باطل کو نہیں جانتی۔ بلکہ جاہلیتِ تو حق و باطل کا مذاق اڑاتی ہے۔  
جاہلیت کے خیال میں تو انسانوں کے درمیان ”طبعاتی جنگ“ برپا ہے۔ جس کے لئے نہ کوئی

اخلاقی اصول ہے۔ اور نہ حق و باطل کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس مفاد پرستی کی جنگ میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ حق سے اور اللہ کی متعین کردہ حد سے تجاوز کر کے زیادتی کا مرتکب ہوا ہے۔ بلکہ ہر طبقہ اپنے تئیں حق پر ہے اور چونکہ ہر دو طبقوں کے مفادات مختلف ہیں۔ اس لئے طبقاتی جنگ ناگزیر ہے اور اس جنگ کے نتیجے میں وہ نظام فیل ہو جاتا ہے۔ جس کے فوائد ختم ہو گئے ہوں۔ اس میں حق و انصاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ جس طبقہ کو معاشی انقلاب نے بالادستی عطا کر دی ہے۔ اسی کے مفادات کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوگی۔

اور درحقیقت جاہلیت میں ہوتا بھی یہی کچھ ہے۔ طبقاتی مفادات آپس میں ٹکراتے ہیں اور جس طبقہ کے ہاتھ میں طاقت ہوتی ہے، وہ ہی غالب آجاتا ہے۔ اور آخر کار۔۔۔ ہر کسی جاہلیت کے مطابق۔۔۔ پر دستاویزوں کو فتح ہوتی ہے۔ اور آنا فانا تمام طبقات ختم ہو کر غیر طبقاتی معاشرہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور دنیا اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔

رہ گئے۔ انسان کے جنسی تعلقات۔۔۔ تو درحقیقت سب سے زیادہ بگاڑ بیہیں رونما ہوا ہے۔ کیونکہ جاہلیت جدیدہ کہتی ہے۔ کہ۔۔۔ جنس ایک حیاتیاتی عمل ہے اور اخلاق کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جنس کا خاندان سے کوئی تعلق نہیں! اور اصل جنس انسانی وجود کا اثبات ہے: اور جنس آرٹ اور فنون لطیفہ کا موضوع ہے! اور جنس آزادی کے ہم معنی ہے: نیز جنس کا تعلق ہر شخص کے مزاج سے خواہ اس میں اعتدال ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی شخص جنس کے معاملے میں اعتدال پسند ہے تو وہ بھی ٹھیک ہے اور نہیں ہے سو وہ بھی درست ہے۔ اس قسم کی لاتعداد مثالیں اس امر کی گواہ ہیں۔۔۔ کہ جاہلیت جدیدہ کے متوالے جنس کی حقیقت اور انسانی زندگی میں اس کے فطری اور متوازن ہونے کو نہ پاسکے۔ اور انسانیت کو تاریخ کی عظیم ترین جنسی بے راہ روی میں مبتلا کر دیا۔



## قوموں کے باہمی تعلقات

قوموں اور قبائل کے تعلقات جاہلیتِ جدیدہ کی نظر میں ایک دوسرے پر حیوانات کی طرح غلبہ پانے کی جدوجہد ہے۔ اگر دو قومیں آپس میں ملیں تو وہ قومیت کی حد بندیوں میں ملیں، جیسے جانور چراگا ہوں کی باڑہ پر ملتے ہیں۔ یا پھر ان اقوام کا اختلاط جنسی حدود میں ہو یا کسی مشترک مفاد کی خاطر دو قومیں متحد ہو جائیں!

بہر کیف جاہلیتِ جدیدہ میں قوموں کا اتحاد اللہ کی خلقت کے مطابق نہیں ہو سکتا اور نہ ان بنیادوں پر ہو سکتا ہے کہ جو انسان کے لئے انسانیت کی حیثیت میں ہونی چاہئیں:

یہ انسانی تعلقات کے بارے میں جاہلی تصورات کی صرف چند جھلکیاں تھیں۔ ایسا سب معلوم ہوتا ہے کہ ہم الکسیس کارل کی کتاب سے چند سطور نقل کر کے اپنی گفتگو ختم کر دیں۔ —  
الکسیس کارل ایک ہم عصر سائنس دان ہے جو مذہب سے متاثر نہ ہو کر نہیں لکھتا بلکہ سائنس کی طرف سے جو "وحی" آتی ہے وہ ہی کہتا ہے۔ —

"پس تو یہ ہے کہ انسان نے اپنے آپ کو سمجھنے کی بے پناہ کوششیں کی ہیں۔ اور ہر زمانے میں علما، فلاسفہ، شعراء اور روحانی پیشواؤں نے ان گنت افکار پیش کیے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود ہم اپنے وجود کے صرف چند گوشے ہی سمجھ پاتے ہیں۔ — ہم انسان کو مکمل حیثیت سے نہیں جانتے۔۔۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ انسان چند مختلف اجزاء سے مرکب ہے اور یہ اجزاء خود ہمارے ذہن کے تراشیدہ ہیں۔ بس ہر شخص چند سیالوں کے پیچھے دوڑ رہا ہے اور ان سیالوں کے پیچھے کچھ ان دیکھی حقیقتیں ہیں۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارا جاہل ہمارے علم سے زیادہ وسیع ہے کیونکہ انسانیت کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے "انسان" کے بارے میں جو سوالات آتے ہیں۔ ان میں اکثر کا ابھی تک کوئی حل نہیں پیش کیا گیا اور ہماری اندرونی ساخت کے بہت سے حصے ابھی تک نامعلوم پڑے ہیں۔ بہر کیف سائنس دانوں نے انسان کے بارے میں جتنی بھی تحقیقات پیش کی ہیں۔ وہ ابھی تک بالکل ابتدائی ہیں اور قطعاً ناکافی ہیں۔"

پھر آگے چل کر یہ سائنس دان بتاتا ہے کہ ہماری اس گمبھیر جہالت کا انسان کی معاشی  
اجتماعی، تہذیبی اور فکری زندگی پر کیا اثر پڑا ہے۔

”تہذیب جدید“ انسانیت کے لئے ایک دلیل ہے۔ کیونکہ یہ قطعاً ہمارے  
مزاج کے مطابق نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ اس تہذیب کی بنیاد انسان کی طبعی  
حقیقت پر نہیں رکھی گئی۔ بلکہ اس تہذیب کی بنیادیں چند سائنسی ایجادات لوگوں  
کی توہم پرستی اور ان کی خواہشات ہیں۔ اور باوجودیکہ یہ تہذیب ہماری ہی  
کوششوں کے نتیجے میں عالم وجود میں آئی ہے۔ پھر بھی یہ انسانیت کے لئے  
غیر صالح ہے۔ ہمارے دور کے ”منظر پرست“ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے  
مختلف تہذیبوں کی بنیاد رکھتے ہیں۔ لیکن ان تہذیبوں میں انسان کی ایک بھاری  
اور نامکمل تصویر کو سامنے رکھا جاتا ہے ہونا تو چاہیے کہ ہر بات کی ناپ تول کا پیمانہ  
خود انسان ہو۔ لیکن حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے انسان تو اپنی اس خود ساختہ  
دنیا میں خود ہی اجنبی ہو کر رہ گیا ہے۔ اب انسان اپنی دنیا کی تنظیم از خود نہیں  
کر سکتا۔ کیونکہ اس کو طبیعت انسانی کی کوئی عملی معرفت ہی حاصل نہیں ہے۔ اسی  
وجہ سے ”حیاتیاتی علوم“ کے بالمقابل ”جماداتی علوم“ کی ترقی ایک بھیانک مصیبت  
بن کر انسان کے سامنے آ رہی ہے۔۔۔ ہم بھی بڑے ہی بدبخت ہیں۔ کیونکہ ہم  
عقلی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے زوال پذیر ہیں۔۔۔ وہ قومیں جو آج مادی  
تہذیب کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں۔ ذرا غور سے دیکھا جائے تو وہ کمزوری کا شکار  
منظر آئیں گی بلکہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے پہلے یہی ترقی یافتہ اقوام پھر بدبخت  
اور لاقانونیت اختیار کرنے والی ہیں۔“

”جاہلیت جدیدہ نے انسانی تصورات میں جو فساد برپا کیا ہے۔ یہ اس کی تھوڑی  
سی جھلک ہے۔ اس جاہلیت نے فکر کا کوئی بھی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس  
فساد نہ پیدا کر دیا ہو۔“

یہ سارا بگاڑ صرف ایک بڑے اور بھیانک بگاڑ سے پیدا ہوا ہے۔ یعنی اللہ

تاریخ کی ساری جاہلیتوں میں سب سے زیادہ جاہلیت جدیدہ اس وہم میں مبتلا ہے کہ مذہب انسان کا ذاتی اور شخصی معاملہ ہے اور عملی زندگی سے مذہب کا کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ مذہب خدا اور انسان کے تعلق کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فکر کا خالص جاہلی بگاڑ ہے اور جو حقیقت آج یورپ اور مغربی تہذیب کے اپنانے والوں کے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ عقیدہ کا فساد اور اللہ کی عبادت سے روگردانی صرف ضمیر کے کسی گوشہ میں چھپ کر نہیں رہ گئی۔ بلکہ اس کا اثر پوری انسانی زندگی پر پڑا ہے اور انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں رہا جو بگاڑ کا شکار نہ ہوا ہو۔

عقیدے کے بگاڑ نے لازمی طور پر زندگی کو فساد سے ہمکنار کر دیا۔ کیونکہ عقیدہ صرف خدا اور بندے کے تعلق کا نام نہیں۔ بلکہ عقیدہ پوری زندگی کو اپنے کنٹرول میں لیتا ہے۔ جہاں عقیدے میں ذرا سا بھی فساد اور معمولی سا بھی بگاڑ رونما ہوا تو وہ فساد اور بگاڑ پوری انسانی زندگی پر چھا گیا اور انسانی زندگی عقیدے اور فکر کے اس فساد و بگاڑ کے زیر اثر سرگشتہ و حیران ہو کر رہ گئی۔

ہم نے ابھی بتایا کہ عقیدہ کا بگاڑ انسانی افکار و تصورات میں بگاڑ پیدا کرتا ہے۔ لیکن معاملہ اسی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ افکار و تصورات کا بگاڑ لازمی طور پر عملی زندگی میں فساد پیدا کرتا ہے۔

## عمل کا بگاڑ

اللہ کی عبادت سے روگردانی کرنے میں جاہلیت جدیدہ کا گمان تھا کہ ضروری نہیں ہے کہ عقیدے میں بگاڑ پیدا ہونے سے کائنات، زندگی اور انسانیت کے بارے میں تمام تصورات میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔ بلکہ جاہلیت جدیدہ کا ابتدائی سے یہ گمان تھا کہ اس کے کسی عمل میں بگاڑ پایا ہی نہیں جاتا۔

انہوں نے خدا کے بجائے شیاطین کو اپنا سرپرست  
 اِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِیْنَ  
 اولیاءَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ  
 مَّهْتَدُوْنَ (سورہ اعداف ۳۰) راہ پر ہیں۔

گذشتہ باب میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ عقیدے کا بگاڑ کس طرح تمام جاہلی افکار و تصورات پر چھاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جاہلی افکار میں نہ کوئی منطقی استدلال باقی رہا اور نہ ہی سچائی کی کوئی رمت؛ سارے افکار کی نگام خواہشات کے ہاتھ میں آگئی۔ حتیٰ کہ "تجرباتی سائنس" بھی خواہشات کی تابع ہو گئی۔ حالانکہ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ سائنس کا اور خواہشات کا کیا رشتہ؟ بلکہ سائنس تو تمام معاملات میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے اور حق و باطل کا معیار ہے!

سائنس دانوں کے اقوال سے ہمیں یہ تو علم ہو ہی گیا ہے کہ خود سائنس دانوں کے نزدیک جہاں عقیدہ خود صحیح بنیادوں پر قائم نہیں۔ وہاں سائنس بھی کسی یقینی حقیقت کا پتہ نہیں دیتی۔ سائنس خود انسانی خواہشات و تصورات کے پیچھے دوڑ رہی ہے اور سائنس کی جو کچھ بھی تحقیقات ہیں۔ وہ صرف ظاہر اشیاء کے بارے میں ہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود لوگ جاہلیت سے اتنے متاثر ہیں کہ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اگر

تصویرات میں بگاڑ پیدا بھی ہو جائے تو بھی انسانی زندگی صحیح خطوط پر چلتی رہے گی اور سیاسیات  
اجتماعیات معاشیات، اخلاق اور فن غرض زندگی کے کسی گوشے میں بھی ابتری پیدا نہ ہوگی کیونکہ  
نظریات ایک علیحدہ شے ہیں اور عملی زندگی ایک علیحدہ شے ہے۔ نظریات لوگوں کے افکار و  
خواہشات سے پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ عملی زندگی کا مدار واقعیت اور تجربہ پر ہوتا ہے۔ پھر اسی  
واقعیت اور تجربہ کی بنیاد پر تنظیمات وجود میں آتی ہیں جو ایک دوسرے کی اصلاح کرتی رہتی ہیں۔  
اس طرح سارا نظام خود بخود درست ہوتا چلا جاتا ہے۔

مَثَلُ هَلْ نَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ  
أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي  
أَحْيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ  
أَنَّهُمْ يُخْسِنُونَ صُنْعًا  
کیا ہم تمہیں ان لوگوں کے بارے میں نہ بتا دیں  
جو اعمال کے بارے میں خسارے میں ہیں جن کو  
زندگی کی ساری کوششیں نا کامیوں کا شکار ہو  
گئیں اور وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ اچھا کر  
رہے ہیں۔

(سورۃ کہف ۱۰۳)

ایک پرانی ضرب المثل ہے کہ "جب لکڑی ہی ٹیڑھی ہو تو سایہ کیسے سیدھا ہوگا؟"  
فکر اور عمل کا رشتہ

جاہلیت میں جو کہیں کہیں کوئی بھلائی اور کسی کسی معاملہ میں انصاف پایا جاتا ہے۔ اس نے  
لوگوں کو اس خیال خام میں مبتلا کر دیا ہے کہ تصویرات میں بگاڑ کا اثر عملی زندگی پر نہیں پڑتا بلکہ وہ  
تھوڑی سی ظاہری بھلائی دیکھ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ زندگی اچھی طرح رواں دواں ہے۔  
ہم یہ پہلے ہی بتا چکے کہ کوئی بھی جاہلیت مطلقاً خوبیوں سے خالی نہیں ہوا کرتی بلکہ کوئی  
نیکوئی خوبی ہوتی ضرور ہے۔ البتہ اس کا سرچشمہ حقیقی بھلائی نہیں ہوتا۔ ہم نے یہ بھی بتایا تھا  
کہ جاہلیت جدیدہ کی دو باتوں نے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ ایک علمی موشگافیوں کی  
کثرت اور دوسرے زندگی کی آسائشیات کی زیادتی جس کی بناء پر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو  
گئے ہیں کہ بھلائی ساری زندگی پر چھائی ہوئی ہے اور زندگی کے تمام معاملات بہتر طریقے پر  
چل رہے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ بے پناہ شیطانی وسائل کام میں لاکر اس شر اور برائی پر پردہ ڈال دیا

گیا ہے۔ جس میں لوگ پھنس کر رہ گئے ہیں۔

اولاً اگر لوگوں کو اس عظیم الشان شر اور زندگی کے اس بھیانک بگاڑ کا ذرا بھی اندازہ ہو جائے تو وہ فوراً سمجھ جائیں کہ جاہلیت جدیدہ اپنی گندگیاں اور نجاستیں چھپانے کے لئے جس خیر و بھلائی کے راگ الاپ رہی ہے۔ اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ یہ معمولی سی بھلائی بھی بریل کے بھر بیکراں میں غرق ہوتی نظر آتے۔ بلکہ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ برائیوں کے اس تلامخ خیز سمندر میں خود انسانی کشتی ٹوٹ پھوٹ چکی ہے اور قریب ہے کہ غرق ہو جائے!! بعض لوگ جاہلیت جدیدہ کی مدافعت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جاہلیت کا بگاڑ پوری انسانی زندگی کو محیط نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کے کسی ایک گوشے میں پایا جاتا ہے۔ — مثال کے طور پر اخلاق بگاڑ و فساد کا شکار ہو گئے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ساری زندگی نہ صرف یہ کہ بگاڑ سے پاک صاف ہے۔ بلکہ نہایت بہترین زندگی ہے اور ترقی کی ایسی بام عروج پر ہے جس سے مزید کی تمنا اور خواہش نہیں کی جاسکتی۔

ہرگز نہیں! جاہلیت جدیدہ ایسی برائی ہے۔ جو زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ ہم آگے چل کر بتائیں گے کہ جاہلیت کا بگاڑ کس طرح انسانی زندگی پر چھا گیا ہے۔ ریاضیات، معاشیات، اجتماعیات، اخلاق، دونوں جنسوں کے تعلقات، آرٹ اور فن، عرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں فساد سراپت نہ کر گیا ہو! لیکن اس سے پہلے لیکن سب سے پہلے ہم حقیقت ذہن نشین کر دینا چاہتے ہیں کہ ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے کہ تصورات و افکار بگاڑ کا شکار ہوں اور عملی زندگی بالکل استوار ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا! یہی وجہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ نے اپنے عظیم ترین وسائل اس بات پر صرف کر دیئے ہیں، کہ لوگوں کی توجہ فکر کے فساد سے ہٹا کر اس بات پر مرکوز کر دی جائے کہ ان کی عملی زندگی نہایت خوب و درست ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں ہے۔

اور۔۔۔ اگر کبھی لوگوں کے ذہن میں بھولے سے بھی یہ بات آجائے کہ ان کی زندگی کا فلاں عمل اللہ کی ہدایت کے خلاف ہے۔ یا۔۔۔ حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا یا اخلاق سے گرا ہوا ہے۔۔۔ تو فوراً ساری جاہلی مشیغری حرکت میں آجائے گی اور سارے

نشر و اشاعت کے وسائل اس جاہلی عمل کی تائید و توثیق میں سرگرم ہو جائیں گے اور یہ پراپیگنڈہ ہو گا کہ —

”بھئی! کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اب تم ”ترقی یافتہ“ زندگی گزار رہے ہو۔ کیا تم ترقی سے بالکل ہی غافل ہو؟ کیا تم بیسویں صدی میں نہیں رہتے؟ آخر کیا بات ہے؟ کیا تم ”رجعت پسند“ ہو؟ کیا مصیبت ہے کہ ہر بات میں رجعت پسندی گھس جاتی ہے! نف ہے اس رجعت پسندی پر سب کچھ قابل برداشت ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ تم بیسویں صدی میں بھی رجعت پسند رہو!“

جب بھی کوئی شخص ارادہ کرتا ہے کہ جاہلیت جدیدہ کے اس شرپسے پردہ اٹھائے جس میں لوگوں کا دم گھٹا جا رہا ہے۔ تو فوراً جاہلیت جدیدہ اپنے تمام نشر و اشاعت کے ذرائع — پریس، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن — اس شخص کی آواز دبانے پر لگا دیتی ہے — اور جس کسی نے بھی لوگوں کو راہِ حق دکھانے کی کوشش کی اس کے راستے میں رجعت پسندی کا بھڑو ڈیا۔ اور جو شخص حق و انصاف کا خون کرنے نکلے اس کے ہاتھ میں ”ترقی“ کا ہتھیار دیدیا!

اور — معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ جاہلیت مسلسل ”حق“ و ”باطل“ کو آپس میں خلط ملط کرتی رہتی ہے — یہاں تک حق و باطل کی ایسی آمیزش ہو جاتی ہے کہ مظلوم یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میری زندگی میں انصاف ہو رہا ہے۔ مگر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں اور جو برائیوں اور شر میں مبتلا ہیں وہ یہ خیالی کرنے لگتے ہیں کہ ان کے گرد و پیش میں خیر و بھلائی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے! —

## نجیث جاہلیت

بس حقیقت تو یہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ تاریخ کی تمام جاہلیتوں میں زیادہ دلدل والی، زیادہ نصیبت اور زیادہ سخت گیر ہے! —

جاہلیت کی اس ہمہ گیری اور بالادستی کے باوجود بیان حقیقت کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، کیونکہ حق و سچائی میں وزن ہوتا ہے اور جاہلیت کو خواہ کتنی بھی طاقت حاصل ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ

وہ ایک طویل زمانے تک حق اور سچائی پر پردہ ڈالے رکھے بلکہ ایک ایسا وقت آتا ہے کہ حق پر سے پردہ اٹھ کر رہتا ہے۔

اور ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ لوگ جاہلیت کے خواب گراں سے اٹھنے شروع ہو گئے ہیں اور انہوں نے جاہلیت کے پھیلائے ہوئے اس عظیم الشان شرک و محسوس بھی کرنا شروع کر دیا ہے لیکن یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ معاملہ آسان ہے اور اب جلد ہی یہ مہم سر ہو جائے گی۔ کیونکہ عین بھیاتک اور سخت گیر جاہلیت ہوتی ہے اتنا ہی سخت معرکہ حق و باطل بھی ہوتا ہے اور اس معرکہ میں فتح یاب ہونے کے لیے بڑے جاں گسل اور زہرہ گداز جہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

البتہ ایک حقیقت کو نہ صرف کوزہ نشین کر لیا جائے۔ بلکہ اس پر ایمان بھی لے آنا چاہیے اور وہ یہ کہ باطل خواہ کتنا ہی پھیل جائے۔ لیکن وہ حق کبھی نہیں بن سکتا اور شر خواہ کتنا ہی محیط کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ خیر کبھی نہیں ہو سکتا۔ باطل ہمیشہ باطل رہے گا اور شر ہمیشہ شر رہے گا۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے اب ہم جاہلیت کے پیدا کردہ اس بگاڑ اور فساد کو بیان کرتے ہیں۔ جو اس نے انسان کی عملی زندگی میں برپا کیا ہے جیسے ہم پہلے باب میں فکر کا بگاڑ بیان کر چکے ہیں۔

جس طرح ”فکر کا بگاڑ“ حقیقت الہی کائنات زندگی، انسان اور انسانوں کے آپس کے تعلقات کے بارے میں تمام تصورات و افکار کو محیط ہو گیا ہے۔ اسی طرح ”عمل کا بگاڑ“ بھی سیاسیات، معاشیات، اجتماعیات، اخلاق، آرٹ اور فن عرض انسان کی ساری عملی زندگی پر چھا گیا ہے۔



# سیاست کا بارگاہ

## یورپ کا جاگیرداری نظام

اگرچہ یہ آزادی کا دور ہے۔ لیکن تاریخ کی بدترین آمرینیں اسی دور میں وجود میں آئی ہیں۔ کچھ مہوڑا سا وقت گزرا ہے کہ پورے یورپ پر جاگیرداری نظام چھایا ہوا تھا۔ لوگ جاگیرداروں کے غلام تھے۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین چھوڑ کر چلا جاتا تو وہ دھجکھوڑا، متصور ہوتا۔ اور قانون کے ذریعے اسے پھڑکھڑ کر لایا جاتا اور آگ کا داغ لگا کر اس کے جسم پر غلامی کی نشانی ثبت کر دی جاتی تھی۔ کیونکہ یہ شخص اپنے خداوند جاگیردار کی نافرمانی کا مرتکب ہوا تھا۔

یہ جاگیردار اپنے غلاموں کو زندگی گزارنے کے لئے زمین کا ایک ایک ٹکڑا دے دیا کرتے تھے۔ لیکن زمین کے اس ٹکڑے پر ان غلاموں کے حقوق غیر مالکانہ ہوتے تھے۔ بالکل اس طرح جیسے بکریوں کا ایک گلہ چراگاہ میں چرتا ہے اور دو دو گھی دیتا ہے۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ جاگیرداری نظام میں پیداوار آزاد نہیں ہوتی۔ بلکہ اس نظام میں پیدا کرنے والا براہ راست اپنے مالک سے چند اقتصادی منفعتموں کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ مطالبہ یا تو پیداوار کرنے والے کی خدمات میں کچھ رعایت برت کر ادا کیا جاتا ہے یا کچھ نقد ادائیگی کے ذریعے حساب چکا دیا جاتا ہے۔ حقیقت میں جاگیرداری معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

پہلا طبقہ، تو خود مالکان اراضی اور جاگیرداروں کا ہوتا ہے۔ اور دوسرا طبقہ مزارعین کا ہوتا ہے۔ کسان پیداوار کرنے والے ہوتے تھے اور ان کو اس پیداوار کے صلہ میں زمین کا ایک ٹکڑا دے دیا جاتا تھا۔ جس کے ذریعے وہ اپنی روزی کما تے اور ضروریات زندگی مہیا کرتے تھے اس

کے علاوہ وہ اپنے گھروں میں زراعت سے متعلق چھوٹی چھوٹی صنعتیں بھی کرتے رہتے تھے۔ اور ان سہولتوں کے عوین کسانوں پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر انہیں ہفتہ وار مالک کی زمین میں اس کے آلات اور جانوروں سے کاشت کرنا ہوتی تھی۔ تہواروں اور تقریبات کے موقعوں پر مالکوں کو بدیئے پیش کرنے پڑتے تھے۔ مالک کی قائم کردہ چکیوں میں اس کا آٹا پیسا پڑتا تھا اور شراب خانوں میں مالک کے لئے انگر نچوڑنا پڑتا تھا۔

ہر قسم کے فیصلے جاگیردار کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ گویا اپنے علاقے کے لوگوں کی اجتماعی اور سیاسی تنظیم اسی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

”اس کے علاوہ جاگیری نظام میں پیداوار آزاد نہیں ہوتی۔ کیونکہ کسان کچھ نہ تو زمین کے مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں اور نہ ہی اسے فروخت کرنے یا وارث بنانے کا اختیار ہوتا ہے بس وہ تو جاگیردار کی زمین میں اپنی منشا اور مصلحت کے خلاف ہل چلا تا رہتا ہے اور غیر مقررہ ٹیکس ادا کرتا رہتا ہے۔ تاکہ جاگیردار کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا رہے اور جب زمین ایک جاگیردار سے دوسرے جاگیردار کے پاس پہنچی تو کسان بے چارہ بھی زمین کے ساتھ ہی بیک گیا کسان کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ ایک مالک کو چھوڑ کر دوسرے آقا کے پاس چلا جائے بس یوں سمجھئے کہ اس وقت کا کسان، پرانے زمانے کے غلام اور آج کے آزاد کسان کے درمیان کا ایک درجہ رکھتا تھا۔“

یہ تھی وہ بدترین صورت حال جس میں قرون وسطیٰ کا جاہل یورپ مبتلا تھا اور یہ تھے وہ رسم درواج جو کلیسا کی زیر نگرانی جاری تھے۔

ہر قسم کے جزئی بگاڑ کے باوجود اسلامی دنیا اس قسم کی بدترین صورت حال سے کبھی بھی دوچار نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ کا قانون بہر حال کسی نہ کسی نافذ ضرورت تھا اور یہی اللہ کا قانون تھا۔ جو اس بے پناہ ظلم کے راستہ میں حائل تھا جو اللہ کی بافرمانی کر کے مشہور یونانی قانون کے نظام عدل پر قائم تھا!

بہر کیف وہ وقت بھی آ ہی گیا۔ جب جاگیرداری نظام ختم ہو گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ

یورپ کے ضمیر نے اس کی خرابیاں محسوس کر لی تھیں۔ کیونکہ جاہلیت کو اپنے نظام میں کبھی بھی کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ بلکہ۔۔۔ تاریخ کے مادی فلسفہ کے مطابق۔۔۔ جاگیرداری نظام اس لئے ختم ہوا۔ کیونکہ مشین ایجاد ہو گئی اور نئے معاشی نظام نے جنم لے لیا۔

تاریخ کا مادی فلسفہ کہتا ہے کہ۔۔۔ "ترقی پذیر طبقہ" مادی انقلابات کے ماتحت اس طبقے کو ختم کر دیتا ہے۔ جس کا دور مکمل ہو گیا ہو، اور جس طبقہ کا دور اقتدار پورا ہو جائے، وہ لازمی طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور ان "مادی و طبقاتی انقلابات" میں حق و انصاف کا کوئی دخل نہیں ہوتا چنانچہ جاگیرداری اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ اس لئے کہ اس کا "مادی اور طبقاتی دور" مکمل ہو چکا تھا اور جاگیرداری کی جگہ نئے نظام نے اس لئے نہیں لی کہ نیا نظام اپنے ظلم کو ختم کرنے کے لئے وجود میں آیا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ اس نئے نظام کا مادی و طبقاتی دور آ گیا تھا۔ یعنی اس کی "تاریخی جبریت" اسے وجود میں لے آئی۔

"تاریخ کا مادی فلسفہ" ذرائع پیداوار کی تعدیل سے اُبھرنے والے معاشی نظام اور طبقہ حاکم میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ کیونکہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے بجائے اپنے ہوائے نفس کے اتباع کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مالکوں کا طبقہ نفع اندوز اور جابر حاکم بن جاتا ہے اور عوام مستقل ظلم و ستم کا شکار ہو جاتے ہیں۔

جاہلیت۔ خواہ واقعاتی ہو یا نظریاتی۔ کسی ایسی صورت حال کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ جس میں معیشت ذرائع پیداوار میں علمی تغیرات واقع ہونے سے، طبعی طور پر مختلف شکلیں اختیار کرتی رہے اور اس میں ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے نابالغ انتفاع نہیں کرتا۔ کیونکہ جاہلیت کے کے متوالوں نے اپنی طویل ترین جہالت میں کبھی بھی اللہ کے نازل کردہ قانون کو نافذ نہیں کیا اور نہ ہی یہ دیکھا کہ اس نظام میں کس طرح تمام امور حق و انصاف سے انجام پاتے ہیں خواہ آپ تھوڑی دیر کے لیے اقتصادی نظام کو منظر انداز کر دیں۔ کیونکہ اللہ کا نازل کردہ قانون کسی ایک نظام زندگی سے پیوستہ نہیں ہے اور نہ یہ قانون معاشی، اجتماعی اور سیاسی ڈھانچوں میں بٹا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ قانون الہی تو انسان کے لیے ہے خواہ انسان ترقی و تغیر کے کسی بھی مرحلہ پر کیوں نہ ہو۔

## نئی تبدیلی

بہر کیف، مشین کی ایجاد سے یورپ میں جاگیرداری نظام ختم ہو گیا اور اس کی جگہ معاشرے میں ایک نئی تبدیلی رونما ہو گئی۔

کارخانوں کے لئے مزدور دیہات ہی سے ہتیا ہو سکتے تھے۔ چنانچہ جاگیرداری کا خاتمہ لازمی قرار پایا۔ تاکہ کسان زمینوں سے اپنی گردن چھوڑا کر نئے کام کے لئے دیہات سے شہر میں آجائیں۔ عوام زمین کی غلامی سے چھوٹ گئے اور دیہات کی غلامی سے نکل کر شہروں کی آزادی میں آ گئے۔ بے چارے عوام نے یہ سمجھا کہ وہ تمام زمینجیری توڑ کر آزاد ہو گئے ہیں اور اب ان کا جو جی چاہے گا کریں گے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک جاہلی نظام سے نکل کر دوسرے جاہلی نظام کی گرفت میں جا رہے تھے اور اس نئے نظام میں جو غلامی کی زمینجیری تیار تھیں وہ ابھی تک ان کے سامنے نہ آئی تھیں۔ البتہ وہ اپنے پیروں چل کر اس نئی غلامی کی طرف جا رہے تھے۔

تاریخ کا مادی فلسفہ کہتا ہے کہ مشین کی ایجاد کے بعد ایک نئے طبقے نے جنم لیا اور عمل پیداوار جاگیردارانہ کے بجائے سرمایہ دارانہ بن گیا۔ اس لئے یہ دم گھونٹنے والی غلامی وجود میں آئی۔

مادی فلسفہ کے ماننے والے سمجھتے ہیں کہ انہوں نے حقیقت کو پا لیا ہے اور نہایت ہی کام کی بات بتائی ہے۔ حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح جاگیرداری نظام کی جاہلیت نے اللہ کے نازل کردہ قانون کو ٹھکرا دیا۔ اسی طرح سرمایہ داری کی جاہلیت جدیدہ نے اللہ کے نازل کردہ احکام کو ماننے سے انکار کر دیا۔

دونوں جاہلیتوں میں ایک ہی جذبہ کار فرما ہے کہ محنت کشوں کی کمائی صاحب اقتدار لے اٹھیں۔ ایک ہی "طاغوت" ہے جو ہر جاہلیت میں لوگوں سے اپنی اتباع کراتا ہے۔ کیونکہ لوگ اللہ

سے تاریخ کا مادی فلسفہ یہی کہتا ہے اور یہ خبر نہیں کہ تیرہویں صدی میں یورپ کے کسانوں نے اپنی غلامی کے خلاف احتجاج شروع کر دیا تھا۔ قدرت کے اس حکم کے مطابق کہ عوام ایک بویل مدتی تک ظلم برداشت کرتے کرتے آخر اس ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ذرا تاح پیداوار میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ تیرہویں صدی میں کسانوں نے زمینیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا تھا۔ وقت برسوں سے کسی نئے اقتصادی نظام کا وجود ہی نہ تھا۔

کی اتباع چھوڑ بیٹھیے!

بے شک یہ "طاغوت" مسلمانوں میں بھی تھا۔ اور جس قدر مسلمان اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے ہٹتے گئے۔ ان پر "طاغوت" کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔ لیکن چونکہ مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں اللہ کے قانون کو اپنی زندگیوں میں نافذ کئے ہوئے تھے اس لئے "طاغوت" اس طرح نہ بھا سکا۔ جس طرح اس نے یورپ پر چھا کر لوگوں کی زندگیوں کو جہنم بنا دیا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمانوں میں جاگیر داری کبھی بھی اس شکل میں ظاہر نہیں ہوئی جس بدترین شکل میں وہ یورپ پر چھائی ہوئی تھی اور اسلام ہی اس قابل بھی تھا کہ وہ سرمایہ داری کے "طاغوت" کا بھی راستہ روک لیتا۔ اگر مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں اللہ کے قانون کو نافذ کیئے ہوتے

خیر! ہم پھر یورپ کی جاہلیت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جس کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ جو کچھ ہوا۔ وہ "اقتصادی جبری تغیر" نہیں تھا۔ جیسا کہ مارکسی جاہلیت کہتی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ طاغوت کا اپنی سرکشی جاری رکھنے اور لوگوں کو مزید غلام بنائے رکھنے کے لئے ایک نیا اقدام ہے۔ اور جو کچھ ہوا وہ جبری بھی نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت کے حالات کا طبعی نتیجہ تھا۔ یا ایک حقیقت سے جبری بھی کہا جا سکتا ہے اور وہ یہ جب لوگ اللہ کے نازل احکام کی تعمیل نہیں کرتے تو انہیں ذلت و غلامی کا مزا چکھانے کے لئے "طاغوت" مسلط ہو جاتا ہے۔

ابھرتے ہوئے سرمایہ دار طبقہ کا، اگر قی ہوئی جاگیر داری کا اقتدار چھین لینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ موجودہ تبدیلی میں "طاغوت" مسلط نہیں ہے۔ "طاغوت" تو جاگیر داری میں بھی مسلط تھا اور اب سرمایہ داری میں بھی مسلط ہے۔ کیونکہ طاغوت کسی شخص معین یا کسی خاص طبقہ کا نام نہیں ہے۔ بلکہ طاغوت تو جاہلانہ اقتدار کا نام ہے۔ جس کو چند افراد اپنے ہاتھ میں لے کر باقی تمام لوگوں کو غلام بنا لیتے ہیں۔ پھر اقتدار کے لئے سرکشی شروع ہو جاتی ہے اور جس گروہ کو معاشی حالات سہارا دیں۔ وہ اس اقتدار کو اپک لیتا ہے۔ جیسا کہ جزیرہ نمائے عرب میں قریش اور دیگر قبائل میں اقتدار کی سرکشی جاری تھی۔ حتیٰ کہ قریش کے ہاتھ میں طاغوتی اقتدار آ گیا اور اقتصادی حالات نے اس اقتدار کو مضبوط کر دیا۔ چنانچہ قریش نے دوسرے لوگوں کو مختلف طریقوں سے غلام بنا لیا۔

"تاریخ کا مادی فلسفہ" طاغوتوں میں اقتدار کی تبدیلی تو بیان کرتا ہے لیکن خود طاغوت کے پیدا

ہونے کے اسباب کا پتہ چلانے سے قاصر ہے اور نہ ہی اسے یہ علم ہے کہ اگر لوگ چاہیں تو زمین سے طاغوت کے وجود کو ختم کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلی فلسفہ ہے اور جاہلیت ہی کا نتیجہ ہے۔

شروع میں اس نئی غلامی (سرمایہ داری) کی نشانیاں واضح نہیں تھیں بلکہ سرمایہ داری آزادی کا جھنڈا لیتے ہوئے سامنے آئی تھی۔ جس کے نتیجے میں مزدور زمین کی غلامی سے اور عوام جاگیر داری کی غلامی سے آزاد ہوئے۔ نیز اس کے ساتھ ہی کچھ سیاسی اور اجتماعی تبدیلیاں آئیں۔ جن پر آزادی کی مہر لگی ہوئی تھیں اور ان سب تبدیلیوں کا نام ”جمہوریت“ رکھ دیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جاہلیت جدید نے کچھ آزادی دی اور کچھ عوام کی بھلائی کے کام کیے۔ جس سے لوگ دھوکہ کھا گئے۔ اور نیا طاغوت انہیں آہستہ آہستہ اپنی غلامی میں لیتا گیا۔

اگر آپ کسی ایسے آدمی کو لیں۔ جو قانونی طور پر زمین سے بندھا ہوا ہو اور زمین کو چھوڑنے سے بہت سی بادی اور معنوی رکاوٹیں پیش آتی ہوں یا آپ ایسے شخص لیں جو سوسائٹی کی اخلاقی اور سماجی بندشوں کو توڑنے کی جرأت نہ کر سکتا ہو۔ (اگرچہ خود اس سوسائٹی کے لوگ ان بندشوں کی اپنے دل میں کوئی اہمیت نہ سمجھتے ہوں) یا۔ آپ ایسے شخص کو لے لیں جو کلیسا کے اقتدار کے خلاف آواز نہ اٹھا سکے۔ اور اگر ایسا کرنے لگے تو اسے بے دین اور ملعون سمجھا جائے۔

اگر آپ کسی ایسے شخص کو کسی شہر میں لے جا کر چھوڑ دیں کہ وہ گلی کوچوں میں اخلاقی بے راہ روی پھیلاتا پھرے اور کوئی اسے روکنے والا نہ ہو۔ اور وہ کلیسا کے اقتدار کی کوئی پرواہ نہ کرے اور کوئی اسے بے دین کہنے والا نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت یہ شخص اپنے آپ کو آزاد ہی سمجھے گا۔ !!

## انسانی آزادی

بہر کیف انسان کو کچھ ایسی آزادیاں ملیں جن کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا۔ آزادی نقل و حرکت، آزادی عمل... آزادی اجتماع... آزادی رائے اور آزادی صحافت... اور کچھ ایسی ضمانتیں و سہولتیں کی گئیں۔ جن کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا... مثلاً اتہام، تحقیق اور عدالت کی ضمانتیں! ان آزادیوں اور ضمانتوں کو دیکھتے ہوئے انسان کو یہی سمجھنا چاہیے تھا کہ وہ آزاد ہو گیا ہے! اس کے بعد مارلیمان وجود میں آئی۔ اور پھر آزادانہ انتخابات، عوامی نمائندگی، عوام کی نمائندہ حکومت

اور عوام کی مرضی سے چلائی جاتے والی حکومت کے ڈھونگ رچائے گئے۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کے پیش نظر اور لازمی طور پر انسان نے یہی سمجھا کہ وہ آزاد ہو گیا ہے!! اور ان خوش کن نعروں کے ساتھ، دور سرمایہ داری میں جاہلیت جدیدہ وجود میں آئی۔ جس کی ظاہری شکل واقعی حد درجہ تباہناک ہے۔!

علمی اور مادی ترقیات نے اس تصویر میں مزید رنگ کاری کی اور انسان نہ صرف یہ کہ زمین کی غلامی سے آزاد ہو گیا، نہ صرف یہ کہ اخلاقی بندشوں سے چھوٹ گیا۔ نہ صرف یہ کہ کلیسا کے اقتدار سے نجات مل گئی اور نہ صرف یہ کہ اسے ناسندگی اور قانون سازی کا اختیار مل گیا۔ بلکہ انسان محنت و مشقت سے بھی آزاد ہو گیا ہے۔ کیونکہ علمی اور مادی ترقیات نے انسان کو تھکا دینے والی محنتوں سے نجات دلا کر یہ سارے کام مشینوں کے سپرد کر دیئے اور انسان بالکل ہلکا پھلکا، خوش باش ہو کر اپنے سرمایہ زندگی کو محفوظ کر کے بیٹھ گیا!

یہاں پر ہم جاہلیت جدیدہ کے اجتماعی، اقتصادی، اخلاقی اور فکری بگاڑ کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ صرف سیاسی بگاڑ کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ (اگرچہ زندگی باہم مربوط ہے) اور سیاسی زندگی کا اجتماعی اقتصادی، اخلاقی اور فکری زندگی سے علیحدہ ہو کر کوئی وجود نہیں ہے۔

لیکن جہاں تک سیاست کا تعلق ہے۔ تو جاہلیت جدیدہ جس نے کلیسا کے اقتدار سے فرار اختیار کر کے عوامی راستے اور مرضی کا سہارا لیا تھا۔ حقیقت میں یہ جاہلی سیاست عوام کی مرضی سے حکومت نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ ساری سیاست کی بنیاد ایک ایسے وہم پر قائم تھی جس کا حقیقت واقعہ سے کوئی تعلق کا بھی تعلق نہیں تھا کیونکہ جاہلیت جدیدہ نے جب اللہ کے نازل کردہ احکام کو ٹھکرا دیا۔ تو اس کے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔ کہ وہ طاغوت کی مرضی کے مطابق حکمرانی کرے گا۔ عوام کی راستے اور مرضی سے حکومت جاہلی سیاست کی تصویر کا وہ رخ تھا۔ جو لوگوں کے سامنے اور طاغوت کی حکمرانی اس گندی جاہلیت کا اندرونی اور حقیقی رخ تھا۔!!

”تاریخ کا مادی فلسفہ“ جاہلیتوں کی تعبیر میں بڑی صداقت سے کام لیتا ہے۔ کہ ”جس طبقہ کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار ہوتا ہے۔ وہ بقیہ تمام طبقات کے مفادات کے خلاف اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر حکومت کرتا ہے۔“

گویا، انتخاب، پارلیمان اور دستور، ان سب تنظیمات کے پس پردہ طاغوت ہی حکمران ہے!!

ابتداء یہ سب امور اتنے واضح نہ تھے۔ بلکہ جاہلیتِ جدیدہ میں زندگی گزارنے والے کچھ خوش فہم  
یہ سمجھ رہے تھے۔۔۔ کہ وہ نئی زندگی کو بہتر، اعلیٰ، بلند اور انسانی برتری کے لائق بنیادوں پر  
استوار کر رہے ہیں! اور جاہلیت کے پر شکوہ مظاہر بھی ان کے اس گمان کی تائید کر رہے تھے۔  
کیونکہ یہ بے ہمتی کے سمجھ رہے تھے کہ اس جاہلی نظامِ سیاست میں عوام اپنے نمائندوں کو منتخب کرتے  
ہیں اور یہ عوامی نمائندے لازمی طور پر عوام کی مرضی اور ان کے مفادات ہی کو مد نظر رکھتے ہیں!  
لیکن حقیقت یہ تھی کہ سرمایہ داری کا طاغوت ان کے سروں پر حکمران بنا بیٹھا تھا!۔۔۔ لیکن  
۔۔۔ اب یہ تمام امور اتنے واضح طور پر لوگوں کے سامنے آچکے ہیں کہ مزید بیان کی ضرورت  
نہیں ہے۔ کیونکہ گذشتہ چند سالوں میں سرمایہ داری کے عیوب اور اس کی بُرائیوں پر نہایت کثرت  
سے لکھا گیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سرمایہ داری نظام میں کس طرح محنت کشوں کا خون چوسا گیا  
ہے حتیٰ کہ سچی آزادی، حقیقی انصاف چاہنے والوں اور طاغوت کی حکمرانی سے نجات چاہنے والوں  
کے لیے سرمایہ داری ایک کھلا ہوا ظلم و ستم بن گئی۔

## ظلم و ستم کی مثالیں

ذیل میں ہم اس ظلم و ستم کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱۹۲۶ء میں انگلستان میں ہونے والی ہڑتال کو کچلنے کے لیے حکومت نے تمام

ذرائع اختیار کیے۔ ہڑتالیوں کو ہڑتال غیر قانونی ہے۔ چنانچہ پولیس

اور فوج ہڑتالیوں پر ٹینک اور توپوں سے حملہ آور ہو گئی۔ ہڑتال کو ختم کرنے کے لیے

صد ہا طریقے اختیار کیے گئے۔ یونیورسٹی کے نوجوان طلبہ نے بسیں اور ٹرکس چلائیں۔ ریڈیو

اور اخبارات سے کام لیا گیا۔ ساری حکومتی مشینری مل مالکوں کے ہاتھ میں آگئی۔ عوام

اور مزدوروں کی انجمنوں کو حسابات پیش کرنے اور ان کے لیڈروں کو گرفتار کرنے

کی دہشیاں دی گئیں۔۔۔

مندرجہ بالا واقعات جمہوریت کے پیدائشی وطن انگلستان میں پیش آئے اور بیان کرنے

والا بھی کوئی انگریز دشمن نہیں۔ بلکہ خود انگریز ہے۔



امریکہ کا حال انگلستان سے بھی بدتر ہے۔ وہاں کے پیشہ وروں کی بعلی، پارٹیاں نام نہاد جمہوریت کے لئے راہیں ہموار کرتی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص سرمایہ داری کے خلاف بغاوت کرے تو اسے جیلوں میں ڈال کر سزائیں دیتے ہیں۔ اور اگر ضروری سمجھیں تو قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

ہارولڈ لاسکی — اپنی کتاب ”دور جدید کے انقلابات“ میں کہتے ہیں۔

”مناسب ہے کہ لوگ مستند تفصیلات کا مطالعہ کریں۔ مثلاً انجمن ”لافلوت“ کا فیصلہ جس کو امریکی لارڈز کی مجلس نے اس لئے متعین کیا تھا کہ یہ انجمن شہری آزادی میں دخل اندازی کا جائزہ لے تاکہ صحیح اندازہ ہو سکے کہ یہ دخل اندازی کس حد تک پہنچ چکی ہے۔ رشوت، جاسوسی، دھوکہ، دھاندلی اور عدالتی بد عنوانیاں تو ایسے امور ہیں جن کے امریکی لیڈر اور کارکن اچھی طرح عادی ہیں۔

بڑی بڑی صنعتی انجمنوں کا مقصد یہ ہے کہ وہ ٹریڈ یونین کے مزدوروں کو کچلنے کے لیے بند و قوں اور آنسو گھس سے مسلح لشکر رکھ سکیں۔!

اس کے علاوہ سینٹر لانگ کے زمانے میں لوہڑانا، جرسی اور کیلیفورنیا کے بعض علاقوں میں ”اعلان حقوق“ کا کوئی اثر ہی نہیں تھا۔ کیونکہ تاجر اور سرمایہ دار ہر قسم کے مفادات اپنے لئے ہی خاص سمجھتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ معیشت کے سرچشمے انہی کے ہاتھوں میں تھے۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ سنہ ۱۹۲۰ء تک امریکی تاجروں اور سرمایہ داروں کے ذہن میں فاشیت بڑی طرح سرایت کر چکی تھی۔ البتہ جمہوریت کا ایک باریک سا پردہ ضرور پڑا ہوا تھا۔<sup>۱</sup>  
بہر کیف امریکہ کی حالت اتنی ظاہر ہے کہ اس کے لیے کتابوں کے اقتباسات دینے کی

ضرورت نہیں ہے۔ امریکی ریڈیو اس حد تک گئی گزری ہے کہ رات دن کلم کھلا جرم ہوتے ہیں اور سولہ گولڈ کے اشاروں پر ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ سرمایہ داروں کو خوش کرنے کے لئے دن دہاڑے امریکی عدلیہ کی قتل کر دیا گیا کیونکہ سرمایہ دار ڈرتے تھے کہ کنیڈی کی عالمی کھپاؤ کو کم کرنے کی صلح پسندانہ کوششوں کی بنا پر صنعتوں کا رخ جنگی سامان سے ہٹ کر تمدنی سامان کی طرف منتقل ہو جائے گا اور تمدنی صنعتوں سے سرمایہ دار اتنا زیادہ منافع نہیں کما سکتے۔ جتنا وہ جنگی سازو سامان میں کما لیتے ہیں۔

یہ تو سرمایہ داری کے جرائم کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ ورنہ تخریب اخلاق، لوگوں کی معیشت

پر قبضہ اور مختلف قوموں کو غلام بنانے کے لئے "سامراجی توسیع پسندی" اس کے علاوہ ہے۔  
بہر کیف یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ "خیالی جمہوریت" اب سرمایہ داروں کی آمریت  
بھی گئی ہے اور یہ آمریت ایک طاغوت بن کر لوگوں کو غلام بنا رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ جاہلیت اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتی کہ یہ سب خرابیاں اللہ کی راہ سے  
روگردانی کی بنا پر پیدا ہوئی ہیں۔ بلکہ جاہلیت تو نہ اللہ کے راستے کو پہچانتی ہے اور نہ اس پر یقین  
رکھتی ہے۔ جاہلیت تو زندگی کی بنیاد اللہ کی وحی سے انحراف پر رکھتی ہے۔ اس کے غور و فکر کے  
پیمانے "زمین کی کش مکش" "معاذ پرستی کی لڑائی" اور "طبعاتی جنگ" ہیں۔

جاہلیت کے متوالوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سود اور اجارہ داری کو حرام  
قرار دیا تو اس کو انسانوں کے بارے میں ان امور کا علم تھا جن کو انسان نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ  
ان کے لئے ایسی بھلائی اور خیر کا ارادہ کر رہا تھا جو ان کے وہم و گمان سے بھی بالاتر ہے۔  
اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے ایسا راستہ متعین کیا جس میں مصلحتوں کا توازن ہے جس میں  
عدل و انصاف ہے ظلم و سرکشی نہیں ہے۔

"سیاست" کے زیر عنوان ہم سود کے بارے میں تفصیلی گفتگو نہیں کریں گے۔ بلکہ اس کا  
تفصیلی بیان اقتصادیات کے زیر عنوان ہوگا۔ لیکن اتنی بات کہتے چلیں کہ اگر سود اور اجارہ داری  
نہ ہوتی تو اپنے دامن میں ہزاروں مصیبتیں سمیٹے ہوئے ملعون سرمایہ داری بھی نہ ہوتی۔ سود اور  
اجارہ داری سرمایہ داری کے دستوں ہیں اور یہی دونوں اللہ کے قانون میں حرام ہیں۔  
سیاست ہو یا اقتصاد اللہ کا قانون ہی انسانوں کی گردنیں طاغوت کے ظالم پنجے میں  
جانے سے بچا سکتا ہے۔

## مزدوروں کی آمریت

اب ہم تاریخ کے ساتھ ساتھ چند قدم اور چلتے ہیں۔

جب سرمایہ داری کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہیں رہی تو لوگ اس کے خلاف جہاد کے لیے  
اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن باوجودیکہ لوگ سرمایہ داری نظام سے جہاد کر رہے تھے۔ پھر بھی  
وہ جاہلیت ہی میں تھے۔ پھر بھی وہ اللہ کے راستے سے دور ہی تھے۔ چنانچہ جب انتہائی محنت و

مشقت کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو سرمایہ داری کے طاغوت سے چھڑایا تو اس طویل عذاب کے بعد بھی ان کو کوئی آرام و سکون نہیں ملا بلکہ جو نہی وہ سرمایہ داری کے طاغوتی پنجے سے نکلے، انہیں ایک نئے طاغوت نے ہچک لیا۔ اس لئے طاغوت کے چہرے پر جمہوریت کا نقاب بھی نہیں تھا۔ بلکہ مزدوروں کی آمریت تھی!

لوگ سرمایہ داری کی آمریت سے نکلے اور مزدوروں کی آمریت میں آ پھنسے! ایک طاغوت سے نجات ملی، دوسرے طاغوت کا شکار ہو گئے اور ہر صورت میں اللہ کے راستے سے روگرداں رہے۔ تاریخ کی جاہلی تعبیر بعید از عقل اسباب اور ان کے نتائج پر ایک طویل بحث کرنے کے بعد طبقاتی کش مکش کا تذکرہ کرتی ہے۔ اس کے بعد کہتی ہے کہ یہی وہ وقت ہے جب لازمی طور پر اشتراکیت کو وجود میں آنا چاہیے۔ پھر جاہلیت کے متوالے افیون اور بھنگ کا نشہ پی کر پروتاریہ آمریت کے زیر سایہ حاصل ہونے والی (یورپیائی) جنت کم گشتہ کا خواب دیکھتے ہیں۔ یہ جنت جب حاصل ہوگی۔ جب سارے طبقات ختم ہو جائیں گے اور صرف "پرولتاریہ" طبقہ رہ جائے گا۔ !!

مزدوروں اور سرمایہ داروں کی جنگ حق و انصاف کے نام پر نہیں ہوتی، جس حق و انصاف کا فریڈرک اینجلز مذاق اڑاتا ہے۔ بلکہ اس جنگ کی بنیاد "جبری تناقض" ہے!

سرمایہ دار ہر قسم کے قانونی اور غیر قانونی ذرائع سے مزدوروں کا خون چوستا رہتا ہے لیکن آخر کار تاریخ کا لازمی نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔ وہ یہ کہ مزدور حکومت پر قبضہ کر کے پروتاریہ آمریت قائم کر دیتے ہیں۔ پھر پروتاریہ آمریت "انفرادی ملکیت" ختم کر کے تمام ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت میں دے دیتی ہے۔ تمام طبقات ختم ہو جاتے ہیں اور حکومت پروتاریوں کے مفاد کو سامنے رکھ کر نظام حکومت چلاتی ہے۔ (اس لئے نہیں کہ یہ حق و انصاف کا تقاضا ہے بلکہ اس لئے کہ پروتاریہ ہی طبقہ حاکم ہے)۔ چنانچہ پروتاریہ طبقہ ہر شخص سے بقدر طاقت دولت چھین کر ہر شخص کو بقدر ضرورت دے دیتا ہے۔ آخر کار خود حکومت بھی ختم ہو جاتی ہے اور

بھنگ اور افیون کے نشتر میں جنت گم گشتہ سامنے نظر آتی ہے۔

”تاریخ کے مادی فلسفہ نے“ اس موضوع پر جو ”دیومالا“ لکھی ہے۔ وہ بھی قابلِ داد ہے۔

کارل مارکس نے پیشین گوئی کی تھی کہ سب سے پہلے ”اشتراکی ریاست“ انگلستان میں قائم ہوگی کیونکہ انگلستان صنعتی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ اسی جگہ تاریخ کا وہ لازمی ٹکراؤ ہوگا جس کے نتیجے میں حکومت سرمایہ داروں کے ہاتھ سے نکل کر مزدوروں کے ہاتھ میں آجائے گی حالانکہ اشتراکیت جن ممالک میں قائم ہوئی۔ وہ صنعتی لحاظ سے دنیا کے پس ماندہ ملک تھے۔ یعنی روس اور چین — اور انگلستان مارکس کی پیشین گوئی کے اسٹیج پر بس بعد اس بیسویں صدی میں بھی سرمایہ دار ہی ہے۔

اس میں ان خرافات کا بھی اضافہ کر لیجئے کہ مستقبل بعید میں حکومت ختم ہو جائے گی اور تمام انسان فرشتے بن جائیں گے کہ نہ ان کے دل میں کوئی کھوٹ ہوگا اور نہ کوئی لالچ۔

— مگر اشتراکیت اپنے چالیس سالہ عملی تجربات کے بعد لندن اور اسٹالن کے اصولوں سے بہت کچھ ہٹ چلی ہے۔ اور اب کچھ پابندیوں کے ساتھ انفرادی ملکیت کی بھی اجازت ہی جا چکی ہے۔ اجرتوں اور تنخواہوں میں بھی بہت بڑا فرق ہو چکا ہے اور جب اجتماعی کاشت کے نقصانات سامنے آئے تو اب اشتراکیت یہ بھی چاہتی ہے کہ زمین کی انفرادی ملکیت بھی بحال کر دی جائے

ان کہانیوں سے صرف نظر کر کے ہم صرف سیاست کے موضوع پر گفتگو کریں گے۔ اور اس موقع پر ہم خروشیچیف کی اس تقریر کا حوالہ دیں گے جو اس نے اشتراکی پارٹی کے ۱۲ ویں اجلاس میں کی تھی۔ خروشیچیف نے کہا تھا :-

”اسٹالن کے دور میں پارٹی لیڈر شپ، حکومت اور اقتصادیات میں بہت کچھ خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ بس احکامات جاری ہوتے تھے، نقائص پر پردہ ڈالا جاتا، ڈر ڈر کے کام کرتے تھے اور نئی ہر چیز سے خطرہ محسوس کرتے تھے۔“

اس قسم کے حالات میں بہت سے چاپوس اور خوشامدی پیدا ہو گئے۔

شاید لوگ ابھی بھولے نہ ہوں کہ اسٹالن کے مرنے کے بعد روس کے اخبارات نے اسے قاتل

مجرم اور اشتراکیت کے غدار کے القاب سے نوازا تھا!۔

بیشک پرولتاری امریت، اپنی سختی، قساوت اور وحشت میں اتنی آگے بڑھ گئی ہے

کہ انسان کو اس کے تصور سے بھی کپکپی آتی ہے۔ دستوریہ ہے۔

— کہ جب جی چاہا۔ غیر معینہ مدت کے لئے تیز کر دیا اور ایسی ایسی سزائیں دیں کہ ان کے

تصور سے ہی سے روٹنگٹے کھڑے ہو جائیں۔ ایسی عدالتیں قائم کی جاتی ہیں جن کا ہر فیصلہ سزائے

موت اور عمر قید ہوتا ہے۔ یہ تمام امور اشتراکی دنیا میں بالکل عام ہیں جن سے ہر شخص کو واسطہ

پیش آ سکتا ہے۔ جس کے ذہن میں اشتراکی لیڈر کے خلاف خیال بھی گذرے۔

پورا نظام حکومت ایک بدترین جاسوسی پر قائم ہے۔ جس میں لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور

انسانی شرافت کو خاک میں ملا کر حکومت کا وقار بنایا جاتا ہے۔

اور اس سارے ظلم و ستم پر انتخابات، عوامی نمائندگی اور سویت یونینوں کے دبیز

پیردے پڑے ہوئے ہیں!!

اشتراکی آزاد صحافت، اشتراکی لیڈروں کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتی ہے

اور جب وہی لیڈر مر جاتا ہے تو اس پر لعنت کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں!!

یہ ہے ”پرولتاری امریت“ میں سیاسی صورت حال اور یہ صورت حال ہر اشتراکی ملک میں

پائی جاتی ہے اور اس کے سوا، اشتراکیت میں اور کچھ ممکن نہیں ہے۔

خوش عقیدہ، اور سادہ مزاج لوگ، جو معاملات پر سطحی نظر رکھتے ہیں اور جو فکری جاہلیت

میں زندگی گزارنے آرہے ہیں۔ وہ حقیقت کی تلاش اور اس کے علاج سے قاصر ہیں۔

اور سب، خوش عقیدہ سمجھتے ہیں اور ان کی تمنا بھی یہی ہوتی ہے کہ سرمایہ داری امریت

اور پرولتاری امریت کی خرابیوں اور بڑائیوں کا علاج بس اتنا ہی ہے کہ کچھ آزادی اور جمہوریت

پیدا ہو جائے۔ بس یہی انتہائی مقصود ہے۔

اللہ کی ہدایت اور اللہ کے راستے سے ہٹ کر جاہلیت کی زندگی گزارنے والے جاہلیت

کے سارے نظام کی خرابیاں نہیں دیکھ سکتے ان کو یہ علم نہیں ہے کہ جاہلیت طاغوت کی پیروی کرتی ہے اور جاہلیت اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلتی اور نہ ہی اللہ کے قانون پر عمل کرتی ہے۔ طاغوتوں کا وجود کوئی سہل العلاج مسئلہ نہیں ہے کہ کچھ آزادی اور کچھ جمہوریت سے اس کا علاج کر لیا جائے، بلکہ طاغوت اپنے دامن میں ایک پورا نظام رکھتے ہیں۔ جس کی بنیادیں نہایت گہری ہوتی ہیں۔

سرمایہ داری بھی لازمی طور پر آمریت ہی ہے اور اشتراکیت بھی لازمی طور پر آمریت ہی ہے اور اللہ کے حکم کے سوا ہر نظام حکومت طاغوت ہے۔ کسی بھی طاغوتی نظام میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اگر اس میں آزادی اور جمہوریت کا امتزاج کر دیا جائے۔ تو طاغوتی نظاموں کی خرابیاں تو دور ہو جائیں اور آزادی اور جمہوریت کے فوائد حاصل ہو جائیں۔ کیونکہ خرابی ان نظاموں کے وسائل نفاذ میں نہیں ہے۔ بلکہ خرابی ان کی جڑ و بنیاد میں ہے۔ چنانچہ اس بنیادی خرابی اور اساسی بگاڑ کا علاج آزادی اور جمہوریت کے امتزاج سے نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ان نظام ہائے جاہلیت کے ساتھ آزادی اور جمہوریت کا امتزاج بذات خود ناممکن العمل ہے۔ بلکہ علاج صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ نظام ہائے جاہلیت کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اور ان کی جگہ نیا نظام قائم ہو۔ جس کی بنیاد اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم اور اللہ کا نازل کردہ قانون ہے۔

### رجحیت کا خاتمہ

سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں آمریتیں آزادی کو کچلنے اور لوگوں کا گلا گھونٹنے کی یہ تاویل کرتی ہیں کہ ہم اس وقت مقدس جنگ میں ہیں۔

سرمایہ داری تو اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتی کہ وہ آمری نظام ہے۔ بلکہ سرمایہ داری تو سونی صد جمہوری نظام ہے اور عوامی ارادے اور خواہشات پر قائم ہوتی ہے۔ لیکن جب سرمایہ داری سے اس کی خرابیوں کے بارے میں سوال کیا جائے۔ مثلاً مزدوروں اور ان کی انجمنوں کو خوفزدہ کرنا، ان لوگوں کو اپنے راستے سے ہٹانا جو حقیقی آزادی کے خواہاں ہیں۔ ایسے لوگوں کو یا تو کلیدی مراکز سے ہٹا دیا جائے یا ان کی زندگی کا ہی خاتمہ کر دیا جائے۔ سرمایہ داری ان سب باتوں کا یہ جواب دیتی ہے کہ وہ اشتراکی بنیادوں کو کچلنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔

”پرولتاری امریت“ بھی اسی وہم میں مبتلا ہے کہ اس کا نظام جمہوری ہے، مگر چہ اس کا مذہبی اور ملی نام امریت ہے لیکن جب اشتراکیت سے عوام کو خوفزدہ کرنے اور مخالفین کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ بھی نہایت جمہوری سے یہ جواب دیتی ہے کہ وہ ”رجحیت“ اور سرمایہ داری کے خلاف جہاد کر رہی ہے۔

میدان جنگ کے دونوں ہی لشکر مقدس جنگ لڑ رہے ہیں اور ہر گروہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے دشمن اس کے نظام کو توڑنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس نظام کی خاطر ایسے لوگوں کی نہایت سختی سے اور شدت سے پکڑ کر پیچھے چاہیے۔ تاکہ عوامی فائدے اور عوام کے وجود کا تحفظ ہو سکے۔

ظاہر ہے کہ یہ دلیل کسی قسم کی تنقید برداشت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ کسی قائم شدہ نظام کے خلاف بیرونی یا داخلی دشمن پیدا ہو گئے۔ جو اس نظام کو توڑنے اور تباہ کرنے کے لیے دیگر مخالفین کے کیمپ میں جمع ہو گئے۔ تاکہ متحدہ کوششوں سے اس نظام کو ختم کر سکیں۔

## اسلام اور جاہلیت کی جنگ

لیکن اس سلسلہ میں بھی جاہلیت اور اسلام کے موقف میں فرق ہے۔

اسلام کو پہلے ہی دن سے دشمنوں کی نہایت سخت اور تند و تیز مخالفت سے واسطہ پڑا تھا۔ پھر اسلام اور جاہلیت کی جنگ زندگی کے کسی ایک گوشے میں ہی نہ تھی۔ بلکہ زندگی کے ہر حصہ میں ایک شدید کشمکش برپا تھی، چنانچہ عقیدے میں بھی جنگ تھی، جس طرح سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی میدان میں جنگ تھی۔ اخلاق میں بھی جنگ تھی، جس طرح افکار میں جنگ تھی۔ غرض اسلام کی صفیں اٹھنے کے لئے جاہلیت کی تمام طاقتیں متحد ہو گئی تھیں۔

مسلمانوں کو سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ مچھوکار کھا گیا اور سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی

مقاطعہ کیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ساری جنگ عقیدے کے اختلاف کی بنا پر تھی؛

پھر جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو اسلام اور جاہلیت کی جنگ اور بھی شدید ہو گئی۔

— اب منافقین کو مالی اور جنگی امداد دی جانے لگی۔ نقتے اور ہنگامے برپا کئے گئے۔ اقتصادی جنگ لڑی گئی۔

اور جب اسلام پورے جزیرہ نما تے عرب میں پھیل گیا۔ اور جاہلیت اس نئی دعوت کا سر نہ کھیل سکی تو اب جنگ میں اور بھی سختی اور تشددی آگئی۔

ادھر رومی سلطنت اسلام کے خلاف صف آرہا ہونے کے لئے تیاریاں کر رہی تھی۔ اور ادھر ایرانی سلطنت گھات میں بیٹھی ہوئی تھی۔ غرض اسلام اور جاہلیت کی جنگ شدید تر ہوتی گئی اور اسلام اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لیے جاہلیتوں سے مسلسل برسوں کا یہاں ہو گیا جس وقت دو عظیم جاہلی سلطنتیں اسلام کو جزو بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے کی فکر میں لگی ہوئی تھیں، اس وقت مسلمانوں کا طرز حکومت یہ تھا کہ:

”حضرت عمرؓ ممبر پر کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے لگے: ”سنو اور اطاعت کرو“ تو حاضرین میں سلمان فارسی کھڑے ہوئے (واضح رہے کہ سلمان عرب نہیں تھے۔ ایرانی تھے)۔ اور کہنے لگے:

”نہ ہم آپ کی کوئی بات سنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے۔ جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟“

اس پر حضرت عمرؓ نے غصہ ہوتے اور نہ انہوں نے یہ کہا کہ جب میں ایسے دشمنوں سے مقدس جنگ لڑ رہا ہوں۔ جو ہمارے نظام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مجھ سے اس قسم کے سوالات کرے اور میری رائے کے خلاف کرے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے نہایت اطمینان دیکھ کر سے حضرت سلمانؓ کی بات کا جواب دیا اور تمام صورت حال ان کو بتائی تو حضرت سلمانؓ کہنے لگے:

”کہتے کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اب ہم سنیں گے بھی اور اطاعت بھی کریں گے“

نہ مسلمانوں میں کچھ لمبی چادریں تقسیم کی گئی تھیں حضرت عمرؓ کے حصے میں بھی ایک چادر آئی۔ حضرت عمرؓ چونکہ طویل قامت تھے۔ اس لئے ایک چادر سے آپ کا پورا بدن پوشیدہ نہ ہوتا تھا۔ اس لئے آپ نے دو چادریں اوڑھی ہوئی تھیں جس پر حضرت سلمانؓ نے سوال کیا کہ لوگوں کو تو ایک ایک چادر ملی ہے۔ آپ کے پاس دو چادریں کہاں سے آئیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے (بقیہ ۱۲۹ پر)



اور یہ بھی حضرت عمرؓ ہی تھے کہ جب ایک نماز کے دوران آپ خطبہ دینے لگے تو ایک عورت نے آپ کو ٹوکا کہ اے عمرؓ کیا کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ فوراً متنبہ ہو گئے اور کہنے لگے ” عمر غلطی پر ہے اور یہ عورت ٹھیک کہتی ہے “

حضرت عمرؓ مستقبل میں آنے والی نسلوں کا خیال کرتے ہوئے مسلمان فاتحین پر فتنے تقسیم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت بلالؓ جو عرب نہیں تھے۔ بلکہ ایک حبشی غلام تھے۔ نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کی نہایت سختی سے مخالفت کی اور دیگر مخالفت کرنے والوں کو بھی اپنے ساتھ جمع کر لیا اور اتنی شدید مخالفت کی کہ حضرت عمرؓ کے لئے کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے،

” اے اللہ تو مجھے بلالؓ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کافی ہو جا“

یہ تھی اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم اور یہ تھا اس کا وہ عملی نمونہ جو جاہلیت کے طاغوت کے بدنما چہرے سے پردہ ہٹاتا ہے۔

نہ جاہلی کس کس کوئی مقدس جنگ ہے اور نہ یہ کس کس آمریت کے وجود کے لئے کوئی دلیل ہے یہ تو سراسر غیر مقدس اور نہایت غیر پاکیزہ جنگ ہے۔ اس جنگ کا مقصد تو یہ ہے کہ طاغوتوں کا سرچشمہ طاغوت بنا رہے!!

## انسان پر انسان کی حکمرانی

سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں ہی آمریتیں ہیں اور ہر وہ نظام جس میں انسان انسان پر حاکم ہو، آمریت کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک لوگ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر نہیں چلیں گے، طاغوت ان پر۔ اسی طرح مختلف شکلوں میں۔ حکمرانی کرتا رہے گا۔

سرمایہ داری جب تک حکمران ہے۔ اور جب تک وہ جاہلیت میں رہتے ہوئے اللہ کے

دبقیہ حاشیہ ص ۱۲۸

عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ وہ جواب دیں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ چونکہ میرے باپ طویل القامت ہیں۔ اس لئے میں نے اپنے جھٹہ کی بھی چادر انہی کو دے دی ہے۔ چنانچہ ایک چادر وہ میری اوٹھے ہوئے ہیں اور ایک وہ اپنے جھٹہ کی پہنے ہوئے ہیں۔

نظام کو ٹھکراتی رہے گی۔ وہ کبھی بھی اپنی حکمرانی سے دست بردار نہیں ہو سکتی اور نہ ہی دوسرے طبقے کو اس بات کی اجازت دے سکتی ہے کہ وہ اس سے اس کی حکمرانی چھین لے۔ اور نہ ہی وہ اپنے مقابل آنے والے کسی طبقہ کو اس بات کی اجازت دے سکتی ہے کہ وہ آزادی اور جمہوریت کے ساتھ اپنے آپ کو طاقت ور بناتا رہے۔ بلکہ سرمایہ داری ایسے قوانین بنا تی رہے گی۔ جس سے اس کی آمریت مضبوط ہو اور اس کے مفادات کا تحفظ ہو اور یہ سب کچھ اس لئے کہ سرمایہ داری نظام کے قیام کے لئے یہ لازمی اور ضروری ہے۔ !!

سرمایہ داری نظام میں یہ سب کچھ ہونا اس لئے لازم نہیں ہے کہ سرمایہ داری نظام کا خاصہ ہی یہی ہے۔ جیسا کہ "تاریخ کا مادی فلسفہ" کہتا ہے۔ بلکہ یہ اس لئے لازم ہے کہ اللہ کی سنت ہی یہی ہے۔ کہ اگر لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتے تو لازمی ہے کہ طاغوت ان پر حکمرانی کرے۔ سرمایہ داری نظام میں لوگوں نے ابتداء ہی سے اللہ کی اس صراطِ مستقیم پر عمل نہیں کیا۔ جس نے سود اور اجارہ داری کو حرام کیا ہے۔ حالانکہ سود اور اجارہ داری سرمایہ داری کی بنیادیں ہیں۔ اللہ کی صراطِ مستقیم نے اس بات کو بھی حرام قرار دے دیا کہ سرمایہ سمٹ کر چند ہاتھوں میں آجائے۔ لیکن جب اللہ کے اس قانون پر لوگوں نے عمل نہیں کیا تو لازمی طور پر طاغوت ان پر حکمران بن بیٹھا اور وہ طاغوت کے غلام ہو گئے۔ !

سرمایہ داری کے طاغوت سے لوگ دوہی صورتوں میں نجات پاسکتے ہیں یا تو لوگ اللہ کی صراطِ مستقیم کو اپنائیں اور اس طرح طاغوت ہی ختم ہو جائے۔ یا کوئی دوسرا طاغوت آئے اور سرمایہ داری پر ایک کاری ضرب لگا کر لوگوں کو اپنا غلام بنائے۔ اور جاہلیتِ جدیدہ میں بھی دوسری شکل رونما ہوئی۔ کیونکہ یہ بہر حال جاہلیتِ حقہ۔ اور جاہلیت سے جاہلیت ہی جنم لیتی ہے۔ چنانچہ نیا طاغوت آیا اور وہ لوگوں کی گردنوں کا مالک بن بیٹھا جب تک جاہلیت باقی ہے۔ نیا طاغوت بھی حکمران ہے اور جب تک لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام پر عمل نہیں کرتے اس وقت تک نیا طاغوت بھی اپنی پادشاہت سے دستبردار نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مقابل آنے والے طبقہ کو اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ اس سے اس کی حکمرانی چھین لے۔ نہ کسی کو آزادی اور جمہوریت دے کر یہ موقع فراہم کر سکتا ہے کہ وہ اس کے مفادات کو نقصان پہنچائے۔ یا طاغوت کے ہاتھوں سے قانون سازی کے اختیارات چھین لے

یہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

آمریت سرمایہ داری کی ہو، یا پرولتاریہ آمریت ہو یا کوئی اور نام ہو۔ یہ آسانی سے طے کرنے والی مصیبت نہیں ہے۔ جاہلی نظام میں لوگوں کو آزادی اور جمہوریت ہرگز ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ خواہ حکمرانی سرمایہ داری کے طاغوت کی ہو، یا پرولتاریہ آمریت کے طاغوت کی۔

## انفرادی ملکیت

”تاریخ کے مادی فلسفہ“ کی نظر میں بڑا مسئلہ ”انفرادی ملکیت“ اور اس کے سیاسی نتائج کی ہے۔ سرمایہ داری کی آمریت انفرادی ملکیت کو غیر محدود اور ہر شکل میں جائز قرار دیتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ تمام طاقت سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ نہ صرف جمع ہو جاتی ہے بلکہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ سود جس پر سرمایہ دارانہ آمریت کی بنیاد قائم ہے۔ دولت کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ اجارہ داری کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ جیسا کہ اس وقت پوری سرمایہ داری دنیا میں یہی ہے۔ سود اور اجارہ داری سے تمام طاقتیں سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ چند افراد کی جماعت اچھی طرح جانتی ہے کہ وہ عوام کا خون چوس رہی ہے اور اسے یہ بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اگر عوام کو پوری پوری آزادی مل جائے تو وہ اسی مختصر سی جماعت کا خاتمہ کر کے اپنے مال، محنت اور خون پسینہ کا بدلہ لے لیں اس لئے سرمایہ داروں کا ٹولہ قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے مفادات کے تحفظ کی فکر کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حکومت کی مشینری پر قبضہ کر کے یا سیاسی پارٹیاں تشکیل کر کے قانون کے تنفیذی اختیارات بھی خود ہی حاصل کر لیتا ہے اور عوام کو کچھ فائدوں کی قدر معاشرتی انصاف اور چند دلچسپیوں میں الجھا کر اپنی حرکتوں سے غافل کر دیتا ہے۔

سرمایہ داری عوام کو ناپرح گانے اور اباحت پسندی کی خوشیاں اور مستزین دلاتی ہے کہ جاؤ جو تمہارا جی چاہے کرو۔ تم آزاد ہو۔ تمہیں کوئی روکنے والا نہیں۔ جس قدر جی چاہو پہنو اور جس قدر جی چاہو برہنگی اختیار کرو۔ اپنے جنسی تعلقات جس طرح استوار کرو۔ کیونکہ تم آزاد ہو۔!! اور ان ہی ذرائع سے سرمایہ داری کا طاغوت لوگوں پر حکمرانی کرتا ہے۔

## اجتماعی ملکیت

اس کے برعکس اشتراکیت قطعاً انفرادی ملکیت کو ممنوع قرار دیتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام افراد سے قوت و طاقت سمٹ کر حکمران ٹولے کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب صورت حال یہ ہو کہ کوئی بھی شخص کسی چیز کا مالک ہی نہ ہو اور کوئی فرد ایک نغمہ بغیر حکومت کی مرضی منشا کے حاصل نہ کر سکے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ ہر فرد ایک نغمہ روٹی کے لئے حکومت کے سامنے ذلیل ہو جائے گا اور اس میں حکمران ٹولہ سے مخالفت کی ہمت باقی نہیں رہے گی کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے تو وہ بھوکا مر جائے۔

پھر اس سے بھی کوئی بحث نہیں کہ پرولتاریہ آمرینک و صالح ہے جیسا کہ اشتراکی اخبارات ہر اس حاکم کونیک و صالح بتاتے ہیں۔ جو اس وقت حکومت کر رہا ہوتا ہے۔۔۔ یا پرولتاریہ آمر وحشی قاتل مجرم اور خائن ہو جیسا کہ اشتراکی صحافت ہر اس آمر کو کہتی ہے۔ جو مرچکا ہو یا جس کے ہاتھ سے حکومت نکل گئی ہو۔ کیونکہ آمریت کسی ایک شخص میں پوشیدہ نہیں ہوتی۔ بلکہ آمریت تو اس نظام کی بنیاد اور اساس ہے۔ تمام ملکیتیں حکومت کے قبضہ میں دے کر اور لوگوں پر روزی کے تمام ذرائع بند کر کے ان کو ایک ایک نغمہ کا محتاج بنا دینا آمریت نہیں تو اور کیا ہے؟

پرولتاریہ آمریت کہتی ہے کہ اس نے ان غریبوں کو آزادی دلائی جو دروٹی کے لئے جاگیر داری یا سرمایہ داری کے غلام بنے ہوئے تھے۔ لیکن جس غلامی اور ذلت سے ان غریبوں کو چھڑایا تھا۔ دوبارہ ان کو اسی غلامی اور اسی ذلت میں جکڑ لیا۔ اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہوگا کہ مالک بدل گیا۔ غلام اپنی جگہ رہے۔ طاقت بدل گیا۔ لیکن لوگ بدستور جاہلیت کا شکار رہے۔

سرمایہ داری نظام کی طرح اشتراکی آمریت بھی عوام کو کچھ مفادات، برائے نام سماجی انصاف اور معمولی سی خوشیاں دے کر بہلاتی اور باحیث پسندی اور قص و سرود کی کھلی چھٹی دے کر انہیں اپنے آمرانہ نظام سے غافل بنا دیتی ہے جیسے کتے کے سامنے بڑی ڈال کر اسے زنجیروں میں جکڑ لیا جائے اور اس طرح کے بہلاوے دے کر تاریخ کی بدترین آمریت وجود میں آجاتی ہے۔ اور خود حکمران ٹولہ ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سرکاری داری نظام میں ملک کی ساری دولت سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے پاس جمع ہو جاتی ہے اور ان کی زندگیوں کے تعیش کو دیکھ کر محرومین کی آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں اور اشتراکی نظام میں حکمران ٹوڈ اور اشتراکی پارٹی دنیا کی ساری نعمتیں خود سمیٹ لیتے ہیں اور مجبور و بے کس عوام میں غربت اور افلاس مساوات کے ساتھ تقسیم کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان آمریتوں کے ذرائع ابلغ اس پراپیگنڈے میں مصروف ہو جاتے ہیں کہ عوام کو حد درجہ سہولتیں اور آسائشیں مہیا کر دی گئی ہیں حکمران ٹوڈ کے تمام جرائم پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور اس حقیقت کو چھپایا جاتا ہے کہ ان آمریتوں نے انسانوں سے حقوق انسانیت چھین کر انہیں جانور بنا دیا ہے۔

اور تاریخ کی جاہلی تعبیر میں یہ سب کارنامے انقلاب و ترقی قرار دے دیئے جاتے ہیں۔

## معاشرہ کا بگاڑ

فرد اور معاشرے کے باہمی روابط جدید علم اجتماعیات کا اہم موضوع ہیں، اگرچہ نئے جدید جاہلیت میں سیاست اور معیشت میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ اس لیے فرد اور معاشرے کے باہمی روابط میں بھی اتنی ہی تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں اور چونکہ معیشت، سیاست اور اجتماعیت باہم گراہی کے دو کسے سے پیوست ہوتے ہیں اس لیے اصولی اجتماع بھی بالکل پر اگندہ ہو چکے ہیں۔

سیاست و معیشت کے اقتصادیات کے ساتھ ارتباط کی صورت درحقیقت وہ نہیں ہے۔ جو جدید جاہلیت بتاتی ہے کہ معیشت ہی معاشرے کی صورت متعین کرتی اور سیاست کا رخ متعین کرتی ہے بلکہ فی الحقیقت اس ارتباط کی بنیاد یہ ہے کہ یہ تمام پہلو انسانی وجود کے مظاہر ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ فرد اور معاشرے کے باہمی روابط کے بارے میں جدید جاہلیت جس بگاڑ میں مبتلا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جاہلیت کا انسانی نفس کے بارے میں تصور ہی غلط ہے۔ اس لیے کہ جدید جاہلیت اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے بھٹک کر اعتدال اور توازن کو بٹھیس ہے اور اسی عدم توازن کی بنا پر جدید جاہلیت میں فرد اور معاشرے کو جدا جدا رکھ کر غور کیا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ معاشرہ جو فرد کی اہمیت کو سامنے رکھ کر وجود میں آیا ہے۔ اس معاشرہ کا خاصہ یہ ہے کہ وہ فرد کی اہمیت میں مبالغہ سے کام لیتا ہے اور فرد کی ذات کو حد درجہ مقدس بنا دیتا ہے فرد جو جی چاہے کرے۔ جس قدر چاہے اور جس طرح چاہے ملکیت پیدا کرے جو جی چاہے اپنے عقائد اور افکار رکھے اور جس قسم کے اخلاق اور روایات جی چاہے اپنالے۔ معاشرہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ معاشرہ فرد کو یہ نہیں کہہ سکتا

کہ یہ صحیح ہے۔ یا غلط! کیونکہ معاشرہ کو کیا حق ہے کہ وہ فرد کے معاملے میں مداخلت کرے۔ فرد تو ایک دیوتا ہے اور ہر دیوتا جو من بجائے وہ کرتا ہے اور شخصی آزادی لین

تمام دیوتاؤں کا حق ہے !!

اس کے برعکس جو نظام معاشرے کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے تشکیل پاتا ہے۔ وہ معاشرے کو مبالغہ کی حد تک مقدس بنا دیتا ہے اور فرد میں کوئی خوبی باقی نہیں رہتی نہ فرد کسی شے کا مالک ہے۔ نہ وہ اپنے انکار، عقائد، اخلاق اور روایات خود وضع کر سکتا ہے۔ فرد معاشرے پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں بات صحیح ہے اور فلاں غلط ہے۔ فرد کون ہوتا ہے معاشرے کے بارے میں گفتگو کرنے والا۔ اور اس نظام میں معاشرہ ہی 'اللہ' ہے، جو اس کا جی چاہے کرے۔ فرد تو معاشرے کے اقتدار کے سامنے ایک عاجز غلام ہے!

## فرد کا تقدس

باطل پستوں کے خیال میں یہ دونوں ہی نظام علمی اور سائنٹیفک بنیادوں پر قائم ہیں۔ لیکن — اس خیال کے غلط ہونے کی وجہ سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں نظام ایک دوسرے کے مقابل اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان دونوں میں اتحاد و یگانگت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ تو دونوں ایک ساتھ کس طرح درست ہو سکتے ہیں۔ یا تو ان میں ایک غلط ہے۔ یا دونوں ہی غلط ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی غلط ہیں۔

”فرد کی تقدیس“ کی کہانی یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد کی ترقی سے شروع ہوتی ہے۔ کیوں کہ — قرون وسطیٰ کی جاہلیت میں یورپ کے لوگ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے — ایک طرف تو عوام کے کاندھوں پر کلیسا اور مذہبی لوگوں کے اقتدار کا بوجھ تھا۔ کیونکہ اس وقت انسان اللہ سے بلا واسطہ تعلق قائم نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ ضروری تھا کہ کاہن اور قیس کا واسطہ درمیان میں ہو۔ بغیر کاہن اور قیس کے واسطہ کسی کی مغفرت نہ ہو سکتی تھی۔ اگر کوئی شخص خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرنا چاہے۔ تو اس کی بھی صورت یہی تھی کہ کاہن کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرے۔ غرض ایسی کوئی صورت نہ تھی کہ انسان اپنی انفرادی حیثیت میں بغیر کسی واسطہ کے اللہ سے رابطہ قائم کر سکے۔

دوسری طرف امر اور لارڈز کا اقتدار عوام کو کچلے دے رہا تھا۔ معاشرے میں سارا وزن اور اہمیت امر اور لارڈز کا تھا۔ وہ عوام جن کے کوئی حقوق نہ تھے

ہاں ان پر ان گنت ذمہ داریاں تھیں۔

اس معاشرے میں فرد کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ نہ وہ کسی چیز کا مالک تھا بلکہ ہر شے کا تنہا مالک جاگیر دار تھا۔ فرد کسی بھی معاملہ میں بذاتِ خود دخل نہیں تھا اور نہ ہی فرد کا حکومت سے کوئی تعلق تھا۔ اس کا تو مالک جاگیر دار تھا۔ اگر وہ چاہتا تو اس کا وجود تسلیم کر لیا جاتا اور نہ اس کا وجود اور عدم وجود برابر تھا۔ بس جس طرح کاہن اور قیس فرد کے اور خدا کے درمیان حائل تھے۔ اسی طرح جاگیر دار فرد اور حکومت کے درمیان نقطہ اتصال تھا۔

یہ گئے۔ سیاسی حقوق تو اس کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بلکہ عوام کے لیے تو زندگی اور زندگی میں انصاف کی بھی کوئی ضمانت نہ تھی۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ جاگیر داری نظام بذاتِ خود اپنی اس جاہلی شکل میں جس میں وہ یوں ہی تھا، جاگیر دار کے علاوہ کسی اور فرد کی شخصیت پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا۔ بلکہ اس کی ساری توجہ کا مرکز وہ معاشرہ تھا۔ جس میں فرد کا کوئی مستقل وجود نہیں تھا اور جس کا نظام بہت کم قابلِ تغیر تھا۔ دیہاتی زندگی ایک جگہ ٹھہری ہوئی اور جامد سی زندگی تھی۔ ایک فرد آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ نہ آنے والے کی کوئی اہمیت اور نہ جانے والے کا کوئی افسوس ایسے ماحول میں فرد اپنے وجود کا کس طرح احساس کر سکتا ہے۔ بس وہ تو ریت و روایت کے بندھن میں جکڑا چلا آتا تھا۔ ان ریت و روایات پر بھی اس کا ایمان نہیں تھا کہ اس طرح اس کی شخصیت متماز ہوتی۔ بلکہ جموڑا روایات کے ساتھ گھسٹ رہا تھا۔ جیسے کو لہو کا بیل اپنے ہی گمراہ گار بٹا ہو۔

## کلیسا کے اقتدار سے چھٹکارا

صیسی جنگوں اور مغرب اور اندلس کی درس گاہوں میں جب یورپ کا مسلمانوں سے واسطہ پڑا۔ تو یورپ کے مردہ جسم میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی اور عوام کو موقع مل گیا کہ وہ اپنے کاںڈوں سے بوجھ اتار پھینکیں چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے کلیسا کا بوجھ اتار پھینکا۔

کلیسا اور کلیسا کے جبری نظام سے چھٹکارا پا کر لوگ "نیچر پستی" کی طرف لپکے۔ تاکہ خدا کا رشتہ بغیر واسطے کے قائم ہو جائے۔



یہاں ہم کچھ تاریخی واقعات کا تذکرہ کریں گے۔ اس لئے نہیں کہ ان تاریخی واقعات کی کوئی صفائی پیش کریں۔ کیونکہ کلیسا کے والد کو چھوڑ کر طبیعت کو خدا بنا لینا ایسی بڑی حماقت ہے کہ نہ اس کی کوئی علمی صفائی پیش کی جاسکتی ہے اور نہ منطقی! بس ایک بے دلیل منحرفانہ راہ فرار تھی اور کچھ نہ تھا۔ حالانکہ لوگوں کو چاہیے تھا کہ کلیسا کے اقتدار سے نکل کر نئے خدا تراشنے کی بجائے اللہ کی صحیح عبادت کی طرف لوٹ آتے۔

جب عوام کلیسا کے اقتدار سے چھٹکارا پا چکے تو انہوں نے جاگیرداری اور امراء کا بوجھ بھی اپنے کاندھوں سے اتار ڈالا اور فرانسیسی انقلاب کی ملکیت زمین اور جاگیرداری کے خاتمہ کا پیش خیر بن گیا۔

کلیسا اور جاگیرداری سے نجات پا کر فرد کو اپنی شخصیت کا احساس تو ہوا۔ لیکن اس خدا ماننا کی جاہلیت میں فرد سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے وجود کا احساس اللہ کی ہدایت کے مطابق کرے۔ اس نے یہ کوشش نہیں کی کہ کاہن اور قیس کے واسطے بغیر براہ راست اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ بلکہ کلیسا اور کلیسا کے خدا دونوں ہی سے متنفر ہو گیا۔ نہ ہی اس نے یہ کوشش کی کہ معاشرے کی ساری روایتوں کو چھان بھٹک کر قیمتی اور بہتر روایات کو اپنالیتا اور اس طرح اس کی ایک ممتاز شخصیت وجود میں آتی بلکہ اس نے تمام روایات اور تمام مجموعہ اخلاق کو نکمٹا اور بیکار سمجھ کر پھینک دیا۔

صنعتی انقلاب نے پرانی بنیادوں کو ڈھکا کر نئی سوسائٹی کی تشکیل دی اور انسان کی فردیت کو اہم ترین مقام دے دیا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں مزدور یہاں سے ایک ایک کر کے آتے تھے۔ ان میں آپس میں کوئی تعلق نہ رہتا تھا۔ پھر شہر میں آکر اسی طرح علیحدہ علیحدہ رہتے۔ صرف کارخانوں میں ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ اس لئے ان میں وہ تعلقات تو ہو نہیں سکتے۔ جو دیہات میں کسانوں میں ہوتے ہیں۔ دیہات میں تو لوگ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ رشتہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ پاس پڑوس کا بھی خیال ہوتا ہے اور ہمیشہ کا میل جول ہوتا ہے اور ریت روایتوں کے ایک ہونے کی بناء پر جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے افکار و مشاعرے واقف ہوتے ہیں۔

غرض دیہاتوں سے شہروں میں آنے والے مزدور تنہا ہوتے تھے۔ وہ جب تک شہر کے ماحول سے مانوس نہ ہو جاتے اپنے اہل و عیال کو بھی نہ لاتے بلکہ زیادہ تر تو غیر شادی شدہ آزاد

نوجوان ہوا کرتے تھے۔ اور اس طرح شہر میں آنے والوں پر اجتماعی بندھن سے زیادہ انفرادیت کا احساس چھایا ہوا ہوتا تھا۔

پھر عورت بھی میدان عمل میں آئی اور اسے بھی اپنی فردیت کا احساس ہوا۔ جب کہ پہلے عورت کا کوئی مستقل وجود ہی نہ تھا۔ بلکہ عورت تو مرد کے تابع تھی۔ جس طرح مرد زندگی گزارتا تھا، اسی طرح عورت بھی گزارتی تھی، اقتصادی، اجتماعی، نفسی، فکری، غرض زندگی کا کوئی بھی معاملہ ہو۔ اس میں عورت کی اپنی کوئی فکر نہ تھی۔ عورت کی فکر وہ ہی ہوتی تھی۔ جو اس کے باپ کی، بھائی کی اور شوہر کی ہوتی۔ اس کو معاشرے کی کوئی فکر نہ تھی اگر کچھ سوچتی تو وہ بھی شوہر کے انداز فکر کے مطابق جو اس کے پاس تمام اشیاء تیار شدہ لاتا اور ان کی تیاری میں عورت کا کوئی حصہ نہ ہوتا۔ پھر عورت نہ کسی چیز کی مالک ہوتی تھی اور نہ کسی چیز میں بذات خود کوئی تصرف کر سکتی تھی۔ مرد ہی ہر شے کا مالک ہوتا۔ وہ ہی جو چاہتا سو کرتا۔ عورت کی زندگی تو روایات کے زیر سایہ گذرتی تھی اور روایات کی گرفت بھی مرد سے زیادہ عورت ہی پر ہوتی اور مرد بالکل آزاد ہوتا۔ عورت بے سوچے سمجھے معاشرتی روایات پر چلتی رہتی اور اپنے مفصلہ کا لکھا سمجھ کر جیسے تیسے زندگی گزارتی رہتی تھی۔

لیکن جب عورت نے کام شروع کیا تو ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ اس لیے کہ اب عورت کے ہاتھ میں پیسہ تھا۔ جس کو وہ جس طرح چاہتی صرف کھنی انقلاب معاشرہ میں کارخانے میں، بازار میں راستے میں ہر جگہ وہ اپنے معاملات کی خود مختار تھی۔ اور — اب اس نے مرد سے اپنے معاملات کی از نو ابتدا کی۔ کیونکہ اب اگر وہ مرد کی ہمسر نہیں تھی۔ تو اس کی تابع محض بھی نہ رہی تھی۔ بلکہ اب تو اس کی کوشش یہ تھی کہ مرد سے ٹکر لے اور اقتدار میں اپنا حصہ لگائے۔ حاصل کرے اس طرح عورت کی جگہ فردیت ابھر آئی جس کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا۔ پھر عورت کے ساتھ ساتھ بچے بھی میدان عمل میں آ گئے۔ اور عمل کی رزمگاہ اور اپنی کمائی ہونی پونجی سے بچوں میں فردیت نمایاں ہوتی چلی گئی۔ غرض اب عوام افراد تھے اور ان کی فردیت ممتاز تھی۔

## عورت کی آزادی

فردیت اپنے دامن میں ایک خطرناک بگاڑ کو لیے ہوئے آئی۔

اگرچہ فردیت بذات خود کوئی بگاڑ نہیں ہے۔ کیونکہ فردیت تو انسانی تشخص کا لازمہ ہے۔ لیکن فردیت میں بگاڑ اس لیے پیدا ہو گیا کہ وہ اللہ کے راستے سے بھٹکی ہوئی جاہلیت میں پیدا ہوئی اور اس لئے کہ جاگیر داری میں صدیوں تک فرد کے عدم وجود کے سخت اور غیر متوازن رد عمل کے طور پر وجود میں آئی تھی۔

عوام نے فردیت غیر مستقیم راستے سے حاصل کی۔ صحیح راستہ یہ تھا کہ ایک متوازن فردیت بھی ہوتی اور اس کے ساتھ ساتھ حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس بھی ہوتا۔

شہر کے یہ نئے باشی رفتہ رفتہ، دین اخلاق اور روایات کے بندھن سے آزاد ہوتے گئے۔ کیونکہ وہ گاؤں کی سخت اور پابند زندگی سے نکل کر شہر کی آزاد اور سہل زندگی میں داخل ہو چکے تھے اور مذہب کے بندھن بھی آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ ڈارون کی حیوانی تعبیر اور فرائڈ کے جنسی مسلک نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ پھر دیہات سے جو جوان آتے تھے انہیں کوئی خاندانی بندش بھی گناہ سے بچانے والی نہ تھی۔ چنانچہ شہر کی بیکاریوں میں وہ اپنی جوانی کے مسائل کا استعمال تلاش کرتے تھے۔

عورت جو رفتہ رفتہ اپنی فردیت سے روشناس ہو رہی تھی وہ اب اس حالت سے نکل رہی تھی جس میں اس کے ذاتی تشخص کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ جب اسے اپنی ذات کا احساس ہوا تو وہ ہر بندش ختم کرنے پر آمادہ ہو گئی اور ساتھ ہی مذہب، اخلاق اور روایات سے بھی برسوخاں ہو گئی۔ کیونکہ انہی ہتھیاروں کو مرد نے جنگ آزادی میں اس کے خلاف استعمال کیا تھا۔ تاکہ عورت اس کے امد مقابل نہ آسکے۔ حالانکہ خود مرد ہر قسم کی مذہبی، اخلاقی اور روایاتی بندشوں سے آزاد تھا۔

پھر جب مرد نے عورت کی کفالت سے ہاتھ اٹھا لیا اور عورت کو میدان عمل میں آنا پڑا۔ تو اس نے محسوس کیا کہ اس کا اخلاق اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ کیونکہ حیوانی سرشت والا جاہل انسان، جس کے ساتھ اسے مزدوری کرنا تھی۔ وہ اسے اس وقت تک مزدوری نہیں کرنے دینگا۔ جب تک وہ اس کی حیوانی جذبات کے سکون کا سامان نہ کرے۔ پھر عورت مساوات بھی چاہتی تھی۔ اس کا مطالبہ مساوات جہاں اجرت کے معاملے میں تھا۔ وہاں وہ بے راہ روی، ابا جیت پسندی اور اخلاقی بندشوں سے آزادی میں بھی مساوات کی طالب تھی۔

ان تمام اسباب کے پس پردہ مکار یہودی بھی غیر یہودی کا اخلاق تباہ کرنے میں لگا ہوا تھا  
مارکس، فرائیڈ اور ڈرکایم نصیحت کر رہے تھے کہ

”اخلاق ایک بے معنی قید ہے۔ انسانی وجود سراپا جنس ہے اور جنسی اخلاق ہی

صحیح راہِ عمل ہے۔۔۔“ نہ

سارا معاشرہ تباہ کن جلت پسندی کا شکار ہو گیا۔ معاشرتی بندھن ٹوٹ گئے، خاندانی روابط  
منقطع ہو گئے بلکہ خود جنس پرستی میں بھی کوئی رابطہ اور تعلق باقی نہ رہا۔ اگر اخلاق سے صرف نظر بھی  
کر لیا جائے تو بھی عورت مرد کے طویل مدت کے میلانات و عواطف اور مشترکہ شعور جنس کے لیے  
رابطہ کا کام دیتا ہے۔ اب یہ رشتہ بھی باقی نہ رہا۔ اب تو انسان صرف ایک شہوت پرست  
جسم تھا۔ جب اس کی شہوانی خواہشات پوری ہو جاتیں جنسی رابطہ ٹوٹ جاتا اور جب شہوانی خواہشات  
دوبارہ بیدار ہوتیں۔ جنسی رابطہ پھر سے استوار ہو جاتا۔ اخلاق سے قطع نظر کہ بھی میلانات اور  
احساسات کو پرانی سڑی گلی رومانوی اصطلاحیں خیال کر لیا گیا۔ جن کا واقعاتی دنیا سے کوئی تعلق نہیں تھا  
واقعہ جو کچھ تھا۔ سو وہ یہ تھا کہ انسان حیوان تھا اور اس کے ساتھ شہوت پرست جسم تھا۔ بالکل ٹھانڈا  
فرائیڈ اور اس کے متبعین کی تعلیمات کے مطابق !

عورت مرد دونوں ہی کا انسانی تشخص ختم ہو گیا۔ اب وہ مرد و زن نہیں رہے جنہیں اللہ تعالیٰ  
نے پیدا کیا تھا اس لیے کہ مرد و سارے اجتماعی، خاندانی اور جنسی رابطے ٹوٹنے کے بعد انسان کے بجائے  
مشین کا ایک پرزہ بن کر رہ گیا۔ اب اس میں فکر اور احساس کا شائبہ تک نہ تھا۔ اب اس مشینی انسان  
کے سامنے نہ تو زندگی کا کوئی مقصد باقی رہ گیا تھا اور نہ ہی اسے اپنی انسانیت کا کوئی احساس باقی  
رہا تھا۔ جب یہ انسان اپنے زندہ تشخص کو کھلنے والی اور شمع روح کو بجھانے والی مادی پیداوار  
سے فارغ ہوتا تو وہ اپنے حیوانی جذبات کی تکمیل میں لگ جاتا۔ اب اس کی زندگی کے دو مقاصد تھے  
مشینی پیداوار اور حیوانی آزادی !

نیلسری جنس کا ظہور

رہ گئی عورت تو بگاڑ اس کی اندرونی فطرت تک سرایت کر گیا۔ چنانچہ مقرر کے روزنامہ

”الامہرام“ میں ڈاکٹر بنت شاطی اپنے مضمون ”تیسری جنس ظاہر ہونے والی ہے“ میں لکھتی ہیں: ”میں ایک ہفتہ تک لاہور میں پرانی عربی کتابوں کا مطالعہ کرتی رہی۔ اس محنت طلب مطالعہ کے بعد میں نے انوار کے روز اپنی ایک دوست سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ میری یہ دوست ”فینا“ کے نواحی علاقے میں خاتون ڈاکٹر ہے۔ میرا خیال تھا کہ انوار ملاقات کے لیے مناسب دن ہے لیکن میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب میری دوست نے میرے لیے دروازہ کھولا تو اس کے ہاتھ میں اکوٹھا اور وہ اسے چھیل رہی تھی۔ وہ مجھے باورچی خانہ میں لے گئی اور ہم وہاں بیٹھ گئے۔ اور میری دوست نے میرے تعجب کو بھانپتے ہوئے کہا۔

”غالبا تمہیں اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ ایک خاتون ڈاکٹر انوار کے دن باورچی خانہ میں گھسی ہوئی ہے“

میں نے ہنستے ہوئے کہا

”خیر انوار کے دن مصروف ہونا تو سمجھ میں آسکتا ہے۔ لیکن تعجب اس بات کا ہے کہ تم اپنے محنت طلب پیشہ کے باوجود بھی باورچی خانہ میں گھسی ہوئی ہو۔“

اس نے کہا: ”اگر تم اس بات کو الٹ لیتیں تو شاید کچھ صحیح بات ہوتی۔ کیونکہ ہمارے یہاں قابل تعجب انوار کو کام کرنا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ مجھے انوار ہی کو فرصت ملتی ہے۔ رہ گیا باورچی خانہ کا کام تو یہ تو حقیقت میں اس بے چینی کا علاج ہے۔ جس کا میں اور مجھ جیسی دوسری قومی خدمات کرنے والی خواتین شکار ہیں۔“

میں نے سوال کیا: ”آخر اس بے چینی کی وجہ۔۔ حالانکہ اجتماعی زندگی بالکل مغربی عورت کے مزاج کے مطابق ہے۔“

کہنے لگیں۔ ”اس بے چینی کا جدید مشرقی عورت کی نئی ذمہ داریوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو آنے والے انقلاب کی صدائے بازگشت ہے۔ ماہرین اجتماعیات، فریالوجی اور بیالوجی کہتے ہیں کہ عورت کے تشخص میں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ کیونکہ اعداد و شمار بتا رہے ہیں کہ گھر سے باہر کی

زندگی میں جتنے لینے والی عورتوں کے یہاں پیدائش کم ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے پہل تو یہ خیال کیا گیا کہ کہ بیرونی زندگی گزارنے والی عورتیں حمل، ولادت اور دودھ پلانے کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہتیں کیونکہ اس طرح ان کی عملی زندگی متاثر ہوتی ہے لیکن جب زیادہ غور و فکر سے اعداد و شمار کا جائزہ لیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ پیدائش کی کمی میں عورتوں کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ پیدائش کی کمی بانچھ پن کی وجہ سے ہے اور یہ بانچھ پن عورت کے ظاہری اعضا کی خرابی کی بنا پر رونما نہیں ہوا۔ بلکہ درحقیقت گھر سے باہر کام میں مصروف رہنے والی عورت کا تشخص ماں بننے کی صلاحیت ترک کر رہا ہے اور مادی، ذہنی اور اعصابی لحاظ سے وہ اپنے مادی تشخص سے کٹ گئی ہے اور مرد کے ساتھ مشابہت کی کوشش، اور اس کے ساتھ میدان عمل میں شرکت نے بھی عورت کے ماں بننے کی صلاحیتوں کو متاثر کیا ہے۔

### عورت کا مادی عمل

علم حیاتیات مندرجہ بالا بات کی صحت کے لئے مشہور طبیعی قانون کا حوالہ دیتے ہیں کہ عمل اعضا کی تخلیق کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت کا مادی عمل جو کونٹ کی خاصیت کے طور پر عوار میں پیدا کیا گیا تھا۔ وہ عورت کے مادی عمل سے کٹ جانے اور مردوں کی دنیا میں گھس جانے کی بنا پر لازمی طور پر رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔

علمائے مزید غور و فکر کیا تو تجربات انہیں اس سے بھی آگے لے گئے۔ اب علماء بڑے اطمینان سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ ایک تیسری جنس ظہور پذیر ہونے والی ہے۔ جس میں صنف نازک کے وہ چند خصائص باقی رہ جائیں گے جو طویل ممارست کی بنا پر عورت کے تشخص میں راسخ ہو چکے ہیں۔ اس رائے پر کافی کچھ اعتراضات کیے گئے، پہلا اعتراض یہ ہے کہ بہت سی گھر سے باہر زندگی گزارنے والی عورتیں، بانچھ پن کو ناپسند کرتی ہیں اور اولاد کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ماں بننے والی عورت کو کام میں سہولت دی جاتی ہے اور قانونی طور پر عورت کو اجازت دہوتی ہے کہ وہ اپنے فطری فرائض سے عہدہ برآ ہو جائے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عورت کو اپنی مخصوص دنیا سے نکلے ہوئے، چند نیس نہیں گزریں، جبکہ عورت میں ماں بننے کی

صلاحتیں ہزاروں سالوں سے موجود ہیں۔

پہلے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اولاد کی خواہش مند عورت کو بچہ پیدا ہونے کی مشقوں کا بھی دھڑکا لگا رہتا ہے اور ساتھ ہی یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ بچے کی پیدائش و پرورش اس کے کام میں رکاوٹ بنے گی۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عورت کو بچے کی پیدائش و پرورش کی اجازت قانون کے شکنجے میں کسی ہوتی ہوتی ہے۔ اور اکثر اصحاب عمل ایسی خواتین کا انتخاب کرتے ہیں جن کے پیدائش کا جھگڑا تصدق ہو۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ باوجودیکہ عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا زمانہ کم ہے۔ لیکن عورت نے چونکہ مرد کی ساتھ مساوات اور مشابہت اختیار کرنے میں حد درجہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور یہ فکر عورت کے اعصاب پر سوار اور اس کے ضمیر میں راسخ ہو گئی۔ اس لیے حیاتیاتی تبدیلیاں بھی جلد ظہور پذیر ہو گئیں۔

اب اس موضوع کا بطور خاص مطالعہ کرنے والے صنف نازک میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا گہرا جائزہ لے رہے ہیں اور اس بارے میں اعداد و شمار کا مطالعہ کیا جا رہا ہے کہ کام کرنے والی عورتوں میں بانجھ پن، سینہ میں دودھ خشک ہونے اور ماں بننے کی صلاحیتوں کے فقدان کے کیا سبب ہیں؟

رہ گئے بچے جنہوں نے حلت پسندی کے اس طوفان میں اپنی "فردیت" کا احساس کیا، تو ان کا احساس بھی انحراف سے خالی نہ رہا۔

— مرد اور عورت تو کارخانے اور تجارت میں لگ گئے۔ پھر اس پر اگندہ خاندانوں میں بچوں کے لئے عطف و وجدان کا کون سا ربط باقی رہ گیا تھا۔ جوان کے دلوں میں پیار و محبت کا بیج بوسکتا۔ یہ خاندانی ربط اور پیار و محبت کا رشتہ ہی تو ہے۔ جو بچوں کی اس طرح نشوونما کرتا ہے کہ ان کی فکر میں توازن اور ان کے شعور میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ ان میں جنسی آداب بھرتے ہیں۔ ان میں اس تعلق کا احترام ہوتا ہے جو افزائش نسل کا ذریعہ ہے۔ جس سے صرف شہوت دانی کا نام نہیں رہتا۔ بلکہ انسانیت کے مقام کے مطابق تعلقات استوار ہوتے ہیں۔

خاندان سے ماں کا رشتہ ٹوٹا تو گویا وجدان کا رشتہ منقطع ہو گیا اور جب رشتہ منقطع ہو

جائے تو بس گھر ایک ہوٹل ہے۔ جس میں مرد اور عورت ٹھہرے رہتے ہیں اور ظاہری طور پر اپنے ماں باپ ہونے کے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں۔ جیسے کوئی ملازم اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہو۔

اب بچے خواہ ایک پراگندہ خاندان میں نوکروں کے ہاتھوں میں پرورش پائیں، یا پرورش گاہوں میں اپنے جیسے ماں باپ سے بچھڑے ہوئے بچوں کے ساتھ نشوونما حاصل کریں۔ بہر کیف وہ لگاؤ کا شکار ہو ہی گئے۔

انکیس کارل کہتا ہے،

”ذریعہ جدید کے معاشرے نے عورتوں کی تربیت اسکولوں کے سپرد کر کے ایک بڑی غلطی کی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پرورش گاہوں میں چھوڑ دیتی ہیں اور خود یا تو اپنے کاموں پر نکل جاتی ہیں۔ یا اجتماعی دلچسپیوں میں لگ جاتی ہیں، ادبی اور فنی ذوق کی تسکین میں مشغول ہو جاتی ہیں، برعکس کھیلتی ہیں اور سینما جاتی ہیں۔ غرض اس طرح تقریبات میں رہتی ہیں۔ یہ خاندان کی وحدت پاؤں پارہ کرنے، اور مل بیٹھنے کے ان مواقع کو کھو دینے (جن میں بچے بڑوں سے بہت کچھ سیکھتا ہے) کے بارے میں جواب دہ ہیں۔“

کتے کا بچہ اگر اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ ایک گھر میں بند کر دیا جائے تو اس کی نشوونما اتنی تیز نہیں ہو سکتی۔ جتنی اس پلے کی ہوتی ہے۔ جو اپنے ماں باپ کے ساتھ اگزاو پھرتا ہے۔ یہی فرق ہے ان بچوں میں جو اپنے ہم عمروں میں گھرے رہتے ہیں اور ان بچوں میں جو بڑوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ کیونکہ بچہ فریالوجی، عقلی اور جذباتی لحاظ سے وہی کچھ سیکھتا ہے جو اس کے گرد و پیش میں ہوتا ہے اور اپنے ہم عمر بچوں سے بہت کم سیکھتا ہے۔ خصوصاً جب کہ مدرسہ میں تنہائی ہو تو بچہ نامکمل رہ جائے گا اور ایک فرد کے مکمل قوت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے کچھ تنہائی بھی ملے اور خاندان میں مل بیٹھنے کا بھی اتفاق ہوتا رہے۔“

امریکی فلسفی ول ڈیورانت کہتا ہے،



دیکھو کہ عورت مرد کی شادی موجودہ دور میں صحیح معنی میں شادی نہیں ہے، اور بچائے باپ ماں کا رشتہ ہونے کے ایک جنسی تعلق ہے۔ اس طرح زندگی کو سارا اپنے والی تمام بنیادیں ڈھے جاتی ہیں اور ازدواجی رشتہ کمزور ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور میاں بیوی اس طرح تنہا رہ جاتے ہیں۔ جیسے ان میں پس میں کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔

### بورژوا طبقہ

اس تمام عرصہ میں نیا پیدا ہونے والا "بورژوا طبقہ" فرد کو مزید آزادی دلانے کی فکر میں رہا۔ پہلے تمام تر اقتدار جاگیر داروں کے پاس تھا۔ وہ جس طرح چاہتے تھے عوام کا خون چوستے تھے کلیسائی نظام بھی جاگیر داروں کا حامی تھا۔ کیونکہ خود کلیسا کے مفادات اسی سے وابستہ تھے اور کلیسا چاہتا تھا کہ عوام اس کے روحانی اقتدار کے سامنے جھکے رہیں، تاکہ پادری اور مذہبی لوگ اپنی حاکمیت منوا سکیں اور آرام و راحت کی زندگی گزار سکیں۔

جب شہری آبادیاں بڑھیں اور ملازموں، صنعت کاروں اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کا طبقہ وجود میں آیا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے حقوق کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی۔ پارلیمان پر جاگیر داروں کی اجارہ داری ہے اور آزادی رائے اور آزادی اجتماع کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ چنانچہ جاگیر داروں سے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے نیا طبقہ ایک شدید طبقاتی جنگ میں مصروف ہو گیا۔

اور اس طبقاتی جنگ میں جمہوریت کو فتح حاصل ہوتی رہی اور فرد کو آزادی ملتی رہی۔ مارکسی فلسفہ کہتا ہے کہ یہ طبقاتی جنگ تھی۔ نیا ابھرنے والا بورژوا طبقہ پرانے جاگیر دار طبقہ سے جنگ آزما تھا! اگر اس خیال کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی اس بات سے انکار مشکل ہے کہ بورژوا طبقہ (یعنی شہروں کے باسی) محسوس کر رہا تھا کہ یہ دونوں طبقوں کی فرودیت کی جنگ ہے، ہر فرد اپنی ذاتی تشخص کو ممتاز کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ تاکہ یہ محسوس کرادے کہ وہ اپنا مستقل وجود رکھتا ہے اور کسی دوسرے کا تابع نہیں ہے۔

جاگیرداری نظام سے جتنی آزادی ملتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ فرد کی حریت کو ایک نیا میدان مل گیا اب وہ کچھ مزید امور اپنی شخصی رائے کے مطابق انجام دے سکتا ہے۔

یہ آزادی صرف سیاسی آزادی نہ تھی، بلکہ مذہب اخلاق اور روایات کے بھی سارے بندھن ایک ایک کر کے ٹوٹ چکے تھے اور اس چھوٹ اور اباحت پسندی کو شخصی آزادی کے نام سے قانونی اور عدالتی تائید بھی حاصل ہو گئی تھی۔

جاگیرداری نظام سے سیاسی اور اقتدار کی جنگ میں بورژوا طبقہ نے فرد کی آزادی پر زور دیا اور اس بات کی گذشتش کی کہ فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی اور زیادہ سے زیادہ اقتدار حاصل ہو اور فرد کی آزادی کی جدوجہد میں انسان اپنے وجود کو دالہ بنا بیٹھا اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے وجود کی پرستش شروع کر دی۔ اور فرد کی آزادی کے پردے میں سرمایہ داری میدان پر میدان فتح کرتی جا رہی تھی۔

سرمایہ داری کی بنیاد یہی تھی کہ ہر فرد آزاد ہو اور جس قدر چاہے وسائل کا مالک بن جائے۔ جتنا اس سے ہو سکے وہ لوٹ کھسوٹ لے اور جتنا اس کی طاقت ہو وہ مزدوروں کو اپنا غلام بنائے۔

سرمایہ داروں نے فرد کی آزادی کا خوب پرچار کیا اور فرد کے انسانی حقوق، اور اس کی ہر گز آزادی کے بارے میں بڑے خوبصورت فلسفے تراشے، یہ بھی کہا گیا کہ فرد کی تقدیس تسلیم کی جائے تاکہ وہ اپنی زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکے۔ نیز یہ کہ معاشرے کو کوئی حق نہیں ہے، کہ وہ فرد کی آزادی میں رکاوٹیں کھڑی کرے یا

فرد کی آزادی کے سلسلے میں سرمایہ داروں کا نعرہ یہ تھا کہ "فرد بغیر کسی مداخلت کے جو چاہے کرے اور بغیر کسی رکاوٹ کے جس طرف سے چاہے گذر جائے" (LAISSEZ FAIRE LAISSEZ PASSER) گویا ہر قید سے چھٹکارا حاصل ہو گیا۔

لیکن فرد کی آزادی، فرد کی تقدیس اور فرد کے حقوق کے بارے میں یہ خوبصورت جملے اور یہ خوش نما الفاظ اللہ کے لیے نہیں تھے۔ بلکہ شیطان کے لیے تھے، اٹھائے غارت کے لئے تھے جو

سرمایہ داری کے بھیس میں جلوہ گرہور ہاتھا۔ کیونکہ اگر فرد کو اتنی ہمہ گیر آزادی اور اتنی کھلی چھٹی نہ ہو تو سرمایہ داری کو بھی اپنی من مانی کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔

سرمایہ داری نے اپنے سرکش اقتدار کے لیے بس یہ کیا کہ آزادی کا صورت چھونک دیا۔ جس آزادی کے نتیجے میں معاشرے میں مذہب، اخلاق اور روایات کے بندھن ڈھیلے ہو گئے۔ عورت، مرد بچے اور خاندان پر اگندگی کے شکار ہو گئے۔ سرمایہ داری کا مقصد یہ تھا کہ عوام کو آزادی عمل اور آزادی رائے کا ٹوگر بنا کر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جائے۔ بلکہ معاشرے کی پراگندگی سرمایہ داری کے لیے زیادہ نفع بخش ہے۔ کیونکہ اس طرح پیسہ خواہشات نفس میں خرچ کرنے کے زیادہ مواقع فراہم ہو جاتے ہیں اور سرمایہ داری دو چند منافع کماتی ہے۔

سرمایہ داری نے فرد کی آزادی، اور اس کے راستے کی ہر رکاوٹ دور کرنے کے لیے باقاعدہ فلسفہ گھڑ کر کھڑا کر دیا۔ جس کی اشاعت کے لیے اسکول، استاد، مؤلفین، صحافی اور فن کاروں نے مل جل کر حصہ لیا۔

اور اس فلسفہ کی روشنی میں معاشرے کی تصویر نہایت بھیا نک بنائی گئی اور بتایا گیا کہ معاشرہ فرد کے تشخص کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے فرد کو بھی چاہیے کہ وہ معاشرے کو توڑ پھوڑ کر اپنا بدلہ پورا پورا چکالے۔!

مگر کبھی ان فلاسفہ، مفکرین، ادیب، صحافی، مؤلفین لکھنے والوں اور فن کاروں نے یہ نہیں سوچا کہ اگر فرد کی آزادی کے لیے جس معاشرے کی توڑ پھوڑ کی جا رہی ہے۔ وہ ہے کیا؟ کیا معاشرہ انسانوں کا مجموعہ نہیں ہے؟ کیا انسان فرد اور معاشرہ دونوں کو شامل نہیں ہے؟ کیا معاشرہ فرد کی اس خواہش کی تکمیل نہیں ہے کہ فرد اپنے ہم جنس افراد کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہتا ہے؟ اور اگر معاشرہ ختم ہو جاتے تو فرد کہاں رہے گا۔ زندگی کا کون سا نقشہ ہوگا جس کے مطابق فرد زندگی گزارے گا؟

یہ سارے فلسفی، مفکر، ادیب، صحافی، لکھنے والے اور فن کار، اللہ کی صراط مستقیم اور اللہ کے نور سے بہت دور جاہلیت کے اندھیاروں میں پھٹکتے رہے۔ ان کی عقل میں یہ بات نہ آئی کہ سرمایہ داری کا ہلاکت خیز طاغوت جو آج انہیں ان منحرفانہ آراء کے پرچار کی دعوت دے رہا ہے۔ کل جب سارے معاشرتی بندھن ٹوٹ جائیں گے تو اس کے سامنے صرف ایک ہی

مقصود ہوگا اور وہ یہ کہ ان بچھرے ہوئے افراد کو جن کو کوئی رشتہ آپس میں نہیں جوڑتا، جن میں محبت و قرابت کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا۔ ان سارے انسانوں کے گلہ کو طاغوت کا غلام بنا دیا جاتے۔

اور یہ سارا گلہ سرمایہ داری کے طاغوت، اور سرمایہ داروں کے مفادات کا غلام بن کر ذلیل و خوار اور گم کردہ راہ ہو جاتے اور پھر سرمایہ داری کا طاغوت اس کی رستی پکڑ کر خواہشات اور شہوات کے بازار میں لیتے لیتے پھرے!

## اجتماعیت

ایک طرف تو فردیت پر یہ انتہا پسندانہ اصرار تھا تو دوسری طرف اس کے رد عمل کو طور پر "اجتماعیت" نے سراٹھایا۔

چنانچہ "اجتماعیت پسندوں" نے کہا، نہ فرد کا کوئی وجود ہے اور نہ فرد کے کوئی معنی ہیں فرد کی زندگی کا سرچشمہ معاشرہ ہے اور فرد کے لیے ممکن نہیں کہ وہ معاشرے کی جتنی روش میں کوئی تبدیلی لاسکے۔

ڈرکایم نے انسانی زندگی کی اجتماعی تعبیر پیش کی جبکہ مارکس نے "تاریخ کا مادی فلسفہ" سامنے رکھا۔ جس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ "معاشریات معاشرے کی شکل متعین کرتی ہے اور معاشرہ فرد کی تخلیق کرتا ہے۔"

ڈرکایم کہتا ہے :-

"اجتماعی شعور سے ابھرنے والے نفسیاتی حالات، قطعی طور پر ان حالات سے مختلف ہوتے ہیں جو فرد کے شعور سے پیدا ہوتے ہیں

نیز جماعتی عقل، بھی انفرادی عقل سے مختلف ہوتی ہے۔ اور اس کے اپنے مخصوص قوانین ہیں۔"

"عمل اور اجتماعی فکر کی گونا گوں راہیں افراد کے ضمیر سے باہر پائی جانے والی حقیقتیں ہیں

اور افراد مجبور ہیں کہ زندگی کے ہر لمحہ میں ان حقائق کے سامنے سرنگوں رہیں۔"

”عمل مشترک جس سے اجتماعی ظواہر پیدا ہوتے ہیں اور جو فرد کے شعور سے باہر تمام پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بہت سے افراد کے منماز کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یعنی یہی عمل مشترک، عمل اور فکر کی راہیں متعین کرتا ہے اور یہ راہیں ہمارے وجود سے باہر پائی جاتی ہیں۔ اور فرد کے ارادے سے متاثر نہیں ہوتیں۔“

”اجتماعی ظواہر کی جوہری خصوصیت، چونکہ افراد کے ضمیر پر باہر سے اثر انداز ہوتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ظواہر افراد کے ضمیر کی پیداوار نہیں ہیں۔“

”دیکھ لیجئے۔۔۔ اجتماعی، خارجی ظاہر افراد کے داخلی شعور پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے مارکس اور انگلز اپنے مادی فلسفہ میں انسانیت کی تعبیر میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

”مادی زندگی میں طریقہ پیداوار ہی، زندگی کی اجتماعی سیاسی اور معنوی صورتوں کی تشکیل کرتا ہے۔“ (مارکس)

— مارکس —

”پیداوار اور تبادلہ پیداوار ہی کی بنیاد پر سارے اجتماعی نظام کی عمارت کھڑی ہے۔“ (انگلز)

گویا مارکس اور انگلز کی رائے میں نہ تو انسان کا کوئی ذاتی وجود ہے۔ نہ اس کے اپنے شعور، نار اور جذبات ہیں۔ انسان تو بس اقتصادی نظام کا ایک پر تو ہے اور وہ اقتصادی نظام خود انسان سے باہر پایا جاتا ہے۔!

”جس اجتماعی پیداوار کے لوگ عادی ہو جاتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ کچھ ایسے تعلقات قائم کر لیتے ہیں جو ان کے ارادے کے تابع نہیں ہوتے۔۔۔ حقیقت میں لوگوں کا شعور ان کے وجود کو متعین نہیں کرتا۔ بلکہ ان کا وجود ان کے شعور کی تشکیل کرتا ہے۔“ (مارکس)

”تمام تغیرات اور اساسی تبدیلیوں کے آخری اسباب کا پتہ، لوگوں کی عقلوں اور

کہ تعجب ہے کہ ڈکالیم یہاں اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ اجتماعی ظاہر بہت

۷ افراد کے ضمیر سے پیدا ہوتا ہے۔“ لیکن پھر فرما ہی فرد کے تشخص کا انکار کر دیتا ہے۔ بحوالہ سابق ص ۲۵

۸ بحوالہ سابق ص ۱۶۶ ۵۰ بحوالہ سابق ص ۶۹

ان کے حق و انصاف کے متبع ہونے سے نہیں چلتا۔ بلکہ ان اسباب کا پتہ ان تبدیلیوں سے چلتا ہے۔ جو پیداوار اور تبادلہ پیداوار میں ہوتی ہیں۔ (انگلز)۔

اہم بات یہ ہے کہ ”مادی فلسفہ“ فرد کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کرتا۔ بلکہ مستقل اجتماعی شکلوں کے بارے میں کلام کرتا ہے۔ جیسے ان اجتماعی شکلوں میں فرد کا وجود اسے محسوس ہی نہ ہوتا ہو۔

مارکس اور انگلز کی رائے میں فرد کا کوئی وجود نہیں ہے۔ فرد ”طبقہ“ کا ایک جزو ہے، اور جس طبقہ سے منسوب ہے اس کے مفادات کی تکمیل میں لگا رہتا ہے اور فرد کا کسی طبقہ سے منسوب ہونا ہی اس کے شعور، افکار، اخلاق، روایات اور زندگی کے بارے میں اس کا موقف متعین کرتا ہے۔ رہ گیا یہ خیال کہ فرد کا اپنا ذاتی تشخص بھی ہوتا ہے اور اس کے اپنے ذاتی افکار و خیالات بھی ہوتے ہیں۔ مادی فلسفہ کی نظر میں ایسا ہونا محال ہے اور تاریخی واقعات جن افراد کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو یہ لوگوں کی گھڑی ہوئی ہوئی کہانیاں ہیں۔ (آفریکیوں؟) سائنسی مطالعہ سے جو حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ ہے کہ فرد کا ذاتی وجود کبھی بھی نہیں رہا۔ بلکہ فرد نے ہمیشہ اپنے طبقہ کی نمائندگی کی ہے اور اگر آنے والے طبقہ کی طرف جھانک کر دیکھا جائے۔ جس کا آنا مادی اور اقتصادی انقلابات نے یقینی قرار دے دیا ہے۔ تو بھی فرد ایک انسان ہے جو آنے والے جبری رخ کی بشارت دے رہا ہے !

گویا انسانیت اقتصادی اور مادی جبری انقلابات کی تابع ہے۔ فرد معاشرہ کا تابع ہے اور معاشرہ ان انقلابات کا تابع ہے !

انسان نے انفرادیت سے ’اجتماعیت‘ کی طرف آگے ’الہ‘ بنا لیے۔ اور بعد ازاں اب اس کے ’الہ‘ ”مادی جبریتیں“ بن گئے۔ !

”اجتماعیت پسندی“ بھی ایک جاہلی بگاڑ ہے۔ جو اپنی انتہا پسندی میں سابقہ جہالت سے کسی طرح کم نہیں۔ جس جاہلیت میں جماعت کے مقابلہ فرد کی اہمیت ہے !

اجتماعیت پسندی ہو، یا انفرادیت پسندی دونوں اپنے سے پہلے بگاڑ کا عمل ہیں۔ دونوں پر انتہا پسندی چھانی ہوئی ہے۔

دونوں جاہلیتیں یہ سمجھنے سے عاجز ہیں کہ فرد جماعت کا ایک حصہ ہے۔ فرد اور جماعت

دونوں ہی حقیقت ہیں۔ اگر افراد کا مجموعہ نہ ہو، تو معاشرے کیے تشکیل پائے۔

انسانی زندگی کو اجتماعی پر محمول کرنے میں سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ اس میں زندگی کا ایک ہی پہلو مد نظر رہتا ہے کہ فرد اپنی خواہشات کے علی الرغم ان امور کو ماننے پر مجبور ہوتا ہے جو معاشرہ اس پر لاگو کر دیتا ہے۔

یہ اگرچہ ایک حقیقت ہے لیکن یہ حقیقت کس بات پر دلالت کرتی ہے۔

ڈرکایم نے اقرار کیا ہے (اگرچہ اقرار کر کے فوراً پھر گیا) کہ اجتماعی ظاہر بہت سے افراد کے ضمیر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ فرد کسی نہ کسی شکل میں معاشرے کی نمائندگی کر رہا ہے اور اس کی اس نمائندگی کا معاشرے میں وزن ہے۔

رہ گیا مسئلہ کہ معاشرہ کچھ امور فرد پر لاگو کرتا ہے (چلنے مان لیتے ہیں کہ تمام امور معاشرہ لاگو کرتا ہے) تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

یا تو بہت سے صالح اور نیکو کار افراد کے ضمیر مل کر کوئی بات ایک منحرف شخص پر لازم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”دیکھو! تم ان حدود سے باہر نہیں جا سکتے!“

یا کچھ غیر صالح افراد کے ضمیر مل کر صالح افراد کو اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”یاد رہے ہمارے ساتھ ساتھ چلو۔ ورنہ ہم تمہیں راستے سے ہٹا دیں گے۔“

دونوں صورتوں میں بہت سے افراد کے ضمیر ایک بات پر متحد ہو جاتے ہیں اور اس اتحاد کی بناء پر ان کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کسی صورت میں بھی طبیعت انسانی سے رشتہ منقطع نہیں ہوتا۔ فرد اور معاشرہ دونوں انسان ہیں یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ صرف فرد انسان ہے یا صرف معاشرہ انسان ہے۔

اجتماعی اور مادی فلسفہ سارے مسئلہ کو غلط بحث میں ڈال دیتا ہے اور فرد کے ذاتی تشخص کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ مادی فلسفہ تو زندگی کے ایک ہی پہلو کو مد نظر رکھتا ہے اور وہ یہ کہ ”فرد تمام حالات میں معاشرہ کا تابع رہتا ہے۔“

مادی فلسفہ والوں کو جاہلیت کے اندھیارے میں حقیقت بھائی نہیں دیتی کہ اکثر افراد معاشرے کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور معاشرہ سے نبرد آزما ہو جاتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ معاشرے باطنی افراد کو کچل سکتے ہیں تو یہ قول دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ فرد اپنے ذاتی تشخص کو اس حد تک اہمیت دیتا ہے کہ معاشرے سے بھی ٹھکر لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور معاشرے کے اقتدار کو چیلنج کر دیتا ہے۔

پھر بھی یہ صحیح نہیں کہ ہر مرتبہ معاشرہ افراد کو کچل دیتا ہے۔ یہ خیال نہ خیر کے پہلو میں صحیح ہے اور نہ شر کے پہلو میں پہلے ہم شر کی مثال دیتے ہیں کہ کس طرح فرد کی رائے معاشرے پر چھا گئی خود شیفت نے اسٹالن کے بارے میں کہا کہ اس نے اپنی انفرادی لیڈری پورے معاشرے پر عبادت کے درجہ میں مسلط کر دی تھی۔ اس تاریخی حقیقت کے بارے میں

تاریخ کے مادی فلسفہ کا کیا خیال ہے۔

اسٹالن معاشرے کی حقیقی مصالح کی نمائندگی نہیں کر رہا تھا نہ طبقہ حاکمہ اور پرولتاریہ طبقہ کی نمائندگی کر رہا تھا۔ بلکہ اسٹالن اپنے انفرادی سرکش اور بے رحم اقتدار کی نمائندگی کر رہا تھا۔ اب بتائیے اگر ہم فرد کی تاریخ کو نظر انداز کر دیں تو اس واقعہ کا کیا مطلب لیا جائے۔

خیر کی جانب انبیاء، پرہیز گار، داعی اور مصلحین ہیں جو سرکش معاشرے میں افراد کی شکل میں آتے ہیں۔ وہ سچائی، بھلائی اور حق و انصاف کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ کبھی تو انہیں یہ کامیابی ان کی زندگی ہی میں نصیب ہو جاتی ہے اور کبھی ان کے افکار کی اشاعت بعد میں ان کی کامیابی کی ضامن بنتی ہے۔ اگر فرد کی تاریخ کو نظر انداز کر دیا جائے تو ان مثالوں کی کیا توجیہ کی جائے گی۔ اس لیے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نہ انسانی تاریخ کو صرف افراد کے گرد گھمایا جاسکتا ہے اور نہ ہی صرف معاشرے کو نظر رکھ کر فرد کو بالکل نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ دونوں جاہل افکار ہیں اور تاریخی واقعات کے خلاف ہیں۔

## اصل حقیقت

انسان کی تعبیر انسان ہی کو سامنے رکھ کر کی جاسکتی ہے، وہ انسان جو بیک وقت فرد اور معاشرہ دونوں کو شامل ہے اور فرد و معاشرہ زندگی کے میدان میں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی فرد نمایاں ہو جاتا ہے اور کبھی معاشرہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ لیکن جس حقیقت سے جاہلی مکاتیب فکر نا آشنا ہیں۔ وہ یہ ہے کہ تاریخ کے تمام ادوار میں انسان



کے دونوں حصے (فرد اور معاشرہ) عرضہ حیات میں مل جل کر رواں دواں رہے ہیں۔ کبھی علیحدہ نہیں ہوتے۔ فرد معاشرے کے طور پر کام کرتا رہا اور معاشرہ فرد کے طور پر کام کرتا رہا، اور کبھی بھی ایک کا وجود دوسرے سے ہٹ کر نہیں پایا گیا (جیسا کہ انفرادیت پسند جاہلیت اور اجتماعیت پسند جاہلیت کا خیال ہے)۔

اور اب جاہلیت جدیدہ کے زیر سایہ انسانیت کے سامنے صورتِ حال یہ ہے کہ وہ سرکشی اور طغیان کے کسی ایک رنگ میں رنگی جانے پر مجبور ہے۔

یا تو انسانیت فرد کی سرکشی کو اپالے اور انفرادیت پسند سرمایہ داروں میں شامل ہو جائے۔ یا اجتماعیت کی سرکشی کو پسند کر لے اور اجتماعیت پسند ممالک کے ساتھ ہو جائے۔ بشرطیکہ انسانیت کو انتخاب کا اختیار ہو۔ کیونکہ جاہلیت کے زیر سایہ زندگی گزارنے والی انسانیت کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس پر طاغوت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جس کو حالات اقتدار سونپ دیتے ہیں۔

یہ تباہی نتیجہ ہے اللہ کی صراطِ مستقیم سے انحراف کا۔ اور اسی انحراف کے نتیجے میں انسان کی اپنی حقیقت ہی گم ہو گئی۔ معاشرے سے کٹ کر فرد اپنے ہی ایک حصے سے جدا ہو گیا ہے جس کے نتیجے میں فرد اپنی ہی قیات کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گیا اور ذنوبتِ جہنم خود کشی، بلڈ پریشر، اعصابی کھپاؤ، اور نامعقولیت تک پہنچ گئی۔

اور معاشرہ جو اپنے افراد کو کچل رہا ہے۔ وہ آخر کار اپنے آپ کو کچل رہا ہے۔ ایسے معاشرے میں زیادتی آبادی بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ کیونکہ سب لوگ طاغوتِ حاکم کی سواری ہیں۔ جو جب تک حاکم ہوتا ہے تو "یگانہ لیڈر" ہوتا ہے اور جب مرجاتا ہے یا اقتدار ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو مجرم اور وحشی بن جاتا ہے۔

# اخلاق کا بگاڑ

لوگ ایک بہت بڑے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ وہ یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت جدیدہ اخلاق کی حامل ہے۔

مشرقی لوگ اشارے کر کے کہتے ہیں کہ ”ذرا اس مہذب شخص کو دیکھو، یہ کتنا صاحبہ اخلاق ہے؛ نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ دھوکا دیتا ہے۔ سیدھی سیدھی بات کرتا ہے، اور ایمان داری سے معاملہ کرتا ہے۔ پھر اپنے کام میں مخلص ہے۔ سچے دل سے وطن کی خدمت میں مصروف ہے۔ گویا ایک مثالی نمونہ اخلاق ہے۔۔۔۔ جنسی مسائل کو رہنے دو، کیونکہ مغرب میں جنس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ کوئی ایسی اہم بات بھی نہیں۔ کاش ہم بھی ان جیسے ہو جائیں، لیکن ہمارے پاس اخلاق آجائے۔“

ہم یہاں جاہلیت جدیدہ کے اخلاق کا تاریخی مطالعہ ضروری خیال کرتے ہیں۔ تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ مغربی اخلاق ترقی پذیر ہے یا مسلسل انحطاط اور تنزل کا شکار ہے۔ اس سلسلہ میں ہم صرف واقعاتی حقائق سامنے لا کر بتائیں گے کہ مغرب کا معیار اخلاق کیا ہے؟

تاریخی مطالعہ سے پہلے ہم اس بات کا دوبارہ ذکر کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں، کہ ”تاریخ کی کوئی بھی جاہلیت بالکل اخلاق سے خالی نہیں ہوتی۔“ پوری کی پوری انسانیت زندگی کے ہر گوشے میں فساد سے ہمکنار نہیں ہوتی اور نہ ہی نفس انسانی مکمل طور پر شر پسند بن جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں فساد کا بگاڑ خواہ کتنا ہی کیوں نہ سرایت کر جائے۔ پھر بھی چند بھلائیوں اور کچھ خیر باقی رہتی ہے۔ ہاں یہ بھی ہے کہ یہ غیر مروطی خیر جاہلیت کو بگاڑ سے ہمکنار ہونے اور بگاڑ کے لازمی نتائج کا شکار ہونے سے نہیں بچا سکتی۔

جاہلیت عربیہ میں بھی بہت سی خوبیاں اور جہلائیاں تھیں۔

عربوں میں بہادری اور جرأت تھی، وہ مقصد کی خاطر جان تک کی بھی بازی لگانے سے دریغ نہ کرتے تھے، ان میں کرم تھا، خود داری تھی، اور ایسے کاموں سے دور بھاگتے تھے جن سے ان کی خود داری کو ٹھیس پہنچتی ہو۔

لیکن یہ ساری خوبیاں عربوں کو جاہلیت اور جاہلیت کے نتائج سے نہیں بچا سکیں چونکہ ان خوبیوں کا رشتہ اللہ کی ہدایت سے قائم نہیں تھا۔ اس لئے یہ خوبیاں بھی سیدھے راستے سے منحرف ہوتی چلی گئیں۔

بہادری، جرأت اور جان کی بازی لگانے کی صفات، خون کا بدلہ لینے، اور اپنے ساتھی کی ناقص مدد کرنے میں ضائع ہو گئیں۔ کیونکہ انہیں اس بات کی پروا نہیں تھی کہ ان کی مدد حق کے مطابق ہے۔ یا باطل کے۔ جب جنگ کا نفاذہ بجاتا۔ وہ خون کا بدلہ لینے نکل جاتے، نہ اس میں حق کو قائم کرنے کا عزم ہوتا اور نہ باطل کو مٹانے کا ارادہ!

چنانچہ باطل نہ بہتہ جتنا چلا گیا۔ سخاوت و فخر و مباہات ہو کے رہ گئی تھی۔ جانوروں کو اس لئے ذبح کیا جاتا اور مہانوں کے لیے کھانے اس لئے تیار ہوتے۔ تاکہ مسافر اور سوار ان کی مہمان نوازی کے قصے سنائیں۔ چاہے وہاں سے کسی مسافر کا گذر ہی نہ ہوتا ہو اور ان کی مہمان نوازی کا کوئی قصہ نہ سنایا جائے۔ پھر اگر کمزور اور محروم کی مدد صرف اللہ کے لئے کرنی پڑ جائے تو فوراً طبیعتوں میں بخل پیدا ہو جاتا تھا اور بخشش سے رُک جاتے تھے۔ خود داری تکبر کی شکل اختیار کر کے اتباع حق سے مانع بن چکی تھی۔

گویا عربوں کی خوبیوں اور اخلاق کی بنیاد حق و انصاف نہیں تھا۔ بلکہ ان کی "انا" تھی۔ اگرچہ یہ انانیت پسند عرب اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے۔ وہ سراپا گمراہی ہے۔

اسی طرح مغربی جاہلیت بھی انفرادی معاملات میں کئی خوبیوں کی حامل ہے۔ مثلاً سچائی، خلوص، مستقل مزاجی، امانت اور پاکیزگی۔ لیکن چونکہ یہ تمام خوبیاں اللہ کی صراط مستقیم سے دور ہیں، اس لئے ان خوبیوں میں بھی راہِ راست سے انحراف پیدا ہو گیا ہے۔ اور راہِ راست سے انحراف کی بنا پر تمام خوبیاں، مادی فوائد کا لالچ بن کر رہ گئی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان خوبیوں کو

ایسا ہے تو اس لئے کہ یہ خوبیاں انفرادی معاملات میں فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں اور زندگی کی گاڑی کو بغیر دھچکے لگے ایک ہموار سڑک پر رواں کر دیتی ہیں۔ اگر ان اخلاقیات کے یہ مادی فائدے ختم ہو جاتیں تو ”مغرب کا مہذب انسان“ ان اخلاق سے فوراً دست بردار ہو جائے اور اس کی نظر میں یہ اخلاقیات ایک ناقابل عمل مثالی حماقتیں بن جائیں۔

اب ذرا مغربی اخلاق کے سلسلہ میں تاریخی حقائق کا مطالعہ بھی کرتے چلیے۔۔۔

## مغربی اخلاق کا سرچشمہ

مغربی اخلاق کا سرچشمہ مذہب تھا۔ انسانیت کچھ عرصہ حق پر رہنے کے بعد اپنے عقیدے سے منحرف ہو جاتی ہے اور عقیدے سے منحرف ہو جاتی ہے اور عقیدے سے انحراف کے ساتھ ساتھ اخلاق بھی منحرف ہوتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اخلاق میں انحراف حد سے زیادہ سست اور آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ اخلاق میں انحراف اتنا زیادہ سست رفتار ہوتا ہے کہ بعض اوقات اس انحراف کے رونما ہونے میں کئی کئی نسلیں بیت جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے جس کی بنا پر جاہلیت جدیدہ کے متوالے دھوکہ کھا گئے ہیں۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ عقیدے میں ظاہری اور کھلم کھلا انحراف ہے لیکن اس کے باوجود اخلاق میں انحراف دبکاڑ نہیں پایا جاتا۔ اس صورت حال سے متاثر ہو کر لوگ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ عقیدے اور اخلاق میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اور اگر لوگ عقیدے سے منحرف بھی ہو جائیں تو بھی اخلاق باقی رہ سکتا ہے۔

یہ حقیقت میں ایک بہت بڑا دھوکا ہے اور اس دھوکے کا سبب عقیدہ اور اخلاق کی رفتار

تمیز کا اختلاف ہے۔

کیونکہ اخلاق بہت زیادہ سست روی کے ساتھ تمیز پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان عادات اور روایات کے ماتحت بہت طویل عرصہ تک اپنے اخلاق کو محفوظ رکھتا ہے۔ اگرچہ عقیدے کے طور پر ایمان پہلے ہی ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ بلکہ اخلاق کا ایمان اور عقیدے سے رشتہ منقطع ہونے کے بعد ایک زمانہ ایسا بھی آتا ہے کہ جب لوگ یہ سمجھتے ہوتے ہیں کہ اخلاق بذات خود ایسی شے ہے جسے بہر حال موجود ہونا چاہیے۔ لیکن بہر حال اس حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی کہ عقیدہ کا بگاڑ لازمی طور پر اخلاق میں بگاڑ پیدا کرتا ہے اور جب بھی اخلاق کا رشتہ عقیدہ سے منقطع ہو جاتا ہے اخلاق

کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح مغربی اخلاق بھی تدریجی تنزل کا شکار ہوا۔ جس کے باقی ماندہ آثار نے لوگوں کو اس دہم میں مبتلا کر دیا کہ جاہلیت جدیدہ اخلاق کی حامل ہے۔

کسی زمانہ میں مغربی اخلاق کا بھی سرچشمہ وہی تھا۔ جو ہر اخلاق کا ہوتا ہے۔ یعنی مذہب! اور مذہب کے سوا اخلاق کا کوئی سرچشمہ ہے نہیں!

اور مغربی اخلاق کے دو مصادر تھے۔ ایک دین مسیحی اور دوسرا اسلام!

کاتھولک دین مسیحی کو یورپ میں لے کر آیا۔ تو اس دین کے زیر سایہ مغربی زندگی نے چند معین اخلاقی نمونے اپنائے۔ جو ایک مدت تک لوگوں کے دلوں میں قائم رہے۔ رہا جو دیکھ خود کاتھولک دین کے ہاتھوں مسیحی دین میں کئی انحراف پیدا ہو گئے تھے۔

دین مسیحی کے مغرب نے جو اخلاق لیا۔ وہ زیادہ تر منفی انداز رکھتا تھا اور واقعات سے اس کا تعلق نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰ فرمایا کرتے تھے۔

”جو تمہارے داہنے رخسار پر تھپڑ مارے۔ بائیں بھی اس کے سامنے کر دو۔“

اگرچہ حضرت عیسیٰ کا مقصد اس نصیحت سے لوگوں کے باطن کی صفائی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں ذلت اور بزدلی کا بیج بونا مقصود نہیں تھا۔ لیکن قرون وسطیٰ کے مسیحی اخلاق پر سبلی اور منفی پہلو غالب رہا اور اس سلبیت کی وجہ اس وقت کی رومی بادشاہت اور اس کا جبر و فساد تھا۔

اس کے بعد صلیبی جنگوں میں یورپ کو اسلامی دنیا سے واسطہ پیش آیا اور عیسائی اسلامی شہروں میں آئے اور شام کے بعض علاقوں میں اپنی ریاستیں بھی قائم کر لیں۔ اس طرح عیسائیوں کو مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور مسلمانوں سے انہوں نے اخلاق سیکھنے کے ساتھ ساتھ زندگی

کا مثبت نظریہ بھی لیا۔

عیسائیوں نے مسلمانوں کے یہاں دیکھا کہ اگر کوڑن نے اذان دے دی، تو مسلمان اپنی دکانیں قسبی سامان سے بھری ہوئی چھوڑ کر نمازوں کے لیے دوڑ جایا کرتے تھے اور جب نمازوں سے واپس آتے۔ اپنی دکانیں حسب سابق پاتے اور کوئی چیز چوری نہ ہوتی۔ کیونکہ اسلام نے لوگوں

کو ایمان دار بنا دیا تھا۔

مسلمان ایک مربوط قوم تھی، کم از کم خطرات کے وقت ان میں ایک قوم ہونے کا شعور بیدار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ آپس میں تعاون کرتے، محبت کرتے، رحم کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ خلوص سے پیش آتے تھے۔

عیسائی دیکھتے تھے کہ مسلمان صنعت کار تندی، چستی اور امانت سے اپنا کام کرتے ہیں۔ اور مسلمان صنعت کار کا سرمایہ اس کی امانت داری ہے اور اس کی جدوجہد ترقی کی عناصر ہے اس وجہ سے مسلمانوں میں صنعتیں ترقی پذیر تھیں اور پیداوار کی کثرت تھی۔

اس قسم کی صد ہا خوبیاں عیسائیوں نے مسلمانوں میں دیکھیں۔ بالخصوص عیسائیوں نے مسلمانوں سے جو معاملات کیے، اس میں ان کے ایفائے عہد سے متاثر ہوئے اور صلاح الدین ایوبی کی وعدہ ایفائی تو مسیحی یورپ میں ضرب المثل بن گئی تھی۔

وہ مجموعی سرمایہ اخلاق اور علم و فن کا وہ ذخیرہ جو عیسائیوں نے مغرب اور اندلس کی درنگیوں میں مسلمانوں سے حاصل کیا تھا، یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد بنا۔

لیکن یورپ کی نشاۃ ثانیہ (ان اسباب کی بنا پر جو پہلے بیان کر چکے ہیں) اللہ کی عبادت سے منحرف ہو کر تنوی، یونانی اور رومی بن گئی۔ اگرچہ عقیدہ کچھ دہل ضمیر کے کسی گوشہ میں پوشیدہ رہا۔

## قدیم یونانی فلسفہ

اس مرحلہ پر آ کر مغربی اخلاق کے گذشتہ دو مصادر کے علاوہ ایک تیسرا مصدر بھی شامل ہو گیا۔ اور وہ تھا قدیم یونانی (ہینیسی) فلسفہ۔ ہاتھی دانت کی برجیوں والی ثقافت۔ جس کے اخلاقی نمونے فصائیں معلق تھے۔

اور یہیں سے مغربی اخلاق میں بگاڑ رونما ہوتا شروع ہو گیا۔ لیکن چونکہ اخلاقی بگاڑ بڑا مست رفتار ہوتا ہے۔ اس لئے لوگوں کو صدیوں تک اس بگاڑ کا علم نہ ہو سکا۔

مغربی اخلاق میں یونانی اثرات سے یہ تصور پیدا ہو گیا کہ یہ ممکن ہے کہ اخلاقی نمونے، عاجی برجیوں اور فصا کی وسعتوں میں پائے جاسکتے ہیں۔ جب کہ عملی زندگی ضرورتوں کے مطابق اخلاقی تیزد سے آزاد گذاری جاسکتی ہے۔

فکر و عمل کا اختلاف جاہلیت جدیدہ کا پیدا کردہ خالص مغربی نقطہ نظر ہے اور آج ساری دنیا کی اخلاقیات اسی دورِ خرابی کا شکار ہیں۔ لوگ اخلاقی نظریہ کے بارے میں گفتگو بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس اخلاق کی عملی زندگی میں تطبیق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ زندگی حالات کے مطابق چلتی رہتی ہے۔

فکر کی اس جاہلیت کے زیر سایہ میکیا ویلی فلسفہ وجود میں آیا اور ساری مغربی زندگی میکیا ویلی فلسفہ سے متاثر ہو گئی اور یہ کہ اخلاقی نمونے سے کوئی فائدہ مطلوبہ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر میکیا ویلی فلسفہ سیاسیات میں اثر انداز ہوا اور سیاست بھی فکر و عمل کے تضاد کا شکار ہو گئی۔

میکیا ویلی فلسفہ کے ماتحت مغربی سیاست نے یہ تصور اپنالیا کہ حصول مقصد کی خاطر خواہ کتنے ہی برے وسائل کیوں نہ اختیار کیے جائیں ان میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ غرض پوری مغربی سیاست پر میکیا ویلی فلسفہ چھا گیا۔

بادشاہوں، امراء اور مذہبی لوگوں نے اپنے اقتدار کے بچانے کے لیے بدترین سے بدترین وسائل اختیار کئے۔ اس کے بعد سرمایہ داری نے اپنے غیر قانونی مفادات کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ بدترین وسائل اختیار کئے۔ حتیٰ کہ امریکی سرمایہ داری نے اپنے نفع کو بچانے کے لیے کینیڈی کے قتل سے دریغ نہیں کیا۔

یہ تو ان کے گھر کی بات تھی۔ بیرونی دنیا میں تو سامراج لوگوں کا خون چوسے اور اپنے اقتدار کو مستحکم رکھنے کے لیے دنیا کے اڑل ترین وسائل اختیار کر رہا ہے۔ سامراج کو اس میں کوئی بگاڑ نظر نہیں آتا۔ کیونکہ سامراج کے خیال میں حصول مقصد کی خاطر کوئی بھی وسائل اختیار کیے جاسکتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مقصد ہی پاکیزہ ہو۔ کیونکہ پاکیزگی عالم مثال میں پائی جاتی ہے۔ اس دنیا میں نہیں۔ غرض اس طرح مغربی سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹ گیا۔ اور اب لوگ کہتے ہیں کہ یہ سیاست ہے۔ اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ سب کچھ بھی مکمل بگاڑ نہیں تھا۔ بلکہ بگاڑ کا آغاز تھا۔

اصل میں لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے کہ اگر اخلاق کا رشتہ ایمان باللہ سے ٹوٹ جائے تو نہ اخلاق قائم رہ سکتا ہے اور نہ کسی قسم کی مزاحمت برداشت کر سکتا ہے۔

لوگوں پر یہ حقیقت اس لئے سنگسٹ نہ ہو سکی کہ وہ دیکھتے ہیں کہ بہت سی اخلاقی خوبیاں ابھی تک باقی ہیں اور ابھی تک فساد کا شکار نہیں ہوئیں اور انہوں نے خیال کیا کہ سیاست تابع اخلاق نہیں ہے اور موجودہ واقعات اخلاق کو ختم کرنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ اشیاء کی طرف واقعاتی نظر ہے اور واقعات کا اخلاق پر منطبق ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اللہ کی سنت یہی ہے جو کبھی نہیں بدل سکتی۔ اگر اخلاق کا رشتہ عقیدہ سے ٹوٹ جائے تو اخلاق بھی باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ عقیدہ اخلاق کا طبعی اور حیات بخش سرچشمہ ہے اور عقیدہ اخلاق میں خلوص اور سچائی پیدا کرتا ہے۔

یورپ نے بجائے مذہب کے اپنی اخلاقیات کی بنیادیں فلسفہ میں تلاش کر لیں۔ یا یہ کہیے کہ مذہب بیزاری میں آکر رہے ہے اخلاق پر فلسفہ کا پمدہ ڈال دیا۔ اب جو لوگ روایاتی اخلاق اپنائے ہوئے ہیں انہیں اخلاق کا مذہب سے تعلق ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ "ہتمیر" اور "فرض" جیسے الفاظ کے سہارے لیتے پھرتے ہیں لیکن یہ اخلاق جس کا رشتہ اپنے سرچشمہ سے منقطع ہو چکا ہے زیادہ دیر باقی رہنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ سیاسیات کا اخلاق سے رشتہ ٹوٹ جانے کا بعد معاشیات کا رشتہ بھی اخلاق سے منقطع ہو گیا ہے۔

## نظام اقتصاد کی غیر اخلاقی بنیادیں

حقیقت تو یہ ہے کہ یورپ کا اقتصادی نظام شروع ہی سے غیر اخلاقی بنیادوں پر قائم ہے مسیحیت سے پہلے رومی سلطنت میں جاگیرداری نظام اپنی انتہائی برائیوں کے ساتھ لوگوں کو زمین کا غلام بنا کر چل رہا تھا۔ کانٹینٹائن کے زمانہ میں بعینہ یہی جاگیرداری نظام یورپ میں آ گیا اور کلیسا نے اس نظام کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیا اور کلیسا کی مسیحیت اس نظام کو مذہبی اخلاق کا پابند نہ بنا سکی۔ بلکہ خود کلیسا نے نظام تھوڑے عرصہ بعد جاگیرداری بن گیا، کلیسا بھی اپنی جاگیر میں وہی مظالم کرتا تھا۔ جو دوسرے جاگیردار کرتے تھے۔ فرق یہ تھا کہ کلیسا کا ظلم دستم مذہب کے

۱۔ یہ تصور اسلامی مشرق میں بھی سراپت کر گیا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ "میں شراب نہیں پیتا" پھر جلدی سے کہے گا جیسے کوئی بہت بری تہمت ڈور کرنے کی فکر میں ہو "ایسا میں کسی دینداری



نام پڑتا تھا !

اس کے باوجود بھی جاگیر داری معاشیات کا اخلاقی یگاڑ اسی دائرے میں محدود تھا جس کی مسیحی کلیسا کوئی اصلاح نہ کر سکا تھا اور مذہبی تعلیمات نے باوجود تحریف کے سود کو ایک ناگوار کام قرار دیا اور بتایا کہ لوگ اپنے معاشی معاملات میں بدرجہ مجبوری سود کا لین دین کریں۔

جب صنعتی انقلاب آیا اور سرمایہ داری نے جنم لیا۔ تو لوگ اخلاق اور عقیدے سے بہت دور ہو چکے تھے اور سرمایہ داری کو اخلاق کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوئی۔ سود مسیحیت اور یہودیت دونوں مذاہب میں حرام تھا۔ لیکن سرمایہ داری کی بنیاد اسی سود پر قائم ہوئی اور سرمایہ داری اپنے ساتھ تمام برائیاں اور ظلم لے کر جلوہ گر ہو گئی۔ غریبوں کی محنت پر ڈاکے پڑے اور سرمایہ دار جس نے کوئی محنت نہیں کی، آرام و راحت سے تمام آمدنی سمیٹ کر اپنے گھر لے گیا۔ !

مزدوروں کی محنت و مشقت پر دو کوٹی کے بدلے ڈاکہ ڈالا گیا۔ بلکہ اکثر اوقات تو انہیں دو روٹی بھی نصیب نہ ہوئی ! بچوں سے چند ٹکڑوں کے عوض کئی کئی گھنٹے کام لیا گیا ! جب مزدوروں نے اجرتوں میں اضافہ اور مزدوری کی بہتر شرائط کا مطالبہ کیا تو ان کے مقابلہ پر عورتوں کو لایا گیا، تاکہ ان کی ہمتیں پست ہو جائیں۔ پھر عورتوں کو مردوں کی خواہشات پر بھینٹ چڑھایا گیا اور ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ ایک لقمہ کے لیے اپنی عزت کا سودا کریں !

تخریب اخلاق میں یہ مقصد پہنچا تھا کہ سرمایہ داری، کھیل کود، لذتیں، زینت و لباس، فیشن اور دنیا بھر کی بدعات پھیلا کر زیادہ سے زیادہ نفع کماسکے۔

اسی نفع کمانے کی دُھن میں نوآبادیات کے ہر قسم کے خام مواد لوٹے گئے اور اصلی مالکوں کو تنگ دستی، پس ماندگی، جہالت، مرض اور بے چارگیوں کا شکار بنا کے چھوڑ دیا گیا اور ساتھ ہی ان کو اخلاقی بے راہ روی بھی درآمد کر دی۔ تاکہ اس راستہ سے بھی سرمایہ دار نفع کماسکے !

داخلی سیاست میں برائیوں کی اشاعت اور ضمیر کی خریداری کا مقصد یہ تھا کہ سرمایہ دار کے مفادات محفوظ رہیں اور سامراج مسلط رہے۔ !

سرمایہ داری نے ان لوگوں کا مذاق اڑایا جو اخلاق کی دعوت کے علمبردار تھے! پھر ایسے نظریات بھی سامنے آئے جن میں کہا گیا کہ معاشیات کے اپنے خاص حتمی قوانین ہیں جن کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا انسان سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح معیشت بھی اخلاق سے بالکل علیحدہ ہو گئی اور لوگ شانے لہرا کر کہنے لگے۔

”یہ معاشیاتی مسئلہ ہے اس کا اخلاق سے کیا تعلق؟“

سیاسیات اور اقتصادیات کے بعد جنس کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹا۔ اور انسان کی حیوانی تعبیر عمل کی جنسی تعبیر اور جاہلیت منحرفہ میں آنے والے صنعتی انقلاب نے انسان کو مجنونانہ جنس پرستی کی بھٹی میں جھونک دیا! لوگ شروع شروع میں تو اس اخلاقی بگاڑ کو محسوس کرتے رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ سب باتیں بھول گئے! یا شیطانوں نے جھلا دیں! مارکس۔ فرائد۔ ڈرکایم اور دوسرے شیطاںین ایک دوسرے کو جھوٹ اور پرفریب باتیں اتھا کر رہے تھے! اچھا نیچہ مارکس کہتا ہے کہ:-

”جنسی عفت تباہ شدہ جاگیر داری معاشرہ کی کچی کھچی چیز ہے۔ اور اس کی وقتی قیمت اسی اقتصادی دور کے ساتھ تھی“

ہرگز نہیں! بلکہ اس کی اپنی ذاتی قیمت ہے اور معاشیات سے صرف نظر کر کے بھی انسان کو اس کی اتباع کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ صفت اس انسان کے ساتھ مخصوص ہے جو حیوان سے ممتاز ہے!

فرائد کہتا ہے۔

”انسان بغیر جنسی بھوک رفع کیے اپنے ذاتی وجود کو محقق نہیں کر سکتا۔ مذہب اخلاق معاشرہ اور روایات کی تمام بندشیں غلط ہیں اور انسان کی طاقت کو کچلنے والی ہیں۔ نیز یہ بندشیں غیر قانونی بھی ہیں“

ڈرکایم کہتا ہے

۱۔ دیکھئے ”انسانی زندگی میں جمود و انقلاب“ کا باب ”تین یہودی“

۲۔ ”اجتماعیات کے اصول“ ص ۱۴۵

”ماہرین اخلاق انسان کے اپنے نفس پر فرائض کو اخلاق کی بنیاد بناتے ہیں۔ یہ ہی مذہب کا بھی معاملہ ہے۔ کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب ان خیالات کی پیداوار ہے جو طبعی قوی پیدا کرتے ہیں۔ یا جو بعض بیگانہ شخصیتوں کے ذہن میں آتے ہیں۔ (رسول اور انبیاء مراد ہیں) لیکن اس طریقہ کا اجتماعی ظواہر پر منطبق کرنا ممکن نہیں۔ سوائے اس کے کہ ہم ان ظواہر کی طبیعت ہی بدل ڈالیں“ لے

مزید کہتا ہے :

”بعض علما کہتے ہیں کہ انسان میں ایک فطری مذہبی میلان ہے۔ آفری میلان کسی درجہ میں جنسی غیرت، والدین سے نیکی، بیٹوں کی محبت اور اسی قسم کے دوسرے جذبات سے کچھ ملا ہوا ہے۔ کچھ لوگوں نے مذہب، نکاح اور خاندان کی بھی اس انداز سے تعبیرات کی ہیں۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کے یہ تمام جذبات فطری نہیں ہیں“ لے

مزید کہتا ہے :

”سابقہ رائے کو بنیاد بناتے ہوئے اب یہ کہنا ممکن ہے کہ قانونی اور اخلاقی قواعد سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ اگر یہ تعبیر درست ہو۔ اسی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ جن اخلاقی قواعد کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ وہی علم اخلاق کا موضوع بن جائیں“ لے

جنسی تعلقات کے بگاڑ کے بارے میں ہم آئندہ باب میں گفتگو کریں گے۔ یہاں ہم صرف

تاریخی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

ان فاسد اصولوں کی بنا پر لوگ جنس کی گہری کھائی میں گر پڑے۔ پھر یہ بھول کر وہ اخلاق سے بیگانہ ہو چکے ہیں وہ یہ کہنے لگے کہ جنس ایک خالص حیاتیاتی عمل ہے۔ اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جبکہ وہ اس سے پہلے کہہ چکے تھے کہ سیاست بس سیاست ہے۔ اخلاق سے اس کا کیا تعلق؟ گویا لوگ جب اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح حقیقت واقفیت بھی بدل جائے گی یا

وہ اپنے اوپر سے بگاڑ اور بگاڑ کے نتائج کا بوجھ ہٹا کر ناچاہتے ہیں۔ !

بہر کیف جنس کا بھی اخلاق سے رشتہ منقطع ہو گیا جیسے پہلے سیاسیات اور معاشیات کا منقطع ہو چکا تھا۔ اور اخلاق کے اپنے حقیقی سرچشمہ یعنی مذہب سے تعلق ختم ہونے کے بعد اخلاق کا ایک ستون اور گڑ گیا۔ حقیقت میں مذہب سے ہٹ کر اخلاق کا کوئی وجود نہیں ہے۔

## اخلاقی سرمایہ کا خاتمہ

کیونکہ اخلاقی تنزل بہت سست رفتار ہوتا ہے اور چونکہ اخلاقی سرمایہ صدیوں میں جا کر جمع ہوا تھا۔ اس لئے اس کے ختم ہونے کے لیے بھی صدیاں چاہیے تھیں۔ اس لئے سیاسیات، معاشیات اور جنس کے اخلاق سے علیحدہ ہونے کے باوجود بھی اخلاق کا بہت کچھ سرمایہ باقی رہ گیا، جو ابھی بگاڑ کا شکار نہیں ہوا ہے۔ اس لئے لوگوں کو اپنی جاہلیت میں یہ محسوس ہونے لگا کہ اخلاق عقیدہ سے جدا ہونے کے بعد بھی زندہ اور فعال رہ سکتا ہے۔ اور چونکہ لوگوں کے ذہنوں میں شیاطین نے مختلف نظریات ٹھونس دیئے ہیں۔ اس لئے وہ یہ بھی محسوس کرنے لگے کہ سیاسیات، معاشیات اور جنس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سیاسیات، معاشیات اور جنس خالص غیر اخلاقی اقدار کے ماتحت ہیں۔ سیاسیات، معاشیات اور جنس کا رشتہ ٹوٹ جانے کے باوجود بھی اخلاق بدستور زندہ اور فعال شکل میں موجود ہے۔ اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں اسے فساد نہ کہنا چاہیے ہمیں اسے ترقی اور حتمی ضرورت کہنا چاہیے اور ترقی اور حتمیت میں تو کسی کو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ ان کو کسی میزان میں تو لاجا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ خود میزان ہیں کسی خارجی شے سے ان کی پیمائش نہیں ہو سکتی۔ یہ الہہ اور دیوتا ہیں۔ ان کے کسی فعل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں ان کا حکم عاجزی سے قبول کرنا چاہیے۔ بلکہ خوشی سے قبول کرنا چاہیے۔

اخلاق بدستور تنزل پذیر رہا اور جب اخلاق کا تنزل شروع ہوتا ہے۔ تو پھر رکنے میں نہیں آتا۔ یہاں تک کہ لوگ تعمر مذلت میں نہ گرجائیں۔

یورپ میں ابھی حقیقی اخلاق کا تھوڑا سا سرمایہ باقی تھا۔ کچھ پسندیدہ انسانی اخلاق۔ مثلاً سچائی،

ایمان داری، مستقل مزاجی، کوشش، سہم، تنظیمی صلاحیتیں، پداوار پر توجہ اور اس کے مقتضیات پر صبر اور زندگی کو حسین و جمیل بنانے کی جدوجہد!

اور یہ تمام خوبیاں یورپ نے اخلاق کے اصل سرچشمہ مذہب سے حاصل کی ہیں۔ خواہ وہ دین مسیحی ہو یا دین اسلام، البتہ اس اخلاق میں قدیم رومی مزاج بھی شامل ہو گیا، رومی مادہ اور مادی پیداوار میں تذبذب سے کام لیتے۔ اور ہر مسئلہ کو تنظیم اور خوبصورتی سے انجام دیتے تھے۔ لیکن حقیقتاً رومی مزاج ہی نے مغربی اخلاق کے اس باقی ماندہ سرمایہ کو خراب کیا ہے۔ جیسا کہ قدیم یونانی (ہیلینی) تہذیب نے مغربی اخلاق کے ایک بڑے حصے کو تباہ کر دیا تھا اور مثالیہ اور واقعہ میں فصل پیدا کر کے اس امر کو صحیح قرار دے دیا تھا کہ اخلاقی مثالیہ سے۔ عاجی برجیوں۔ میں لطف اندوز ہوا جائے۔ خواہ عملی زندگی اس سے متاثر ہو یا نہ ہو! (اسی سے سیاسی دنیا میں میکیا ویلی فلسفہ پیدا ہوا۔) اسی طرح رومی مزاج بھی مغربی اخلاق کے باقی ماندہ سرمایہ پر دو طرف سے حملہ آور ہوا۔ کیونکہ رومی مزاج ایک جانب نفع پرستانہ تھا اور دوسری طرف انسانیت پسند اور اس کے نتیجے میں جدید جاہلیت میں مغرب کا بچا کھچا اخلاق بھی متاثر ہو کر نفع پرستانہ اور انسانیت پسند بن گیا۔ سچائی، خلوص، وغیرہ بیشک خوبیاں ہیں۔ لیکن ان کے کسی معیار ہیں اور کوئی ایک صورت نہیں ہے یہ تمام خوبیاں انسانیت کے معیار کے مطابق بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ ہونا چاہیے اور مذہب کا سرچشمہ جس اخلاق کو سیراب کرتا ہے وہ بھی یہی ”انسانی اخلاق“ ہے۔

اخلاق قومی معیار کے مطابق بھی ہو سکتا ہے۔ یہ اخلاق قومیت کی حدود میں محدود ہے قومی حدود سے نکلنے ہی اخلاق پر ختم ہوا اور انسانی حدود سے گذر کر صرف انسانیت رہ جاتا ہے اور اس کے سہارے انسان چوری کرتا ہے، لوٹتا ہے، دھوکہ دیتا ہے اور چکر دیتا ہے اور لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ اخلاق سرے سے انسانی بنیادوں پر قائم ہی نہیں ہے۔

پھر قومی حدود میں رہتے ہوئے بھی اخلاق اس لئے نہیں برتا جاتا کہ وہ خود مستقل اقدار کا حامل ہے بلکہ اس لئے کہ اس اخلاق سے اخلاق والے نفع اٹھا سکتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ کہ — جتنا نفع پہنچنے کی امید ہوتی ہے اتنا ہی اخلاق برت لیا جاتا ہے اور اگر فائدہ حاصل ہونے کی امید نہ ہو تو اخلاق کی بھی ضرورت نہیں:

یہ ہے مغرب کا بچا کھچا سرمایہ اخلاق، جس میں رومی جاہلیت کے مذکورہ دونوں بگاڑ بھی شامل ہو گئے

## مسلمانوں کا صلیبیوں سے تعامل

جب مسلمان صلیبی دور میں، اور خاص کر صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں عیسائیوں سے معاملات کر رہے تھے تو انہوں نے اپنے وعدے وفا کیے اور جب وہ مجبور ہوتے تھے اور فائدہ بھی اسی میں ہوتا تھا کہ معاہدہ توڑ دیں۔ اس وقت بھی مسلمانوں نے اپنے کسی معاہدے کو نہیں توڑا۔ تو اس وقت مسلمانوں نے اخلاق کی ایک نمایاں مثال قائم کی تھی اور یہی اخلاق اپنی اصلی صورت میں تھا اور اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کے مطابق تھا۔

وَأَمَّا أَخَافُ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَتَهُمْ  
فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ - إِنَّ  
اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَاسِقِينَ (سورہ انفال)

اور اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو۔ یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور جب صلیبی مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے توڑ رہے تھے اور ان کو دھوکہ سے بچو کہ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایسا قتل عام کر رہے تھے۔ جس کو یورپ کا ضمیر ہی برداشت کر سکتا ہے اور جب نئے مسلمانوں نے، اللہ کے گھر امن و بسنے والے حرم مقدس مسجد میں پناہ لے لی تو صلیبیوں نے مسجدوں میں گھس کر مسلمانوں کا اس قدر قتل عام کیا کہ ان کے گھوڑوں کی ٹانگیں خون میں ڈوب گئیں۔ !!

مگر جب بعینہ یہی موقع مسلمانوں کو ملا اور وہ ان صلیبیوں پر کامیاب ہوئے تو انہوں نے صلیبیوں سے انسانی سلوک کیا اور اخلاق کی ایک دوسری نمایاں مثال قائم کی اور بتایا کہ ان کا اخلاق انسانی معیار پر قائم ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم اور ہدایت کے مطابق ہے۔ مگر اللہ کی ہدایت سے منحرف جاہلی یورپ اخلاق کے اس معیار تک کبھی بھی نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ یورپ کا اخلاق اپنے اصلی سرچشمہ سے مستفید ہونے کے بجائے یونانی اور رومی جاہلیتوں سے مستفید ہوا۔

قدیم رومی مزاج، ہمارے سامنے رومی قانون میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ جس رومی قانون میں عدل و انصاف صرف رومیوں کے لئے تھا۔ غیر رومی لوگوں کا عدل و انصاف میں کوئی حصہ نہ تھا۔ یہی خود پسندانہ مزاج جاہلیت جدیدہ میں مغربی اخلاق پر غالب آ گیا۔ اخلاق ان کے یہاں حدود

قومیت میں تو قابل عمل ہے۔ لیکن قومیت کی حدود سے نکل کر اس کی کوئی ضرورت نہیں، ہاں اگر کسی فائدے کی امید ہو تو قومیت سے باہر بھی اخلاق برتنا جاسکتا ہے۔

سیاسیات کے دائرے میں تو مغربی اخلاق کی حقیقت ایک دنیا کو معلوم ہے۔ معاہدے کیے جاتے ہیں اور جوں ہی قومی مصالح میں کوئی تبدیلی آتی، فوراً سارے معاہدے ٹوٹ گئے اور اس حرکت کے باوجود بالکل سبک اور بے پرواہ نظر آتے ہیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو کیونکہ یونانی جاہلیت کے مطابق نظریہ اور عمل میں مطابقت ضروری نہیں ہے، اور اس "بلند اخلاق" کی جولان گاہ صرف سیاست ہی نہیں ہے، بلکہ کچھ اور میدان بھی ہیں!!

مسلمانوں نے جن ممالک کو فتح کیا، وہاں کے غیر مسلموں کے عقائد مسلم حکومتوں کی زیر نگرانی اور تحفظ میں رہے۔ مسلمانوں نے کبھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ غیر مسلموں کو کسی حیلہ بہانے سے مسلمان بنالیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں مسلمانوں کو اسی اخلاق کی تعلیم دی تھی!

## مغربی اخلاق کی مثال

اس کے برخلاف مغربی اخلاق کی مثال دیکھئے۔۔۔۔

جنوبی افریقہ میں انگلش جہازراں کمپنی کے جہازوں پر افریقی مسلمان ملازم تھے اور انگریزی کمپنی انہیں کسی قیمت پر مسلمان نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ کمپنی نے مسلمانوں کی مزدوریوں کا ایک حصہ شراب کی بوتلوں کی شکل میں دینا شروع کر دیا۔ مزدوریوں اور اجرتوں کے سلسلہ میں یہ اپنی نوعیت کی علیحدہ مزدوری تھی؛ چونکہ مسلمانوں کے یہاں شراب کا پینا اور فروخت گناہِ قاتلِ حرام ہیں۔ اس لئے یہ بے چارے مزدور شراب کی بوتلیں توڑ دیتے اور باقی ماندہ مزدوری پر گزارا کرتے تھے۔!

کسی قانون دان نے ان غریب مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ شراب کی شکل میں اجرت لینے سے انکار کر دیں اور اگر کمپنی اس عیب پر اجرتوں کی ادائیگی پر اصرار کرے تو کمپنی پر مقدمہ کر دیا جائے۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ کمپنی نے ان سب مسلمان مزدوروں کو ایک ہی دفعہ ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔

یہ ہے مغربی اخلاق کا بلند اور اعلیٰ نمونہ!!

فرانس کے لوگ زیادہ ظریف اور مہذب ہیں۔ جب پیرس والے ادب اور روحِ ظرافت اور ایمپٹ کے ساتھ آپ سے پیش آئیں اور آپ کے اوپر بڑی نرمی اور مہربانی کا اظہار کریں تو اس

کا مطلب یہ ہے کہ آپ فرانس میں جتنا روپیہ خرچ کر سکتے ہیں کمیں۔ اور اگر آپ نہیں خرچ کر سکتے تو سنیے ایک مصری نوجوان جس نے کچھ عرصہ فرانس میں گزارا تھا مجھے بتایا کہ وہ شراب پینے اور نامناسب مقامات پر جانے کا عادی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ہوٹل واسے اس کے کمرے میں "سامانِ تعیش" فراہم کرتے تو وہ اس سے بھی لطف اندوز نہ ہوتا۔ تو اس پاکبازی کے صلہ میں ہوٹل والوں نے اس کے استعمال کی اشیاء میں قیمتوں کا اضافہ کر دیا اور اسے مختلف طریقوں سے تنگ کرنے لگے۔ تاکہ وہ ہوٹل چھوڑ کر چلا جائے۔

حدودِ قومیت سے باہر بین الاقوامی تجارت میں جس نادرا مثال ایمان داری سے معاملات کیے جاتے ہیں تو یہ ایمان داری بھی اخلاق پر نہیں۔ منفعت پرستی پر۔ یعنی یہ کیونکہ دھوکہ دہی سے مارکیٹ ختم ہو جائے گی اور اس طرح نفع بھی جاتا رہے گا۔ تو نفع کا شدید لالچ معاملات میں ایمان داری پر مجبور کر دیتا ہے۔

پھر اخلاق میں منفعت پرستی بیرونی معاملات تک موقوف نہیں رہی۔ بلکہ رفتہ رفتہ قومی زندگی میں بھی اخلاق کا محرک یہی مفاد پرستی بن گئی۔

گویا اولاً اخلاق انسانی معیار سے گم کر قومی معیار پر آیا۔ اور قومی معیار سے گم کر آپس میں لین دین کی منفعت بن گئی۔

سچائی قومی تنظیم میں فائدہ مند ثابت ہوئی ہے۔ آپ سچ بولتے ہیں تو بدلہ میں دوسروں سے بھی توقع کرتے ہیں کہ وہ بھی سچ بولیں۔ اس لئے نہیں کہ سچائی بذاتِ خود کوئی خوبی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ آپ اور سب مل کر سچائی سے فائدہ اٹھائیں۔ سچ بول کر آپ بہت سی محنت کافی مال اور وقت کی بچت کر سکتے ہیں اور ان طاقتوں کو مزید فائدہ کمانے کے لئے صرف کر سکتے ہیں! اگر سچائی میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ یا سچائی میں کوئی مادی نقصان ہو تو اس سچائی کی کیا قیمت رہ جاتی ہے اور اس سچائی کو اپنانے کے لیے کون سا محرک باقی رہ جاتا ہے؟!

مجھے امریکہ میں کچھ عرصہ گزارنے والے ایک مصری نے سنایا کہ:

"میں ایک اتوار کے اسکول میں ایک استانی سوانگریزی زبان سیکھا کرتا تھا۔ جب ہم ذرا مانوس ہو گئے اور استانی کو معلوم ہوا کہ میں اچھا خاصا دین دار مسلمان ہوں تو کہنے لگی۔ میں اسلام کے بارے میں کچھ ایسی باتیں جانتی ہوں کہ اس اسلام کی وجہ سے لوگ تم سے نفرت کرنے لگیں گے۔ امثال کے



طور پر ایک دفعہ تمہارے نبی محمدؐ نے شراب پی، نشہ ہوا تو آپ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور گر پڑے۔ پھر ایک سوڑنے آپ کے کاٹ لیا۔۔۔ (نعوذ باللہ)۔۔۔ اسی وجہ سے آپ نے شراب اور سوڑ کو حرام قرار دے دیا۔ اس پر میں نے کہا اب تو آپ کو حقیقت کا علم ہو گیا۔ کیا آپ اب بھی بچوں کو یہی باتیں بتائیں گی۔ کہنے لگی اوہ ایہ دوسرا مسئلہ ہے۔ مجھے یہی باتیں پڑھانے کی تنخواہ ملتی ہے۔

کیونکہ اخلاق اپنے اصلی سرچشمہ سے جدا ہو کر اور یونانی اور رومی جاہلیوں سے متاثر ہو کر جاہلیت جدیدہ میں اپنا سرمایہ ٹھاپیٹھا۔۔۔ تو اب اخلاق کے بس کی بات نہیں رہی تھی کہ کسی مزاحمت کو برداشت کرتا۔!

مغربی اخلاق سے لوگ بڑے دھوکہ میں مبتلا ہو گئے۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ سیاسیات، معاشیات اور جنسی تعلق میں بگاڑ پیدا ہو جانے کے باوجود بھی اخلاق اپنی جگہ پر قائم ہے۔ لیکن لوگوں نے اس اخلاق کی نفع پرستی اور انسانیت پسندی کو نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ یہ سمجھنے لگے کہ اخلاق اپنے مذہبی رشتہ سے منقطع ہونے کے باوجود بھی زندہ و فعال موجود ہے اور جو امور اخلاق سے علیحدہ ہو گئے۔ وہ حقیقتاً اخلاق سے متعلق ہی نہ تھے۔ سیاسیات، معاشیات اور جنس میں خواہ کتنا ہی بگاڑ کیوں نہ پیدا ہو جائے (یا ترقی پذیر ہو جائیں یا صمیمیت کے تابع ہو جائیں) اور خواہ مادی نفع پرست انسانیت پسند مزاج انسانیت کے خلاف کتنی ہی سرکشی کیوں نہ اختیار کر لے۔

اخلاق بندھن بہت آہستہ آہستہ ڈھیلے ہوتے ہیں۔ جس سے لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید اخلاق کی گرفت ابھی تک مضبوط ہے۔

## فرانس کی مثال

لیکن اس ربع صدی میں جو واقعات سامنے آئے ہیں وہ کسی اور ہی بات پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہم پہلے فرانس کی مثال بیان کرتے ہیں۔

فرانس میں جنسی تعلقات میں اخلاقی بگاڑ اس طرح سرایت کر رہا تھا۔ جیسے لکڑی کو گھن لگ گیا ہو۔۔۔ حتیٰ کہ جب جنگ ہوئی تو پورا فرانس جنس کے گندے جوہر میں غرق تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس چند ہی دنوں میں ہار گیا۔ اس لئے نہیں کہ فرانس کے پاس اسلحہ نہیں تھا بلکہ جدید ترین اور مہلک ترین اسلحہ فرانس ہی کے پاس تھا اور 'ماجینو' لائن کی قلعہ بندی مشہور۔

تھی۔ لیکن چونکہ فرانس کے پاس جذبہ جہاد نہیں تھا اور نہ ان کے پاس ایسی عزت تھی جس کا وہ بچاؤ کرتے۔ بلکہ فرانس کو یہ خطرہ ہوا کہ جرمنی کی بمباری سے پیرس کی رقص گاہیں تباہ نہ ہو جائیں چنانچہ دو ہفتہ کے اندر اندر فرانس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ !! اور لوگ کہنے لگے۔۔۔ یہ تو حالات کا تقاضا تھا۔ اخلاق کا اس سے کیا تعلق؟

## امریکہ کی مثال

دوسری مثال امریکہ کی لیجئے۔۔۔

کینیڈی نے ۱۹۶۲ء کے اہم بیان میں کہا کہ امریکہ کا مستقبل خطرہ میں ہے کیونکہ نوجوان جنس پرستی میں اس قدر بہک رہے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ فوج میں شمولیت کے لئے آنے والے ہر سات نوجوانوں میں سے چھ ناکام ٹوٹا دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ شہوت پرستی نے ان کی طبی اور نفسیاتی حالت ابتر بنا دی ہوئی ہے۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور بدترین مثال لیجئے۔

امریکہ کی وزارت خارجہ نے اپنے ۳۳ ملازمین کو علیحدہ کر دیا۔ اس لئے کہ وہ جنسی بے راہروی کے شکار تھے اور اس قابل نہ تھے کہ حکومت کے رازوں کے بارے میں ان کو قابل اطمینان سمجھا جاتا !!

## انگلستان کی مثال

انگلستان کی مثال لیجئے۔۔۔

انگلستان کے وزیر جنگ پروفیسور نے ایک فاحشہ سے لذت اندوز ہونے کی خاطر حکومت کے جنگی اسرار کو خطرے میں ڈال دیا۔!

## روس کی مثال

روس کو لیجئے۔۔۔

فرو شچیف نے بھی ۱۹۶۲ء میں کینیڈی کی طرح بیان دیا کہ روس کا مستقبل خطرے میں ہے اور روس کے نوجوانوں کے مستقبل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ وہ شہوت پرستی میں

ڈوبے ہوئے ہیں !!

پھر یورپ کے شمالی ملکوں کو نیچے جو زیادہ ترقی یافتہ ہے اور جاہلیت جدیدہ میں تمام ملکوں سے آگے ہے۔

اوجہاں پر اگندہ حال، پریشان نوجوان، چرس اور افیون پیتے ہوئے، اپنی طاقتوں کو جنون اور پاکل پن میں صرف کرتے ہوئے، لوٹ مار، قتل اور اغوا کرنے والی ٹولیاں، حکومت اور ماہرین اجتماعیات کے سکون کو لوٹ رہی ہیں !!

یہ سب کچھ صرف ایک جنس کے میدان میں ہے۔ اور صرف یہاں اگر یہ مسئلہ ختم نہیں ہو جاتا۔۔۔ بلکہ گاڑی ڈھلواں راستہ پر پھسلتی ہی جا رہی ہے!

امریکہ میں بڑے بڑے مہذب لوگوں کی انجمنیں ہیں۔ جن میں وکیل، ڈاکٹر، لکھنے والے اور قانون دان بھی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ انجمنیں کیا کرتی ہیں؟ ان انجمنوں کا کام ہے۔ لوگوں کو زنا کی سہولتیں مہیا کرنا !!

کیونکہ یہ تھونک ریاستوں میں طلاق کی اجازت اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک زوجین میں سے کوئی ایک زنا کا مرتکب نہ ہو جائے۔۔۔ اس کے بعد دوسرا طلاق کا مطالبہ کرے۔

اس لئے جو طلاق لینا چاہتا ہے۔ خواہ وہ شوہر ہو۔ یا بیوی۔ وہ ان جماعتوں کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ یہ جماعتیں کسی نہ کسی طرح اس شوہر یا بیوی کو زنا کا ارتکاب کرا دیتی ہیں اور اسی حالت میں اسے پکڑوا کر طلاق کے حصول کے لئے ضروری کاغذات پیش کر دیتے ہیں اور اپنی کارگزاری کی مقررہ فیس لے لیتے ہیں۔ !!

امریکہ ہی میں لڑکیوں کو فروخت کرنے والی جماعتیں بھی ہیں۔ یہ جماعتیں لڑکیوں کو پکڑ کر یورپ کے دولت مندوں کی خواہشات پر بھینٹ چڑھاتی ہیں۔ اور اپنا منافع حاصل کر لیتے ہیں ایسی بھی جماعتیں ہیں۔ جو "جمہوری انتخابات" میں علانیہ مخالفین کو دھکیاں دیتی ہیں۔

اباحیت پسندی

غرض یورپ کی نسل زوال پزیر ہے کی اباحیت کے میں مبتلا ہے اور صدر جبرئیل کا شکا ہے

وہ تمام برائیاں موجود ہیں جو کسی انسانی معاشرے میں تصور ہو سکتی ہیں۔ لوٹ مار اور اغوا

کی انجنیں بنی ہوئی ہیں بچوں کی ٹولیاں چلیج ہوئی ٹرینوں پر تھپڑاؤ کرتیں اور لائنوں پر تھپڑکھ دیتی ہیں بچوں  
بھنگ اور مخدرات (نشہ آور اشیاء) عام ہیں۔ مگر اب بھی چند خوبیاں باقی ہیں اور بگاڑ پوری اخلاقی زندگی  
پر ابھی تک بالکل محیط نہیں ہوا ہے بہر حال یورپ بالکل تباہ ہونے سے پہلے ایک نسل اور گزار سکتا  
ہے۔ ابتداءً لوگوں نے اس پیش آمدہ خطرہ پر تجاہل سے کام لیا اور اپنے سر ریت میں چھپا کر کہنے لگے  
”نئی نسل گذشتہ نسل سے زیادہ بہتر ہے۔ نئی نسل جڑی کھلے ذہن کی مالک، ترقی پسند

اور اپنے زمانے کی عقل کے مطابق زندگی گزارتی ہے ترقی پسند نسل کے بارے میں پس ماندہ  
نسل کی عقیدت سے کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ ہماری اخلاقیات زندگی کے جدید حالات کے  
مطابق نہیں ہیں۔ نئی نسل اپنے نو بہ نو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنے اخلاق خود بناتی ہے  
اور جو لوگ یہ چیخ و پکار کر رہے ہیں وہ اپنے جمود اور پس ماندگی کی بنا پر حالات کو نئی نظر سے  
نہیں دیکھ سکتے۔“

پھر جن کے ہاتھوں میں تہذیب جدید کی باگ ڈور ہے۔ یعنی یورپ اور امریکہ۔ انہی  
کے یہاں سے خبریں آئیں کہ —

یورپ اور امریکہ نے ان غلاموں کے منہ میں لگائیں لگائیں جو عقل، ثقافت اور معیار ترقی  
کے نعرے لگا رہے تھے۔!

نوجوانوں کے بگاڑ پر غور کرنے کے لیے کسی علمی مجلس منعقد کی گئیں۔ جنہوں نے پورے  
وثوق کے ساتھ رپورٹ دی کہ معاملہ بے حد نازک ہے۔ نئی ابھرنے والی نسل بگاڑ اور تشریل کا  
شکار ہے۔ اس پر یہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مستقبل میں قیادت سنبھال سکے گی اور مغربی ممالک  
تباہی سے بھگتا رہنے والے ہیں۔!

اگر اس غیر انسانی فکر سے صرف نظر کر لیا جائے — غیر انسانی اس لئے کہ اس میں انسانیت کو  
پیش آنے والے خطرات پر غور نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف حدود قومیت میں رہ کر سوچا گیا ہے —  
اگر ہم اس فکر سے اور جاہلیت جدیدہ کے اس اخلاقی بگاڑ سے صرف نظر کر لیں۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ  
اخلاق کا اس درجہ دیوالیہ ساری انسانیت کے نال اور تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ تو پوری انسانیت  
کی تباہی اس لئے ہے کہ مغربی جاہلیت جدیدہ کا نام نہاد اخلاق متعدی مرض کی طرح پوری دنیا  
میں پھیل گیا ہے۔

۔ اخلاق حجب اپنے اصلی سرچشمہ سے علیحدہ ہو گیا۔ جب کہ اس کا تعلق، اللہ پر سچے اعتقاد سے ٹوٹ گیا اور جب اخلاق میں عقیدے کا بگاڑ پوری طرح جھکنے لگا۔۔۔ قراب نہ اخلاق قائم رہ سکتا ہے۔۔۔ اور نہ زندہ رہ سکتا ہے۔۔۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے اخلاق کی وہ عمارت جس کی صدیوں میں تعمیر ہوئی تھی۔۔۔ صرف دو صدیوں میں کھنڈر بن کر رہ گئی !

جاہلیت جدید میں دو چار خوبیاں ہی اس کی زندگی کے آخری سانسوں کا سہارا بنی ہوئی ہیں۔۔۔ اور یہ دو چار خوبیاں بھی زور زوال ہیں۔۔۔ نئی نسل زیادہ بگڑی ہوئی اور زیادہ ابا حیت پسند ہے۔۔۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مستقبل حال سے زیادہ خطرناک ہوگا اور اخلاق کی گاڑی منزل کی ڈھلوان سڑک پر لڑھکتی چلی جائے گی۔

اب یہ کہنے سے بھی کوئی فائدہ باقی نہیں رہا کہ فلاں فلاں باتوں کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے سیاست دائرہ اخلاق سے نکلی۔ معاشیات کا اخلاق سے تعلق ختم ہوا اور جنس کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹا۔۔۔ یہ اخلاقی دیوالیہ کی ابتداء تھی۔ اور پھر اخلاق کی سواری منزل کی ڈھلوان سڑک پر پھسلتی چلی گئی ! اور لحظہ بہ لحظہ اس کی رفتار میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ !

اللہ کی عبادت سے منحرف جاہلیت جدیدہ کے مصائب کی وجہ یہ ہی ہے ! انسانیت کے وجود میں لگا ہوا گھن آہستہ آہستہ اسے چاٹا رہا بالآخر اس کا کھوکھلا ڈھانچہ بوسیدہ ہو کر گر پڑا۔

مگر اس کے باوجود بھی جاہلیت لوگوں کو یقین دلا رہی ہے اور لوگ بھی بڑی سادگی سے یقین کر رہے ہیں کہ جاہلیت میں بڑی خوبیاں ہیں اور بڑی اخلاق کی حامل ہے۔ !

جنسی تعلقات کا برکات

## جنسی تعلقات کا بگاڑ

اس باب میں ”جنسی تعلقات کا بگاڑ“ اخلاقی حیثیت سے کرنا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ گذشتہ باب میں ہم اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں جنسی تعلقات کا بگاڑ انسان کے نفسیاتی تشخص اور انسان کی اجتماعی زندگی میں اختلال پذیر ہونے کی حیثیت سے زیر گفتگو آئے گا۔ اخلاقی حیثیت سے جنسی تعلقات کا بگاڑ اتنا واضح ہے کہ اس کے بیان کی مزید کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جاہلیت جدیدہ نے اس بات پر پردہ ڈالنے کے لیے کہ جنسی تعلقات کا بگاڑ حقیقت میں اخلاقی بگاڑ ہے، فرائڈ مارکس اور ڈور کاہیم کے علمی نظریات اور مادی تفسیر کو پیش کیا ہے اور لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کر دیا ہے کہ جنس ایک حیاتیاتی عمل ہے اور اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ہی افسانے، ڈرامے، سینما، ٹیلی ویژن، ریڈیو اور صحافت بھی ساری زندگی کی جنسی تصویر کشی کر رہے ہیں اور یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ جنسی تعلقات بالکل طبعی بنیادوں پر قائم ہیں اور اس میں کسی قسم کا بگاڑ نہیں ہے۔

ان تمام کوششوں کے باوجود بہر حال جنسی بے راہ روی اپنی ابتداء سے انتہا تک ایک اخلاقی بگاڑ ہی ہے۔

”علمائے یہود کے منظم عمل“ میں تحریر ہے۔

”ہمیں ہر جگہ اپنی حاکمیت کے قیام کے لئے ”اخلاقی گراؤٹ“ کے لئے کوششیں

کرنا چاہیے۔

فرائڈ ہمارے مقاصد کی تکمیل کے لیے جنس کو منظر عام پر لاتا رہے گا۔ تاکہ نوجوانوں کی نظر میں کوئی مقدس شے باقی نہ رہے۔ بس نوجوانوں کی زندگی کا مقصد اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل رہ جائے۔ یہی راستہ اخلاق کی تباہی کا ہے۔“

”ہم نے ڈارون، مارکس اور نپٹشے کی آراء کو پھیلانے اور کامیاب بنانے کے لیے لاکھ عمل مرتب کر لیا ہے۔ مذکورہ بالا مفکرین کی فکر و فلسفہ کا غیر یہودیوں کے اخلاق پر جو بڑا اثر پڑتا ہے وہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے۔“

ان سوالوں سے بھی یہی علم ہوا کہ جنسی تعلقات کا بگاڑ درحقیقت اخلاقی بگاڑ ہی ہے! کیونکہ لوگوں نے اپنی جاہلیتِ جدیدہ میں یہ تصور کر لیا ہے کہ زندگی کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ہم بھی جنسی تعلقات کے بگاڑ کو اخلاقی بگاڑ کی حیثیت میں پیش کرنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ درحقیقت اخلاق زندگی سے ہرگز علیحدہ نہیں ہے۔ اخلاق صرف ایسے منظرِ باقی اصولوں کا نام نہیں ہے جو عاجی برہمیوں میں پائے جائیں۔

اخلاقی قوانین بھی وہی ہیں جو واقعاتی زندگی کے ہیں۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ زندگی پوری خوبی سے رواں دواں ہو اور اس میں اخلاقی بگاڑ بھی پایا جاتا ہو۔ بلکہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اخلاقی بگاڑ لازمہ ہے زندگی کے بگاڑ کا۔ اور زندگی کا بگاڑ لازمہ ہے اخلاقی بگاڑ کا۔ کیونکہ اخلاق اور زندگی دونوں ہی کا سرچشمہ انسان کا مکمل وجود اور فطرت انسانی ہے۔

جب ہم جنسی تعلقات کے اختلال کو اس حیثیت سے ذکر کریں گے کہ اس کے واقعاتی زندگی پر کیا اثرات ہیں۔ تو ہم آخر میں یہ بھی بتائیں گے کہ درحقیقت جنسی تعلقات کا بگاڑ اخلاقی بگاڑ ہی ہے۔

حیات انسانی کے دیگر پہلوؤں کے بالمقابل جنسی تعلقات میں جلت پسندی بہت آہستہ آہستہ اور ایک طویل عرصہ میں رونما ہوئی ہے۔ کیونکہ قرون وسطیٰ میں کلیسا کی مسح شدہ مسیحی تعلیمات مغربی ذہن پر چھائی ہوئی تھیں۔

بلاشبہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات ایک قسم کے زہد اور جسمانی خواہشات سے بلند ہونے



کی دعوت پر شتمل تھیں۔

اگرچہ یہ ہرزلمنے میں ہرنبی اور ہردین کی دعوت رہی ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ کی تعلیمات میں زاہدانہ زندگی بسر کرنے کے متعلق کچھ زیادہ ہی مؤثر ہدایت تھیں۔ کیونکہ عیسائیت کو اس وقت کی بنی اسرائیل کے اخلاقی دیوالیہ پن کو دور کرنا اور رومی دنیا کی مادی سرکشی کو کچلنا مقصود تھا۔ چنانچہ انجیل میں ہے۔

”اگر تمہاری نگاہ گناہ کرے، تو آنکھ نکال دو۔ کیونکہ جسم کے ایک حصہ

سے محروم ہو جانا، پورے جسم کو جہنم میں ڈالنے سے بہتر ہے۔“

اس قسم کے اقوال سے کلیسا کا اخلاق ابھرا اور رہبانیت کی بنیاد رکھی گئی۔

وَذَهَبَانِیَّةٍ ابْتَدَعُوْهَا

اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا۔ ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا

(سورہ حدید ۲۷) تھا۔

ایک عام خیال یہ ہو گیا تھا کہ جنس گندگی اور نجاست کے مترادف ہے اور عورت

شیطانی مخلوق ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے اور نکاح عوام الناس کی ایک حیوانی

ضرورت ہے۔ جس سے پارسا اور متقی لوگوں کو احتراز کرنا چاہیے۔

رہبانیت

غرض ایک طرف رومی سلطنت کی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں اور دوسری طرف

رہبانیت تھی۔ جو جکل اور دیہات میں پناہ لیتی پھرتی تھی۔

یہی اپنی کتاب ”تاریخ اخلاق مغرب“ میں لکھتا ہے :

”قرون وسطیٰ کے لوگ دو انتہاؤں پر تھے۔ ایک انتہا رہبانیت تھی اور

دوسری انتہا فسق و فجور تھی۔

جن شہروں میں فسق و فجور زیادہ تھا۔ انہیں شہروں میں بڑے بڑے زاہد بھی

پیدا ہوئے۔ اس دور میں گناہ اور توہم پرستی کی گرم بازاری تھی اور دونوں ہی انسانی شرافت

کے دشمن ہیں۔“  
لیکن رہبانیت کے زیر سایہ بڑھنے والی جنسی نفرت کی ان الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہے۔

”لوگ عورت کی پرچھائیں سے بھی ڈرتے تھے۔ عورتوں کی مجلس میں بیٹھنا بھی گناہ خیال کیا جاتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ عورتوں سے سربراہ ملاقات ہو جانا یا ان سے بات کر لینا۔ ان کے سارے نیک اعمال اور روحانی جدوجہد کو ملیا میٹ کر دے گا۔ اگرچہ وہ عورتیں ان کی اپنی مائیں بہنیں اور بیویاں ہی کیوں نہ ہوں۔“

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب ”پردہ“ میں مغربی مفکرین کے بعض اقوال نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”ان کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے۔ مرد کے لیے معصیت کی تخریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے۔ تمام انسانی مصائب کا آغاز اسی سے ہوا ہے۔ اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس کو اپنے حسن و جمال پر شرمنا چاہیے کیونکہ وہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اس کو دائماً کفارہ ادا کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ وہ دنیا اور دنیا والوں پر مصیبت لاتی ہے۔“

ترنوبیان  
جو ابتدائی دور کے آئمہ مسیحیت میں سے تھا۔  
عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے۔

”وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی۔ خدا کے قانون کو توڑنے والی، اور خدا کی تصویر۔ مرد کو فارت کرنے والی ہے“  
کرائی سوٹم  
جو مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار کیا جاتا

ہے۔ عورت کے حق میں کہتا ہے۔

”ایک ناگزیر برائی۔ ایک پیدائشی دوسرے، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ  
ایک غارت گرد برائی، ایک آراستہ مصیبت“  
ان کا دوسرا منظر یہ تھا کہ عورت اور مرد کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست  
اور ایک قابل اعتراض چیز ہے۔ خواہ وہ نکاح کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو۔“

### رہبانیت کا جاہلی رد عمل

اس منحرف جاہلی منظر پر کانہ۔ جس کا نہ کسی دین نے حکم دیا تھا اور نہ کسی نبیؑ نے کہا تھا  
— ایک شدید جاہلی رد عمل رونما ہوا۔ اور یہ رد عمل بہت آہستہ آہستہ سامنے آنا اور اس کے  
بہت سے اسباب تھے۔

اس رد عمل کا ایک سبب وہ اخلاقی بگاڑ تھا جس کا شکار خود کلیسا واسے تھے اور وہ  
جنسی بگاڑ تھا جو راہب اور راہبات کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا جس سے کلیسا کی عمارت  
مترزلزل ہو گئی اور رہبانیت کی ساری قدیں خاک میں مل گئیں اور لوگوں نے جب اس خالی خولی  
پاکبازی کو دیکھا۔ تو وہ بھی شہوت پرستی کے مواقع ڈھونڈنے لگے۔

انسانیت کی حیوانی تعبیر — جس کو فرائنڈ نے عمل کی جنسی تعبیر پیش کر کے ملک  
پہنچائی — نے یکنخت زندگی کو بگاڑ کے راستے پر گامزن کر دیا۔

صنعتی انقلاب بھی اس جاہلی رد عمل کا ایک بنیادی سبب تھا۔ جس نے عالمی نظام کو  
پارہ پارہ کر کے نوجوانوں کو دیہاتوں سے شہروں میں لا ڈالا۔ جہاں اخلاقی بندشیں ڈھیل تھیں  
اور جہاں ان نوجوانوں کو اتنی آمدنی نہیں تھی کہ وہ گھریلو زندگی کی بنیاد رکھ سکتے۔ اس کے بجائے  
جنسی جھوک کے مٹانے کے لیے سستے اور غیر اخلاقی ذرائع مہیا کیے گئے!

اس کے ساتھ ہی عورت کو بھی میدان عمل میں لایا گیا اور اس کو ایک لقمہ کے بدلہ  
اخلاقی بے راہ روی پر مجبور کیا گیا۔ ساتھ ہی عورت کو ”ساوات“ کی راہ بھی بھائی گئی اور اس  
”ساوات“ میں بے حیائی اور بدکاری بھی شامل تھی!

یہ تمام اسباب زندگی کو ایک ہمہ گیر بگاڑ سے بھگنا کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ عالمی صیہونیت  
نے زندگی کی اس روش کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں لگا لیا۔ چنانچہ مارکس فرائنڈ اور دیگر کامی اخلاقیات کا

ٹھٹھا اڑانے میں لگ گئے اور عورت کو دعوت دی کہ وہ جنسی بے راہ روی اپنا لے تاکہ وہ مرد سے قریب تر ہو سکے۔

پھر سینما — جو بنیادی طور پر ایک یہودی صنعت ہے — ریڈیو اور ٹیلی ویژن جنسی بے راہ روی اور لذت پرستی کی نئی نئی راہیں سلجھانے پر لگ گئے۔

اس کے بعد فیشن کے مراکز... اختلاط کی معاشرتی روایات اور پھر آخر میں اباحت مطلقہ! یہ سارا لگاڑ بہت آہستہ آہستہ اور بتدریج رونما ہوا۔ کیونکہ اخلاق پرست اباحت سے گریزاں تھے اور ترقی پسند۔ اور روشن خیال لوگ ہر لگاڑ کو خوب بنا سنوار کر پیش کر رہے تھے چنانچہ دونوں گروہوں میں کش مکش لازمی تھی — لیکن — بہر حال پلٹا اباحت کا ہی بھاری رہا۔ کیونکہ اس طبقہ کو نشر و اشاعت کے تمام ذرائع پر قدرت حاصل تھی اور سرمایہ داری — جو بنیادی طور پر ایک یہودی نظام ہے — کے تراشے ہوئے اقتصادی حالات لوگوں کو اس بات کی سہولت نہیں دیتے تھے کہ وہ عین عالم شباب میں پاکیزہ نکاح کر سکیں۔ بلکہ غیر شادی شدہ نوجوانوں کو ہر قسم کی جنسی بے راہ پر اکسایا جاتا اور عورت کا حصول کچھ زیادہ مشکل نہ تھا کیونکہ عورت میدان عمل اور تعلیمی اداروں میں مرد کے دوش بدوش موجود تھی ساتھ ہی صحافت، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن نے عورت کو غرور و تازہ کے تمام آداب بھی سکھائے۔

سرکاری اور غیر سرکاری عصمت فروشی کے اڈے قائم کئے گئے۔ تفریح گاہیں اور کلب قائم کئے گئے۔ جہاں دلال اس ذلیل ترین تجارت کے لیے گاہک تلاش کرتے تھے۔

ان تمام برائیوں کی اشاعت کے بعد لوگوں کے ذہنوں میں یہ فکر القار کی گئی کہ زندگی صرف تعیش پرستی اور لطف اندوزی کا نام ہے اور جب تک انسان بالکل میر نہ ہو جائے خوب خوب داو عیش دے اور زندگی انسان کے لیے ایک ناقابل واپس موقع ہے۔ اس سے انسان جس قدر فائدہ اٹھا سکتا ہے اٹھائے۔

## اختلال پذیر معاشرہ

یہ تمام اسباب مل کر جاہلیت جدیدہ کی پیدائش کا سبب بنے۔ چنانچہ سارا معاشرہ اختلال پذیر ہو گیا اور معاشرے کی سخت ترین بندشیں کھل گئیں اور اس کی جگہ انتہائی صلت پسندی

اور اخلاق بے راہ روی نے لے لی !

عورت کو آزادی ملی اور لوگ بھی دین اخلاق اور روایات کی بندشوں سے آزاد ہو گئے اور ابا حیت پسندی لوگوں کا دین بن گئی جس کے لئے مہارست ہر قسم کی سہولتیں مہیا کرتی اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع اسی کے پرچار میں لگ گئے ۔

دل ڈیورنٹ اپنی کتاب "فلسفہ کی نیرنگیاں" میں کہتا ہے :

دہم ایک مرتبہ پھر اسی کش مکش سے دوچار ہیں جس سے سقراط گذر چکا ہے ہم

ایسے طبعی اخلاق کہاں سے لائیں جو آسمانی سرزنش کی جگہ لے لیں جس کا اثر

لوگوں کی زندگی سے تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اخلاقی بگاڑ ہمارے اجتماعی سرمایہ

کو تباہ کرتا جا رہا ہے ۔" (ص - ۶ - جلد اول)

"ضبط ولادت کی روایں بھی ہمارے اخلاقی بگاڑ کا ایک اہم سبب ہیں -

ماضی میں اخلاقی قانون جنسی تعلق کو نکاح کے ساتھ مشروط قرار دیتا تھا۔ کیونکہ

نکاح ہی ایک ایسی ممکنہ شکل ہے جس میں باپ اپنے بچے کا ذمہ دار قرار دیا جا

سکتا ہے لیکن اب تو جنسی تعلق اور نسل کشی کا رشتہ ہی منقطع ہو گیا جس کے نتیجہ

میں مرد و زن کے تمام رشتے تغیر پذیر ہوتے جا رہے ہیں۔" (ص، ۱۲۰، جلد اول)

"شہری زندگی نے شادی بیاہ میں رکاوٹیں کھڑی کر کے جنسی بے راہ روی کے

ان گنت راستے کھول دیئے ہیں۔ اب تو جنسی بلوغت بھی تاویل پذیر تھا جاگیر داری

نظام معیشت میں اگر جنسی خواہش کا دبانہ ایک امر معقول تھا۔ تو اب صنعتی نظام

میں یہ ایک انتہائی دشوار کام ہے۔ کیونکہ صنعتی نظام لوگوں کو تینیس کی عمر ہو جانے

تک نکاح کے مواقع فراہم نہیں ہونے دیتا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کی طبیعت

میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور ضبط نفس کی صلاحیت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اب

صورت حال یہ ہے کہ عفت و پاک دامنی ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے۔

شرم و حیا کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ مرد اپنی بے راہ روی پر فخر کرتے ہیں عورتیں

بے حیائی میں مردوں سے مساوات چاہتی ہیں شادی سے قبل جنسی اختلاط ایک

جانی پہچانی روایت بن چکا ہے۔

اور اب جاگیر داری نظام کا اخلاقی بندھن ٹوٹ چکا اور آج کے صنعتی دور میں اس

اخلاق کی کوئی قیمت نہیں ہے۔" رص - ۱۲۶ - ۱۲۷

"یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ازدواجی زندگی کی اس تاخیر سے کیا کیا معاشرتی فرامیاں

روٹا ہوتی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ازدواجی زندگی کی غیر فطری تاخیر معاشرتی خرابی

کا بنیادی اور اہم سبب ہے اور ازدواجی زندگی کے بعد کی ابا حیت پسندی کی

وجہ شادی سے قبل اس کی عادت ہو جانا ہے۔

ہم اس پُر شکوہ صنعتی دور میں کبھی کبھی زندگی اور اجتماع کی علتیں تلاش کرتے

ہیں اور کبھی یہ سوچ کر رہ جاتے ہیں کہ یہ ایک ایسی دنیا ہے جس سے اب

کوئی راہ فرار نہیں ہے اور یہی راستے اب موجودہ دور کے سارے مفکرین کی

ہے۔ لیکن کیا یہ شرمناک بات نہیں ہے کہ امریکہ کی نصف ملین لڑکیاں اپنے

آپ کو ابا حیت پسندی کی نذر کہ چکی ہیں۔ اور کلب اور عریاں لڑکیاں سچے ازدواجی

زندگی سے محروم لوگوں میں جنسی ہیجان برپا کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ جب کہ

یہ بیچارے صنعتی دور کی لاقانونیت کے بھی مریض ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ بھی کچھ کم افسوس ناک نہیں ہے۔ کیونکہ ہر وہ شخص جس کی

ازدواجی زندگی میں تاخیر ہو۔ وہ بازاری عورتوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور

اس عرصہ میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے پورا بنا سنورا نظام اپنے علمی اداروں

سے واضح رہے کہ مصنف کی بحث "تاریخ کی مادی تعبیر" کی روشنی میں ہے۔ وہ معاشی انقلاب

کو اخلاقی بگاڑ کا سبب بتاتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی کہ اشتراکیت

جو لوگوں کی رازق ہے اور جس نے سرمایہ داری سے نجات دلائی ہے۔ نے بھی

اپنے نوجوانوں کو بردقت نکاح کی طرف متوجہ نہیں کیا ہے۔ جب کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے

لوگوں کے کاندھوں سے معاشی بوجھ اٹھالیا ہے۔ حقیقت میں یہ معاشی انقلاب نہیں بلکہ سانیت

کی تباہی کے لئے ایک چال ہے۔

کے ساتھ پایا جاتا ہے اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خواہشاتِ نفس کے ابھارنے کے لئے عجیب و غریب طریقے ایجاد کر لئے گئے ہوں۔ (ص ۲۷-۲۸)

”غالب گمان یہ ہے کہ لذت پرستی کے رجحان میں ڈارون کے مذہبی خیالات پر حملوں نے بڑا اضافہ کیا ہے۔ جب لو جوانوں نے یہ دیکھا کہ مذہب ان کی لذت پرستی کے خلاف ہے تو انہوں نے بھی مذہب کو نکمّا اور گھٹیا ثابت کرنے کے لیے ایک ہزار اسباب تلاش کر لیے“ (ص ۱۲۲-)

”کیونکہ موجودہ دور میں نکاح اپنے صحیح معنوں میں باقی نہیں رہا۔ بلکہ ایک جنسی تعلق ہو کر رہ گیا ہے۔ اس لئے عائلی زندگی کی بنیادیں ہی ہل گئی ہیں۔ اب ازدواجی زندگی میں، زندگی کے آثار ختم ہو گئے۔ نتیجہ یہ کہ زن و شوہر میں ایک قسم کی اجنبیت سی پرورش پاتی رہتی ہے حتیٰ کہ علیحدگی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مرنے کی طبعی خواہشات از سر نو ابھر آتی ہیں۔ جن کی تکمیل سے اس کی بیوی قاصر ہوتی ہے۔“ (ص ۲۲۵-)

”ذرا ہم کچھ اہل علم سے اپنے موجودہ اعمال کے نتائج تو معلوم کر کے دیکھیں، جو ظاہر ہے کہ ہماری منشا کے مطابق نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ہم گونا گوں تبدیلیوں اور تغیر کا شکار ہیں۔ جن کا انجام یقینی اور ناقابلِ فرار ہے۔“

آخر عاداتِ رسم و رواج اور مختلف نظاموں کے اس سیل بے کراں کا نتیجہ کیا ہو گا جب کہ گھر بھر کی زندگی تقریباً ختم ہوتی جا رہی ہے اور بیک زوجی کا دستور اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔ اب تو یہی ہو گا کہ جنسی تعلقات سے نسل کشی کا مقصد قطعی طور پر فوت ہو جائے گا۔ اگرچہ اس قسم کے آزادانہ تعلقات زیادہ تر مرد ہی کی جانب سے ہوں گے لیکن عورت بھی تنہا زندگی گزارنے سے اس روش ہی کو عقیمت خیال کرے گی۔

ازدواجی رشتے ٹوٹ جائیں گے اور عورت مرد کو شادی سے قبل تجربہ پر آمادہ کرے گی۔ طلاق کی کثرت ہو جائے گی۔

پھر نکاح کا نظام از سر نو استوار کیا جائے گا۔ جس میں زیادہ سہولتیں ہوں مضبوطی و ملائمت  
ایک عام سی بات ہو جائے گی اور بچوں کی پرورش کے لئے گھریلو ماحول کی  
بجائے سرکاری تربیت گاہیں قائم ہو جائیں گی۔ (ص ۲۳۵-۲۳۶)

یہ اقتباسات ایک مغربی مصنف کے ہیں اور کسی تبصرہ کے محتاج نہیں!

## ہم گریبگاڑ

جن ضابطوں کی مصنف نے نشاندہی کی ہے جو فی الواقع اس جنسی بے راہ روی کی بنا  
پر نفس انسانی اور معاشرے میں رونما ہو چکی ہیں۔ ”وہ جاہلیت جدیدہ کی برائیوں کی طرف سے  
ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔ ان برائیوں نے پوری کی پوری انسانیت کو ہلاکت و  
تباہی کے کنارے لاکھڑا کر دیا ہے۔ صرف اخلاق ہی نہیں بلکہ نفس انسانی اور معاشرے کا کوئی  
پہلو ایسا باقی نہیں رہا۔ جو بگاڑ سے بھگتا رہتا ہو۔“

مصنف نے جو گھناؤنی تصویر پیش کی ہے۔ اس کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے۔ پھر قابل توجہ  
بات یہ ہے کہ مصنف نے یہ کتاب ۱۹۲۹ء میں لکھی تھی اور اب ہم ایک بھیانک جاہلیت کے  
دور یعنی بیسویں صدی کے نصف آخر میں ہیں۔ اب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مصنف  
نے جو پیشین گوئی کی تھی۔ وہ بالکل سامنے آگئی ہے اور جاہلیت کی برائیاں دنیا کے گوشے گوشے  
میں اس طرح پھیل گئی ہیں کہ اب اگر خود جاہلیت بھی انہیں ختم کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔ کیونکہ  
زمام کار اب جاہلیت کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ اور جاہلیت کو اپنے بگاڑ پر کوئی قدر  
حاصل نہیں رہی ہے! اور یہ حالت اس وقت ہے۔

جیکہ مندرجہ بالا اقتباسات بگاڑ اور فساد کی پوری پوری تصویر کشی نہیں کرتے۔

میں نے اس موضوع کو اپنی کتاب ”اسلام اور جدید بلوی افکار“ کے ایک باب ”جنسی الجھن“ میں تفصیل  
سے ذکر کیا ہے اور ایک دوسرے انداز سے یہ بحث ”جمود و ارتقار“ میں بھی آگئی ہے۔ اگرچہ  
ان مباحث کو یہاں نقل کرنا مقصود نہیں ہے۔ البتہ اس مجنونانہ جاہلیت کی ایک جھلک ضرور  
دکھانا ہے کہ جب جاہلیت نے جنسی معاملات میں انسان کا تعلق ”انسانیت“ سے منقطع  
کر کے ”حیوانیت“ سے منسلک کر دیا۔ تو اس کے کیا نتائج ظہور پذیر ہوئے۔



اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو بڑے نپے تکی اصول و قواعد کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے اور یہی اصول پوری انسانی زندگی کو کنٹرول کیئے ہوئے ہیں۔ اگر ذرا بھی انسان اس معیار سے ہٹ جائے تو یہ انحراف اس کے لئے ہلاکت خیز ہوگا۔ اور انسان کبھی بھی فلاح و کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے گا۔

فطرت سے مقابلہ بھی بے سود ہے۔ کیونکہ دلیل فطرت ہر باطل دلیل پر غالب آکر رہتی ہے۔ اب ذرا اس بات پر غور فرمائیے کہ جب لوگ ماضی کی گھمبیر جاہلیت سے نکل کر خواہشات نفس اور جنس پرستی میں گھر کر رہ گئے تو اس کے کیا نتائج ظہور پذیر ہوئے! کیا شہوت رانیوں سے لوگوں کا جی بھر گیا؟

و آزادی کے علمبردار تو بھی کہتے تھے کہ بندشوں اور ممانعتوں سے جنسی اشتعال بجائے کم ہونے کے اور بڑھتا ہے۔ بیشک یہ بات درست ہے۔ لیکن اس صورت میں جب کہ بندشیں حد اعتدال سے متجاوز اور غیر معقول ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس بے قید اباحت کا کیا نتیجہ نکلا؟ پوری دنیا اباحت پسندی کا شکار ہے اور اس کے پورے پورے مواقع مہیا ہیں۔ لیکن کیا اس بے قید و بند اباحت سے جنسی بھوک مٹ گئی ہے؟

آخر کیا بات ہے کہ موجودہ دور میں لوگ جنس میں بہت زیادہ لہجے ہوئے ہیں؟  
فہمیں... کتابیں... افسانے... شرمناک تصاویر... ریڈیو اور ٹیلیوژن کے پردہ گرام... گانے... مخلوط قسم کی محفلیں... سب پر جنس چھائی ہوئی ہے!

اور ان تمام مواقع پر نہایت سہولت کے ساتھ اختلاط کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں! لیکن اس کے باوجود بھی یہ بھوک ختم نہیں ہوتی۔

ہم اس وقت اخلاقی نقطہ نظر سے گفتگو نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم اس امن و سکون کے بارے میں بات کر رہے ہیں جس کا پورا پورا حصہ ہر انسان کو ملنا چاہیے۔ کیونکہ انسانی زندگی کے مقاصد حیوانات سے قطعاً مختلف ہیں اور ہم ان انسانی اقدار کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو قلب انسانی میں جاگزیں ہیں اور جو ایک صالح اور بلند زندگی کی وہ انتہا ہیں جو پورے انسانی وجود کو ایک ساتھ لے کر آگے بڑھتی ہیں!

دماغی سبے چینی، اعصابی کھپاؤ، جنون اور خودکشی اس اباحت پسندی کے وہ نتائج

ہیں جو اس نے اب تک انسانیت کو دیتے ہیں۔

رہ گئی عائلی زندگی تو اس میں نہ آرام و سکون باقی رہا اور نہ ہی کوئی مضبوط ازدواجی رشتہ باقی رہا۔ جس ازدواجی زندگی میں ننھے منے بچے اس رشتہ کو مزید مضبوط اور اس تعلق کو زیادہ گہرا اور پُر خلوص بنا دیتے ہیں! بلکہ اب تو ازدواجی زندگی جانوروں کے معیار سے بھی گریز ہے کیونکہ بہت سے جانور اپنی ازدواجی زندگی کو طویل وقت تک برقرار رکھتے ہیں اور اس کا سبب وہی ہے جو دل ڈیورنٹ بتاتا ہے۔ یعنی ابا حیت!

رقص و سرود کی محفلوں اور زندگی کے مختلف گوشوں میں مخلوط طرز زندگی کے باعث نوجوان ابتدائے شباب ہی میں جنسی بے راہ روی کے عادی ہو جاتے ہیں اور اس بے راہ روی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس طرح مرد و زن ایک دوسرے کی عادات مزاج سے بخوبی واقف ہو جاتے ہیں اور شریک حیات تلاش کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ لیکن جوتایہ ہے کہ یہ مقصود تو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور ابا حیت پسندی ہی اصل مقصود بن جاتی ہے پھر اس جنسی بے راہ روی کے عادی ہونے کے بعد جب نوجوان اپنی شریک حیات تلاش کر لیتے ہیں تو ان کا عائلی تعلق چند مہینوں یا چند سالوں سے زیادہ باقی نہیں رہتا! اس کے بعد یہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد انسانیت پر نہیں، بلکہ جنس پرستی پر ہے۔ جنس پرستی ہی دوستی کا سبب بنی اور یہی بالآخر ازدواجی تعلقات کا سبب بنی۔ اور اسی کے نتیجہ میں ازدواجی تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور زن و شوہر سے اپنی پرانی روش پر گامزن ہو جاتے ہیں! — کیونکہ عورت میں بھی نازد انداز کے تمام طریقے بدستور موجود ہوتے ہیں اور مرد بھی حسب سابق عورتوں کے لئے قابل توجہ رہتا ہے۔ چنانچہ زن و شوہر اپنے اپنے دوست بناتے ہیں حتیٰ کہ دونوں میں جدائی تک کی قربت آ جاتی ہے۔

امریکیوں نے راہ روی امریکہ میں ہر قسم کی بے راہ روی کی اجازت ہے۔ بلکہ قانون کی حمایت حاصل ہے اور تمام ذرائع نشر و اشاعت بھی اس ابا حیت پسندی کی تائید میں لگے ہوئے ہیں اور ایک مکمل فلسفہ ابا حیت کی تائید و توثیق میں گھڑ لیا گیا ہے۔ لیکن اسی امریکہ کی بعض ریاستوں میں ۱۹۲۰ء فی صد جہڑوں میں طلاق واقع ہوتی ہے! اور یہ تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

یہی حال شمالی یورپ کے ممالک کا ہے جو جاہلیت جدیدہ میں نہایت ترقی یافتہ ہیں! — گویا گھر بونہادگی بھی تباہ ہوئی! اور نچے بھی فطری محبت سے محروم اور بے سہارا ہوئے! — پھر ان لاوارث بچوں کو اقتصادی ضمانتیں مہیا کی جاتی ہیں لیکن ان معصوم بچوں کو احساسِ شعور کی ضمانت کون دے سکتا ہے!!

پھر اس جاہلیت جدیدہ میں بچوں کا ایک مسئلہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ مغرب کی فسق و فجور سے بھری ہوئی زندگی بچوں کے جنسی شعور کو قبل از وقت ابھار دیتی ہے اور اس سے پہلے کہ عالم اور اندرونی زندگی کا کوئی تجربہ حاصل ہو نچے جنسی طور پر بالغ ہو جاتے ہیں اور اس بدکار نظام حیات میں نوجوان اپنی جوانی کے بالکل ابتدائی دور میں جنسی تجربات کیتے ہیں اور جنسی شذوذ کا شکار ہو جاتے ہیں!

جن ممالک میں جنسی آزادی ہے۔ وہاں ”جنسی شذوذ“ کی بڑھتی ہوئی رفتار ایک بھیانک مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔

امریکیوں کی جنسی زندگی کے بارے میں کمزری کی تقریر پہلا علمی مطالعہ ہے۔ لیکن اس میں صرف اعداد و شمار بتائے گئے ہیں۔ نہ تو اس مسئلہ کے اسباب کا تذکرہ ہے اور نہ کسی علاج کی تلاش! اس جنسی کج روی کا بیان ہم اپنی متعدد کتابوں میں تفصیل سے کر چکے ہیں اور یہاں اس کا تذکرہ اختصار کے ساتھ اعداد و شمار کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

اباحیت پسندی کی اخلاقی برائیاں یہ ہیں کہ — اقوامِ عالم انحطاط و تنزل کا شکار ہیں اور مقابلہ کے میدان میں ان کے قدم جتنا مشکل ہو رہے ہیں۔ اور اب اخلاقی بگاڑ حکومت کی مشینری پر اثر انداز ہو رہا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ایک لذت گناہ کے بدلہ فوجی رازدشمنوں کے جاسوسوں کو فروخت کیے جا رہے ہیں۔ انگلستان کے پروفیسر اور امریکی سیاسی شخصیات کے کردار اپنے سامنے رکھیے۔۔۔! مستقبل کے بارے میں ترسو

روس اور امریکہ جیسی دو جدید کی عظیم طاقتیں، نوجوانوں کی جنسی بے راہ روی سے پریشان ہیں اور ملک کے مستقبل کے بارے میں متاہل ہیں اور ان کو یہ فکر ہے کہ یہ نوجوان وطن کو تباہی سے بچاسکیں

گے یا نہیں۔ اور یہ حقیقت فطرت کا ایک چیلنج ہے اور یہ صرف اخلاقی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ پوری انسانیت کے مستقبل کا سوال ہے کہ اس ابا حیت پسندی نے انسانیت ہی کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے۔ میں نے اپنی کتاب "جمود و ارتقاؤں میں بتایا ہے کہ ابا حیت اور اس کے لازمی نتائج جاہلیت جدیدہ کا خاصہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ہر اس جاہلیت کی علامات ہیں جو دنیا میں کبھی ظہور پذیر ہوئی ہو۔

ابا حیت یونانی اور رومی جاہلیت میں بھی تھی۔ جس طرح ایرانی جاہلیت میں تھی — اور ان تمام جاہلیتوں کی ہلاکت کا سبب بنی۔ جیسا کہ ابا حیت جاہلیت جدیدہ میں بھی پائی جاتی ہے اور اس میں بھی انسانیت تباہی سے ہمکنار ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ جاہلیت جدیدہ کی ہلاکت خیر ہی زیادہ بھیانک اور زیادہ شدید ہے۔ کیونکہ قدیم جاہلیتوں میں بگاڑ اپنی طبعی رفتار سے بڑھتا تھا — مگر جاہلیت جدیدہ بگاڑ و فساد کو علمی سہارے دے دے کر اسے پروان چڑھا رہی ہے!

بگاڑ اور ابا حیت کو معقول بنانے والے نظریات و افکار ہر جاہلیت میں پائے گئے ہیں۔ لیکن قدیم جاہلیتوں میں ان کا انداز غیر علمی ہوتا تھا — اور — جاہلیت جدیدہ میں یہ افکار و خیالات خالص علمی اور سائنٹیفک انداز میں پیش کیے جا رہے ہیں اور تمام ذرائع نشر و اشاعت کو اس "نیک کام" میں لگایا دیا گیا ہے — اور پس منظر میں عالمی صیہونیت خوشی اور شادمانی سے تالیاں بجا رہی ہے کہ وہ غیر یہودیوں کا اخلاق خراب کرنے کے "مبارک کام" میں کامیاب ہو گئی ہے!

ہم نے اس ساری بحث میں اخلاقی نقطہ نظر کو نہیں لیا۔ کیونکہ اگر ایسا کرتے تو کچھ لوگ کہہ دیتے کہ اخلاق کا واقعیاتی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لیکن بیسویں صدی کی جاہلیت میں جو واقعیاتی حقیقت ہمیں صاف اور کھلم کھلا نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اخلاقی بگاڑ ہی انسانی نفس اور انسانی معاشرے کی تباہی کا باعث ہے اور اخلاقی بگاڑ ساری واقعیاتی زندگی میں فوراً سراپت کر جاتا ہے!

واقعیاتی زندگی کا بگاڑ درحقیقت اخلاقی بگاڑ ہی ہے — سیاسی، اجتماعی، اقتصادی

اور جنسی کسی بھی قسم کا بگاڑ ہو وہ درحقیقت انسانی فطرت کا بگاڑ ہے۔ اخلاق زندگی سے غیر متعلق کوئی نظر باقی شے نہیں ہے۔ بلکہ اخلاق فطرت کے وہ لافانی اصول ہیں۔ جو حقیقی انسانی زندگی میں کار فرما ہیں۔

جاہلیت جدیدہ — باوجود ہمہ قسم کی روشن خیالی کے — حقیقت فطرت سے زیادہ بے بہرہ — اور ان اصول فطرت سے جو اخلاق کی نشوونما کرتے ہیں بہت دور ہے۔

# آرٹ اور فن کا بگاڑ

آرٹ اور فن زندگی کی ایک شکل ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں! "واقعیت پسند" حضرات کہتے ہیں کہ فن برائے زندگی ہے اور فن برائے فن کوئی چیز نہیں ہے۔

ان حضرات کو غور کرنا چاہیے کہ تاریخ کے جس حصے میں فن وجود میں آتا ہے اور جب یہ محسوس ہوتا ہے کہ فن برائے فن وجود میں آیا ہوگا۔ اس وقت بھی فن لوگوں کی زندگی کا عکاس ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر لوگ اس فن میں دلچسپی نہ لیتے تو نہ وہ وجود میں آتا اور نہ ہی لوگوں میں رواج پاتا۔ آپ بطور مثال "رومانیٹ" کو لے لیجئے۔ اس میں زندگی سے فرار اور تخیل پسندی اسی لئے پائی جاتی ہے۔ کہ یہ فن برائے فن تھا۔ اور اس لئے بھی کہ لوگ اس وقت فی الواقع زندگی سے فراری اور تخیل پسند تھے! اس لئے ہم کہتے ہیں کہ آرٹ اور فن زندگی کی ایک شکل ہے۔ خواہ وہ زندگی سے فرار کی عکاسی ہی کیوں نہ کرے!

یہ بحث اصل میں "تنقید فن" سے متعلق ہے۔ لیکن یہاں پر گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ایک جاہلی معاشرے میں نشوونما پانے والے "جاہلی فنون" کے انحرافات کا علم ہو سکے! کیونکہ فن زندگی کا عکاس ہے۔ اس لئے جوں جوں زندگی بگاڑ کی شکار ہوتی جائے گی۔ اسی قدر فن میں بھی انحراف اور بگاڑ رونما ہوتا جائے گا!

ہم نے اپنی کتاب "اسلامی فن کا طریقہ کار" میں ان تمام فنی موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ یہاں صرف چند اصول کے بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔

سب سے پہلی اور سب سے اہم بات جو مغربی فنون میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ تمام فنون "دشٹی" ہیں۔ دشٹی ماحول میں پیدا ہوتے ہیں اور آخر کار انسان کو بھی دشٹی بنا دیتے ہیں۔

بیشک ان فنون میں انسانیت کے بہترین اور بلند نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ فنی نمونے انسان کے قلب کی گہرائیوں میں اتر کر اس کے غم و الم اور فرح و شادمانی کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں اور انسانی شعور کو عالم بالا تک پہنچا دیتے ہیں۔

اور ان بلند اور اعلیٰ فنی مثالوں کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ فن کو حقیقت میں دشٹی ہی ہونا چاہیے۔ اور دشٹیت ہی کسی فن کی تحسین و تجرید کا سبب بنتی ہے!

فنی انحراف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ نمونوں کا وجود بعینہ جاہلیت ہی کی طرح ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ جاہلیت سر پا شرمین جائے اور اس میں خیر و بھلائی کا نام و نشان نہ رہے۔ نفس انسانی سر تا پا برائی نہیں بن سکتا۔ اس کے وجود کے کسی نہ کسی گوشے میں کوئی نہ کوئی صداقت ضرور موجود ہوتی ہے! ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ بے ربط اور معمولی سی صداقت انسانیت کو جاہلیت کی تباہ کاریوں سے نہیں بچا سکتی۔ بلکہ انسانیت کو اپنی جھولی میں ڈال کر مسلسل و لودنی ہلاکت کی طرف لڑھکتی چلی جاتی ہے!

تاریخ کے تمام ادوار میں مغربی فن کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ ہمیشہ دیوتاؤں اور

انسان کی کش مکش کی عکاسی کرتا کرتا ہے!

میں اس وقت یہ نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ میں نے اس موضوع پر فی الحال غور نہیں کیا۔

بلکہ چاہتا ہوں کہ کوئی دوسرا شخص غور کرے۔ کہ جس حد تک مغربی فن نے دیوتاؤں اور انسان کی کش مکش کی عکاسی کی ہے۔ اگر اسی حد تک فن اللہ اور انسان کے مابین صحیح تعلقات کی ترجمانی کرے تو اس وقت فن کی کیا نوعیت ہوگی؟

---

لہٰذا ہندی فن بظاہر فنانی اللہ کا عکاس ہے اور یہ بات مجھے کسی اور فن میں نہیں ملی۔ بہر حال میری خواہش یہی ہے کہ میرے سوا کوئی اور اس ذمہ داری کو محسوس کرے۔ کیونکہ یہ ایسا موضوع ہے جس کا مطالعہ تاریخ فن پر مزید روشنی ڈال سکے گا!

مغربی فن کا دیوتاؤں اور انسان میں کش مکش کا عکاس ہونا ہی اس میں بگاڑ کا سبب بنا ہے کیونکہ فن بھی عقیدہ میں رونما ہونے والے درجہ بدرجہ تمام انحرافات سے متاثر ہوتا ہے۔

## اثبات ذات

یورپ کی ابتدائے تاریخ میں یونانی فن دیوتاؤں اور انسان کی شدید کش مکش کا عکاس رہا اور تمام مشہور یونانی ڈراموں میں اس تخیل کی جھلک پائی جاتی ہے۔

انسان اپنے وجود کا اثبات چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ تقدیر اور دیوتاؤں سے جنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس جنگ میں ہمیشہ انسان حق پر ہوتا ہے اور دیوتا باطل اور ناجائز طریقوں سے اس پر حکمران ہونا چاہتے ہیں۔ اس المیہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ "بطل صالح" انسان — تقدیر یا دیوتاؤں کے ہاتھوں شکست کھا جاتا ہے اور ظالم دیوتا اس پر کوئی رحم نہیں کھاتے۔ بلکہ اس کے اس گناہ پر سزا دیتے ہیں کہ وہ دیوتاؤں کے مقابلہ پر اپنے وجود کو اپنے نفس کا دیوتا اور اپنی ذات کو اپنی تاریخ کا خالق بنا نا چاہتا ہے۔

اس المیہ کے اختتام پر یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان نیچو کار اور مظلوم ہے اور دیوتا شریرو ظالم ہیں۔ اور ظالم جبروت اور مظلوم نیچو کار میں صلح کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا! اس جاہلی تصور کے زیر سایہ وہ فنی لو اور وجود پذیر ہوتے ہیں جو نفس انسانی کی گہرائیوں تک پہنچ جاتے ہیں اور کبھی کبھی انسان کو آفاق کی بلندیوں تک لے جاتے ہیں۔ لیکن کش مکش کی پیدا کردہ مسموم فضا ان ساری فنی خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔

اس کی تخیل نفسی کے طور پر یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ یہ انحراف درحقیقت، انسانیت کے زائد طفولیت کا انحراف ہے۔ جس کی تمثیل دور یونانی میں نظر آتی ہے۔

بچہ اپنی نگرانی کو توڑ کر اس سے اپنی ذات کا اثبات چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس نگرانی میں اس کی بے چارگی پنہاں ہے۔ جب کہ اس کے بڑے کسی دوسرے کے سامنے مجبور نہیں ہیں۔ تو وہ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کے لیے اپنے بڑوں کی نافرمانی اور سرکشی کرتا ہے اور جب یہ بگاڑ حد سے گذر جاتا ہے تو بچہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ بڑے اس کی شخصیت کو کچلنا چاہتے ہیں۔ جتنا وہ آمادہ سرکشی ہوتا جاتا ہے۔ اتنا ہی بڑے اس کی نگرانی اور دیکھ بھال زیادہ کرتے



جاتے ہیں۔ حتیٰ انکا اس میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ بڑوں سے انتقام لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے!

اور اس انحراف سے تجلی نفسیات بخوبی واقف ہے۔

بعینہ یہی انحراف یونانی جاہلیت میں رونما ہوا۔ اگرچہ اس جاہلیت میں جو فن تشکیل پایا اس میں بعض بہترین نمونے بھی تھے۔ لیکن اس انحراف کی بد نما پر چھائیں سے خالی نہ تھے۔ صرف پرومیتھیس کی کہانی اس کیش مکش کی عکاس نہیں ہے۔ بلکہ یونانی ڈراموں میں حتیٰ بھی کہانیاں ہیں وہ سب اسی قسم کی ہیں۔

بہر حال یہ انسانیت کے زماۃ طفولیت میں ہونے کے باوجود بھی انحراف ہی ہے کیونکہ اول تو ہرنچکے کے یہ احسانات نہیں ہوتے بلکہ جواباً بچے بھی بڑوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ پھر اگر کبھی بچہ بڑوں کی رول ٹوک کو محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ نفس تنقید کو ناپسند اور تعریف کو خوشگوار محسوس کرتا ہے۔ اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اپنی ذات پر اعتماد کر کے اور بڑوں کے تعاون سے مستغنی ہو جائے۔ لیکن معاملہ نفرت اور کراہت تک اسی وقت پہنچتا ہے جب انحراف ہو۔

یونانی جاہلیت میں یہی انحراف تھا اور یہ انحراف ان کے فن میں پوری طرح واضح ہے کیونکہ فن بھی نفس اور زندگی کی ایک شکل ہے۔ اور زندگی اور فن میں پائی جانے والی یونانی جاہلیت کی نشانیوں میں سے یہ پہلی نشانی تھی۔

## دو شنی عبادت

دوسری نشانی اور علامت خوبصورت اجسام کی 'دو شنی عبادت' ہے جس کے بارے میں لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ فن ہے۔

جاہلیتوں میں اس قسم کے بے شمار خیالات ہوتے ہیں جو تنقید کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔ چنانچہ یونانی زندگی کے بارے میں کہا یہ جاتا ہے کہ اس میں لوگ 'مجرد جمال' کی عبادت کرتے تھے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اس پرستش جمال کے نتیجے میں پوری سوسائٹی بد اخلاقی کا شکار تھی اور ساری یونانی تہذیب تباہی سے ہکنار ہو گئی تھی۔ جیسا کہ یونانیوں کی محبت اور جمال کی کہانیاں

ایسی بد اخلاقیوں سے پڑھ نظر آتی ہیں جس میں انسان اور دیوتا سب سر تا پا ڈوبے ہوئے ہیں۔  
 جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پرستش جمال کے پس پردہ جسمانی شہوت رانی اصلی محرک تھی!  
 نشاۃ ثانیہ سے لے کر آج تک مغربی فنون یونانی جاہلیت کے ان دو مندرجہ بالا بگاڑوں  
 انحراف سے متاثرہ چلی آتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے بعد کچھ وقت کے لیے فن اللہ کی طرف مائل نظر آتا ہے۔ اس شکل  
 میں جو مغربی کلیسا نے اللہ کی بنائی ہوئی تھی۔ اس پر بھی یونانی اور رومی تصورات غالب تھے کہ  
 اللہ کو ایک محسوس جسم میں ڈھال کر اس کے مجسمے بنا کر رکھ ڈٹے تھے۔ اور جب یہ دور ختم ہو گیا  
 تو میلینی تہذیب پھر سے فکری اور فنی رجحانات پر غالب آگئی اور لوگوں کو لے کر از سر نو  
 یونانی وثنیت کی طرف لے گئی۔

پھر یورپ پر ایک دور ایسا گذرا کہ اس میں یورپ دوسرا کردار ادا کرتا رہا۔ اس وقت  
 یورپ مسیحی بھی تھا اور میلینی بھی! عقیدہ مسیحی تھا اور فکر و فن میلینی! پھر آہستہ آہستہ وثنیت  
 کی جانب گامزن ہو گیا۔!

## تحریک رومانویت

اس کے بعد وہ دور بھی آیا جب یورپ نے کلیسا اور کلیسا کے خلد سے بھاگ کر طبیعت  
 کی پرستش شروع کر دی!

یہ دور مغربی فن کی تاریخ میں "تحریک رومانویت" کا دور کہلاتا ہے۔ اس میں بھی اللہ کا  
 وجود نظر آتا ہے۔ لیکن اللہ کے تصور میں انحراف ہے! کیونکہ رومانویت میں صرف "طبیعت" سے  
 دلچسپی کا اظہار نہیں۔ بلکہ طبیعت کی پرستش کی جاتی تھی۔ اور یہیں سے انحراف رونما ہوا۔

طبیعت کی پکار پر لبیک کہنا انسانی فطرت کی گہرائیوں میں پیوستہ شعور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ

لے یہاں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جب عیسائیوں کا مسلمانوں سے واسطہ پڑا تو یورپ  
 میں ایک تحریک اٹھی جو تمام تماشیل اور مجسموں کو توڑ دینا چاہتی تھی۔ اس تحریک کا علمبردار آٹھویں  
 صدی کا بیوسوم تھا اور یورپی پینٹنگ کی تاریخ میں یہ تحریک ۱۲۰ سال کام کرتی رہی۔ لیکن یہ تحریک اس  
 وثنیت کو کچلنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ طبیعت اور پوری کائنات کی پکار پر لبیک کہتا۔ اور ہر نوع جمال کو دیکھ کر مسرور ہوتا ہے۔

لہذا۔ ”جمال“ کی پسندیدگی انحراف نہیں۔ بلکہ جمال پسندی تو انسانی تشخص کا ایک لازمہ ہے اور اس کا نہ ہونا فطرت سلیمہ سے روگردانی ہے!

لیکن عبادت جمال۔ خواہ وہ کسی شکل میں ہو۔۔۔ ایک مثنوی انحراف ہے جس کی طرف وہ فطرت سلیمہ مائل نہیں ہو سکتی۔ جو خالق جمال کی عبادت کرتی ہے۔ اور جمال کو خوبصورتی کے بت تراش کر نہیں پوچھتی! اور ان دونوں باتوں میں ظاہر ہے کہ بہت نمایاں فرق ہے!

اس ذہنیت کی معقولیت ثابت کرنے کے لئے جو خوبصورت ترین جملے دہرائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ”طبیعت اللہ کی محراب ہے“ جمال اللہ کی صورت ہے۔ اور ہم اللہ کی عبادت اس کی مخلوق کی پرستش کر کے کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سے چمک دار رومانوی فقرے

ہیں۔ جو اس دثنوی روح پروردہ نہیں ڈال سکتے جو محسوسات کی پرستش کرنا چاہتی ہے۔ کیونکہ وہ روح کے ذریعہ اللہ کا ادراک نہیں کر سکتی۔۔۔ جبکہ روح محسوسات سے مستغنی ہوا کرتی ہے!

اس معنی میں ”تحریک رومانویت“ ”تحریک ذہنیت“ ہے۔ واقعیت پرستوں کے اس خیال سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کہ ”تحریک رومانویت“ اس لئے منحرف تھی۔ کیونکہ وہ زندگی کے ساتھ ساتھ نہیں چل رہی تھی بلکہ لوگوں کی فراری ذہنیت کی عکاسی کر رہی تھی!

اس بگڑی ہوئی تحریک رومانویت کی بناء پر یورپ نے ایک نئی فنی جاہلیت اپنالی اور اس نئی جاہلیت میں بھی اللہ پھر سے تبدیل ہو گیا۔

اب نیچر پرستی نہیں رہی۔۔۔۔۔ اب چونکہ انسان نے کائنات کے راز ہائے سرستہ سے پردہ اٹھا دیا ہے اور خود انسانی علم نیچر پر غالب آ گیا تو انسان بھی صنعتی انقلاب سانسی

نے ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ تحریک ”رومانویت“ میں زندگی سے انحراف نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت کے لوگوں کی ذہنیت ہی فراری تھی۔ اس وقت لوگ کلیسا اور جاگیر داری کے مظالم سے راہ فرار ڈھونڈ رہے تھے۔ بہر کیف اس وقت مغرب کے جو بھی حالات تھے وہ ناقابل تبدیل تھے چنانچہ لوگ کلیسا کے اللہ سے فرار اختیار کرتے ہوئے نیچر پرستی پر مجبور ہو گئے۔ لیکن درحقیقت یہ ذہنیت ہی ہے جس کی بناء پر لوگ اللہ کی عبادت سے منحرف ہو کر ایک محسوس شے کی عبادت کرنے لگے۔

ترقیات، اور قدرت انسانی کے زیر سایہ ایک نئے الہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو گیا۔  
 اور یہ نیا الہ خود انسان تھا!  
 اب انسان کے لیے یہی مناسب تھا کہ وہ اللہ کی غلامی کا وہ طوق گردن سے اتار پھینکے۔  
 جو اس نے اپنے دور جاہلیت میں اپنی گردن میں ڈال لیا تھا۔۔۔ اب تو انسان کو خود ہی الہ بنا تھا،  
 اس مرتبہ بھی مغربی فن نے نئے الہ کی پیروی کی اور اس کی تمام تر توجہات طبیعت سے  
 ہٹ کر انسان کی طرف منتقل ہو گئیں۔

اور یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ انسان کو اہمیت دینا بذاتِ خود کوئی انحراف  
 نہیں ہے۔ نہ ہی فن میں اور نہ زندگی میں، کیونکہ یہ فطری امر ہے کہ انسان اپنے وجود کو اہمیت دے  
 اپنی زندگی اور جذبات کی عکاسی کرے۔ اپنی مشکلات کا حل تلاش کرے اور دنیا میں اپنی جدوجہد کو  
 تیز کر کے تاجلا جائے۔۔۔ بلکہ انحراف انسان کی عبادت کرنا ہے۔

اس عرصہ میں مغربی فن کا انسانیت کو اہمیت دینا الہ کے لیے ایک چیلنج رہا۔

### ادب الحاد

مغربی فن کاروں کے یہاں مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ فن کو خدا اور مذہب ہی افکار سے دور  
 رکھا جائے۔ بلکہ ہر مذہب خیال کا مذاق اڑانا اور ہر اللہ کا نام لینے والے پر پھبتی کستا بھی ان کے  
 مقاصد میں شامل تھا!

مذہبی لوگوں کا مذاق اڑانے کا صرف یہ مقصد نہیں تھا کہ یہ لوگ جاہل تھی سے منحرف ہو گئے  
 اور فن کار اپنی تنقید سے ان کو صحیح راہ دکھانا چاہتے ہیں اور مذہب کو لوگوں کے سامنے لانا چاہتے  
 ہیں۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ مذہبی لوگوں کا مذاق اڑا کر اس کے پردے میں مذہب کے اصول کا ٹھٹھا  
 اڑایا جائے اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی سادہ لوحی پر قبضہ لگائے جائیں۔

غرض یہ 'طیباتہ ادب' دنیا میں اشاعت پذیر ہوا۔ اور یہ وہ ادب تھا جو اللہ پر الزام  
 دھرنے اور اللہ کے بندوں کا مذاق اڑانے میں بڑا مشاق تھا۔ اور اسی ادب کا نام  
 'آزادی فکر' رکھا گیا۔

بعینہ اسی وقت دو اور جاہلی محرکات فن کو مزید انحراف کی طرف لے جا رہے تھے۔  
 یہ دو محرکات تھے۔ انسانی وجود کی حیوانی تعبیر۔ اور انسانی عمل کی جنسی تعبیر۔

انسانی وجود کی حیوانی تعبیر کے زیر سایہ جو فن تشکیل پایا اس کا نام ”طبیعی فن“ رکھا گیا۔ اس فن نے انسان کی تصویر کشی کچھ اس طرح پر کی۔ کہ انسان اپنی طبیعت اور فطرت ہی کے لحاظ سے نہایت درجہ کمینہ، دھوکہ باز اور مفاد پرست ہے۔ اس کے پاس نہ کوئی اخلاقی سرمایہ ہے اور نہ کوئی ضابطہ زندگی!۔ سارے اخلاق معاشرے سے منافقت کے نتیجے میں رونما ہوئے ہیں اور اس سے زیادہ ان کی کوئی حقیقت نہیں (ذرا غور کیجئے!) انسان نے آخر اس منافقانہ اخلاق ہی کو کیوں اختیار کیا کیا منافقت ہی اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ انسانیت کا تقاضا کیا ہے؟

رہ گیا دوسرا محرک۔ یعنی انسانی عمل کی جنسی تعبیر سوا اس نے ایک مکمل فن ترتیب دیا ہے۔ اور اس فن کے مختلف گوشے یہ ہیں۔ — فحش ادب، عریاں تصاویر، سپینا افسانے، گانے وغیرہ!

غرض یہ فن رواج پا گیا۔ اور اس کے پس پردہ عالمی صیہونیت، غیر یہودیوں کا اخلاق تباہ کرنے کے لیے کام کرتی رہی۔ یہ سارے انحرافات کسی ایک مرحلے پر آ کر ختم نہیں ہو گئے بلکہ فن بھی ان تمام انحرافات سے دوچار ہوا۔ جو تصور اور عمل میں پاتے جاتے تھے۔ ساتھ ہی نفس انسانی کے بارے میں موجودہ تصور بھی فن پر اثر انداز ہوا۔

## سریالیت

چنانچہ ”لا شعور“ کے بارے میں فرائڈ کے نظریات سے ادب اور فن میں ”سریالیت“ نے جنم لیا اور تجربی آرٹ اور جدید فن کی دیگر بدعتیں رونما ہوئیں! سب کی بنیاد یہی فلسفہ ہے کہ ”عقل شعور“ انسانی وجود میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ بلکہ اصل چیز ”لا شعور“ ہے لیکن یہ دلیل نہایت کمزور ہے کہ لا شعور ہی انسان ہے۔ کیونکہ اس امر سے کیا مانع ہے کہ لا شعور اور۔ شعور دونوں کا مرکب انسان ہو؟

اور یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ فرائڈ سے پہلے ہر شخص اس بات کو سمجھتا تھا۔ انسان کو معلوم تھا کہ اس کے کچھ افکار مرتب اور منظم ہیں اور کچھ مشاعرے بھی ہیں۔ جن میں

کوئی منطقی ربط نہیں ہے اور یہ دونوں مل کر انسانی وجود کی تشکیل کرتے ہیں :

نظریہ فردیت سے وہ فنون ظہور پذیر ہوتے جو اجتماعیت کی شکست دیرینت چاہتے تھے۔ اس نظریہ میں فرد کو دیوتا کا مقام حاصل ہے۔ کوئی بھی معاشرہ فرد پر حکمران نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کے اخلاق عادات اور تصرفات کا نگران قرار دیا جاسکتا ہے۔

لیکن اس نظریہ کے ماننے والے یہ غور نہیں کرتے کہ اگر معاشرہ ختم ہو جائے تو فرد کا وجود کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ اور اگر کسی وقت معاشرہ ختم ہو کر صرف افراد رہ جائیں۔ جو اپنی خواہشات کے بندے ہوں۔ نہ کوئی اصول ان کی راہ روک سکے اور نہ کوئی قانون رکاوٹ بن سکے۔

تو ان افراد کا کیا حال ہوگا؟

### فلسفہ وجودیت

فلسفہ ارتقاء — کائنات کے خود بخود — اور بلا مقصد وجود نے ”وجودیت“ کا ایک فلسفہ تراشا ہے۔ ذرا آپ البیر کامو کا مطالعہ کریں۔ جو کائنات کے سامنے انسان کی حیرت و استعجاب بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ انسان اس عظیم کائنات میں کس طرح اپنے وجود کو حقیقہ خیال کرتا ہے اور انسان کس قدر فلق واضطراب کا شکار ہوتا ہے۔ جس وقت اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے وجود میں کسی حکمت و تدبیر کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اس کے بعد فن میں پھر ایک بنیادی انحراف رونما ہوا اور وہ یہ کہ اب انسان معبود نہیں رہا۔ اب معبود جبریات بن گئیں۔ چنانچہ فن بھی جبریات کی طرف متوجہ ہو گیا اور انسان کی تعبیر جبریات کے ماتحت کرنے لگا۔

فن کے موجودہ اسکول جنہیں ”اجتماعی مذاہب“ کا نام دیا جاتا ہے ان کا موضوع انسان نہیں رہا۔ بلکہ انسان تو ایک ایسا عدد کی شے ہے جس میں سے اجتماعی جبریت، اقتصادی جبریت اور تاریخی جبریت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اب انسان ثانوی شے ہے۔ بنیادی شے اجتماعی اقتصادی اور تاریخی نظم ہے۔ جس کو یہ زندگی جنم دیتی ہے اور انسان پر وہ سب سے پہلے حرکت کرنے والی ایسی تصویر ہے جس کو یہ جبریات حرکت

دے رہی ہیں۔

اور یہ جبریات ہی اب وہ ”پیمانہ“ ہیں۔ جس پر انسانی زندگی رواں ہے !  
اب انسانیت کی ناپ تول کے لیے ادراک و شعور سے بالاتر یونانی پیمانہ نہیں ہے۔

بلکہ موجودہ پیمانہ احساس و شعور میں آتا ہے۔

اس کے باوجود انسان میں اور اس پیمانہ میں وہ ہی کش مکش ہے جو انسان میں اور پرانے یونانی پیمانے میں تھی۔ ہاں ایک فرق ضرور ہے اور وہ یہ کہ موجودہ جبریتوں کے دیوتا جو کچھ کرتے ہیں درست کرتے ہیں۔ اور ایک فرق اور بھی ہے کہ اب انسان اپنی فطرت کے اثبات کی کوشش نہیں کرتا۔ کیونکہ انسان کا وجود ان جبریتوں میں پس کر ضائع ہو چکا ہے۔ ان لامتناہی انحرافات کی موجودگی میں مغربی فن نے آرٹ کے بے مثال انسانی نمونے

پیش کیے ہیں! البتہ ان انحرافات کی بناء پر ان کے چہرے مسخ ہو کر رہ گئے ہیں!  
فن کے ان نمونوں میں بہتر ادائیگی۔ اور انسانی زندگی اور اس کی نفسیات کے بعض گوشے کچھ اس طرح اجاگر کئے گئے ہیں کہ بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ کاش یہ نمونے جاہلی انحرافات کا شکار ہو کر اپنا حسن نہ کھو بیٹھتے!

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض فنی شہ پارے انحراف کی لعنت سے بچ گئے ہیں۔ کیونکہ یہ ہم بتا ہی چکے ہیں کہ نفس انسانی کبھی بھی شر میں اتنا ملوث نہیں ہوا کرتا کہ اس میں خیر کا نام و نشان ہی نہ رہے! اس لیے فن کے یہ نمونے جو انحراف سے بچ گئے۔ اس قابل ہیں کہ ان کو تاریخ میں محفوظ کیا جائے۔ مگر اکثر شہ پاروں کو انحراف نے کہیں نہ کہیں سے داغدار کر دیا ہے۔ جیسے ایک خوبصورت چہرہ کہیں کہیں سے آگ میں جھلس جائے۔ اس کے برعکس کثیر تعداد میں فن کے وہ نمونے جو شہ پاروں کا درجہ نہیں رکھتے۔ اور اس قسم کے نمونے کثرت سے ہیں۔ تو ان میں نہ کوئی خوبصورتی ہے اور نہ کوئی حسن۔ بس انحراف ہی انحراف ہے!

جنسی ادب

جنسی ادب جس میں انسانی زندگی کو بھڑکتی ہوئی اشتعال انگیز جنسی کی اشتہا کی صورت میں

پیش کیا گیا ہے تو یہ تو بالکل ہی حقیقت سے بعید، حسن سے عاری اور فنی پہلوؤں سے تہی ہے۔ اور اسی طرح رنگین ادب جس میں لاشعور کی ہڈیاں سرائی ہی انسانیت متصور ہوتی ہے یہ بھی حسن و خوبصورتی سے عاری ایک بے حقیقت شے ہے۔

غرض ان جملہ انحرافات میں مبتلا ہو کر مغربی فن ایک مکمل لامعقولیت بن گیا اور یہی لامعقولیت دو جدیدہ کے یورپ کا کمال بن گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے بھٹکی ہوئی انسانیت کے تمام تجربات اپنے دامن میں ناامیدی اور یاس سمیٹے ہوئے ہیں اور ایسی ہلاکت و تباہی پر مشتمل ہیں کہ ہر گام پر انسانیت منہ کے بل گرتی ہے اور خوار ہوتی ہے۔

آپ ہی سوچئے کہ انسانیت مادیت، سرمایہ داری، اشتراکیت، انفرادیت اور اجتماعیت تمام تجربات سے گزر چکی ہے، لیکن ان میں سے کس تجربے نے انسانیت کو سکون و المینان بخشا، البتہ یہ ضرور ہوگا کہ انسانیت ہر تجربے میں ناکام ہو کر زندگی کے ہر پہلو میں لامعقولیت اختیار کرتی چلی گئی، حتیٰ کہ جذبات و شعور کی ساری دنیا اسی لامعقولیت کا شکار ہو گئی اور یہ وہ جاہلیت جدیدہ ہے جس میں انسان کی یقین کی ساری پونجی لٹ چکی ہے اور اب اس کے پاس تعلق و اضطراب اور حیرت و بے چینی کے سوا کچھ باقی نہیں بچا ہے۔

مغربی فن کے شاہکاروں کا یہ مختصر جائزہ ہے اور یہ فن یونان کی جاہلیت سے چل کر بر دور کی جاہلیت سے گزرتا ہوا، بیسویں صدی کی جاہلیت تک اس حالت میں پہنچا ہے۔ جو ہمارے سامنے ہے اس میں جاہلیت کی چمک دمک اور رنگینی بھی ہے، لیکن سب بے کار ہے، کیونکہ صبحِ خسوف پر استوار نہیں ہے۔

یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ فن اپنے آپ کو جاہلیت سے آزاد کر دے اور انحراف سے بچ جائے، کیونکہ فن تو بہر حال زندگی ہی کا عکاس ہوتا ہے اور زندگی پوری طرح جاہلیت زدہ اور انحراف آشنا ہے!



## ہر شے میں بگاڑ

اس جاہلی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہیں رہا۔ جس میں بگاڑ نہ پایا جاتا ہو۔ کیونکہ — ہم نے جاہلی زندگی کے ہر شعبے کا جائزہ لیا اور اس تفصیل جائزے سے یہی علم ہوا کہ نفسیات ہو، یا اجتماعیات، سیاسیات ہو یا معاشیات اخلاق ہو یا فن، فکر ہو یا عمل، پوری کی پوری زندگی فساد اور بگاڑ کا شکار ہے!

ہاں ایک چیز ہے جو اس بھیانک جاہلیت میں لوگوں کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ اور یہ خیرہ کن شے سائنس ہے!

بلاشبہ سائنس نے انسانی زندگی میں لامتناہی اور لاتعداد سہولتیں فراہم کر دی ہیں انسان کے سامنے مستقبل میں پیش آمدہ ترقیات کا دروازہ کھول دیا اور بڑی بڑی تنبیہات پر انسان کو قدرت عطا کر دی ہے!

مگر سائنس کی ان خیرہ کن ترقیات نے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیا اور ایک بہت بڑے جاہلی وہم میں مبتلا کر دیا ہے — اور وہ یہ کہ جب تک سائنس ترقی کرتی رہے گی انسانی زندگی بھی ٹھیک ٹھیک خطوط پر ترقی کرتی رہے گی۔

یہ ایک جاہلی فریب ہے۔ جس کی بے شمار مثالیں تاریخ سے پیش کی جاسکتی ہیں! ہر جاہلیت اپنا تہذیب و تمدن رکھتی ہے۔ جس کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک یہ تہذیب و تمدن زندہ ہے۔ اس سے زیادہ ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا — لیکن تجربہ ہمیشہ یہی ہوا کہ اپنے بنیادی بگاڑ اور انحراف کی بناء پر یہ تہذیبیں اور جاہلیت زوال پذیر ہو گئیں!

جہاں تک علمی اور سائنسی ترقیات کا سوال ہے تو یہ اس جاہلیت کی پیداوار نہیں ہیں۔ علم تو ہمیشہ انسان کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا ہے اور علم کو خیر و شر سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ جوتا ہے کہ خیر ہو یا شر ہر ایک علم کو اپنے مقصد کے حصول میں لگا دیتا ہے۔ علم کا اصل محرک تو خود انسان کی ذات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں علم کی محبت، حصول طاقت کا جذبہ اور کائنات کی قوتوں پر قادر ہونے کی انگلی پیدا کی ہے۔

علم کا تعلق انسان کی عقل سے ہے ضمیر سے نہیں ہے اور عقل انسانی زندگی کے سفر میں کسی مرحلہ پر ٹھہر نہیں جاتی۔ بلکہ انسانیت کے ساتھ ساتھ سفر کرتی رہتی ہے۔ خواہ یہ سفر درست اور صحیح خطوط پر یا غلط اور تاریک راہوں پر! کیونکہ غلط یا صحیح تو وہ طریقہ ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے علم کو کام میں لایا جاتا ہے اور زندگی کے وہ میدان ہوتے ہیں جہاں علم کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اس تمہید کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ علم اور جاہلیت دو عظیمہ شے ہیں۔ نہ تو علم اس جاہلیت کی پیداوار ہے کہ اس علم کی خاطر جاہلیت کو بھی اپنا لیا جائے اور نہ ہی علم کی رفتار ترقی رک سکتی ہے۔ اگر جاہلی تنظیم کو نکال کر اسلامی نظام برپا کر دیا جائے! اس سے قبل تاریخ میں انسانیت اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چل چکی ہے۔ اور اللہ کے راستے پر چلنے کی بنا پر علم کو حیرت انگیز ترقی حاصل ہوئی اور ایک ایسی عظیم نشان علمی تحریک برپا ہوئی۔ جس نے یورپ کو ”تجربی اسکول“ سے روشناس کرایا اور یہ وہی علم ہے کہ جس کے خیرہ کن نتائج آج تک ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اس لیے بسم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علم جاہلیت جدیدہ کی پیداوار نہیں ہے۔ بلکہ جاہلیت جدیدہ تو علم کو تباہی کے راستے پر لے گئی ہے!

علم درحقیقت انسانیت کی پیداوار ہے۔ جس کی جڑیں تاریخ میں دور تک پویست ہیں ایک قوم دوسری قوم کو خزانہ علم سپرد کرتی رہی۔ حتیٰ کہ دور جدید میں یہ ذخیرہ یورپ کے ہاتھ لگا گیا! یورپ نے اس علم کی ذریعہ بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن یورپ انحراف کا شکار ہوا

## تاریک جاہلیت

اگر جاہلیت جدیدہ سے علم (سائنس) بھی جدا کر دیا جائے تو بھیا نک اور تاریک جاہلیت کے سوا کچھ باقی نہیں بچتا، بہر حال چند فوائد ضرور ہیں جو جدید جاہلیت میں انسانیت کو حاصل ہوئے ہیں۔ مثلاً سیاسیات، اجتماعیات، اقتصادیات، اخلاق اور فن کے بارے میں کچھ موثر گافیاں ہیں کہیں کہیں معمولی سا انصاف اور کسی قدر سرمایہ افتخار انسانیت کو حاصل ہوا جو بلاشبہ عظیم فوائد ہیں۔ کیونکہ جاہلیت اپنی ہر خوبی کو بڑھا چڑھا کر بتانے کی عادی ہوتی ہے۔

لیکن — جاہلیت کے اس سارے سرمائے اور ان تمام فائدوں کا پیمانہ یہ نہیں ہے کہ جاہلیت نے جس طرح ان فوائد کو عدسی شیشوں سے بڑا کر کے دکھایا ہے۔ آپ اس پر غور فرمائیں۔ بلکہ اصل پیمانہ یہ ہے کہ ان تمام خیر کے پہلوؤں کے بالمقابل دیکھا جائے کہ شر کتنا ہے۔ ظلم و طغیان کس درجہ ہے۔ ہمیں یہ بات ہرگز نظر انداز نہ کرنی چاہیے کہ ایک معمولی سے خیر کے بدلے ایک بھیا نک شر پوری انسانیت کو ہڑپ کر گیا ہے؟

سرمایہ دارانہ آمریت اور پرولتاری آمریت نے انسانیت کو کتنی بڑی ذلت سے ہمکنار کر دیا ہے۔ "سرکش ملکیت" غیر مالکوں کو غلام بنا رہی ہے۔ اور ملکیت کا طاغوتی انتزاع بھی غیر مالکوں کو غلام بنا رہا ہے۔

بے لگام فردیت معاشرے کی توڑ پھوڑ کر رہی ہے۔ اور اجتماعیت انفرادی تشخص کو کچل رہی ہے۔ اور اخلاقی گراؤٹ کی کوئی انتہا باقی نہیں رہی؟

جنسی تعلقات کا فساد اتنا ہمہ گیر ہے کہ وہ نفس انسانی اور معاشرے کو محیط ہو گیا ہے اور اس فساد سے جو قلق و اضطراب انسانی زندگی میں واقع ہوا وہ ناقابل بیان ہے۔

— فن کی غلط توجیہ — جو نفس انسانی کے فساد کا باعث بنی ہوئی ہے۔

— غرض زندگی کا کوئی گوشہ اور حیات انسانی کا کوئی پہلو فساد و طغیان سے خالی نہیں رہا!

— اور دنیا میں جو رہی سہی بھلائی ہے — خواہ اسے کتنا ہی بڑا کر کے کیوں نہ دکھایا جائے

— وہ اس عظیم شر کے بالمقابل بالکل بے حقیقت اور ناقابل ذکر ہے!

اس خیر اور بھلائی کی اتنی ہی حقیقت ہے کہ "طاغوت" انسانیت کو دھوکہ اور فریب

میں مبتلا کرنے کے لیے کچھ بھلائی اور فائدے بخش دیتا ہے۔ تاکہ اس کی جاہلیت بغیر کسی مزاحمت کے قائم ہو سکے اور لوگ بلاچون و چرطاغوت کی غلامی کا پھندا اپنی گردنوں میں ڈال لیں۔!

ان سب باتوں کے باوجود، دنیا پر چھائی ہوئی جاہلیت جدیدہ خطرناک مستقبل کے دچارے کا خواہ لوگ برضا و رغبت طاغوت کی غلامی میں ہیں یا اس کی غلامی کا جو اتار پھینکنے کے لیے جدوجہد کریں۔ جاہلیت کا مستقبل بہر حال لوگوں کے اختیار سے باہر ہے!

### اللہ کی سنت

کچھ اللہ کی بنائی ہوئی "تقدیر" اور اس کی مخلوق کردہ "جبریتیں" بھی انسانی زندگی میں اپنا عمل کرتی ہیں۔ اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر اور اللہ کی قائم کردہ جبریت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ جاہلیت ہمیشہ ہمیشہ باقی نہیں رہے گی۔ بلکہ کبھی نہ کبھی اس کو ختم ہونا ہے۔ یہ جاہلیت اپنے اندر غالب اور کثیر شرکی موجودگی کی بناء پر ختم ہو جائے گی۔

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَقُوا  
مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ نَجِدَ لِسُنَّةِ  
اللَّهِ تَبْدِيلًا (سورہ احزاب ۶۲)

یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملہ میں پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

لیکن اللہ کی سنت جو اس جاہلیت کا خاتمہ مقدر کر چکی ہے وہ یہ نہیں چاہتی کہ اس جاہلیت کے بعد لازمی طور پر "خیر" کی حکومت ہو جائے۔ بلکہ یہ انسانیت کو اختیار دیا گیا ہے کہ طاغوت کے خاتمہ پر چاہے تو وہ ہدایت کو اپنالے اور چاہے کسی دوسرے طاغوت کی حکمرانی تسلیم کرے جس طرح سرمایہ داری کا طاغوت تباہی کا شکار ہوا تو فوراً "اشتراک کی طاغوت" لوگوں کو ایک حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنے حسی تغیر و اما ما با نفسہم اور صاف کو نہیں بدل دیتی۔

(سورہ بقرہ ۱۱)

اس لیے مناسب ہے کہ لوگ اس جاہلیت کے خاتمہ سے پہلے غور و فکر کر کے اپنا راستہ متعین کر لیں۔ کہ کیا اس طاغوت کے بعد اپنے آپ کو کسی نئے طاغوت کے سپرد کر دینا ہے یا اس جاہلیت کا کوئی علاج تلاش کرنا ہے؟ اور اس جاہلیت کا علاج ہو سکتا ہے!

# اسلام کے سوا کوئی راہِ نجات نہیں ہے

برٹریڈ رسل کہتا ہے :-

”سفید فام لوگوں کی قیادت کا دور ختم ہو چکا ہے“

یہ کوئی پیشین گوئی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت واقعہ ہے۔ جسے ہم عصر فلسفی نے اپنے روشن ذہن کی بنیاد پر محسوس کر لیا۔ لیکن عام لوگ اس حقیقت کو محسوس نہ کر سکے۔ جیسے عوام الناس کی پیشین گوئی کو ”دانشوروں“ کا ایک جم غفیر بھی موجود ہے!

لیکن رسل نے بھی اس حقیقت کو پوری طرح محسوس نہیں کیا کہ جاہلیتِ بذاتِ خود ختم ہونے والی ہے۔ کیونکہ رسل خود جاہلیتِ جدیدہ کے زیر سایہ زندگی گزار رہا ہے!

سفید فام نسل کی تہذیب تنزل اور انحراف کا شکار ہو چکی ہے۔ چنانچہ اب اس کا خاتمہ بھی قریب ہے۔ لیکن اس تہذیب کے خاتمہ کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ اس کے بعد نظامِ خیر نافذ ہو جائے۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں!

کہ کسی بھی جاہلیت کا خاتمہ ایک ایسا ”عرصہ انتقال“ ہوتا ہے۔ جس میں انسانیت کو یہ موقع ملتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اللہ کی بتائی ہوئی جادۂ حق کو اپنالے، اس پر ایمان لے آئے۔ اور اسی کو راہِ نجات سمجھ کر اپنی زندگی کو نظامِ خیر کا تابع بنا دے!

اگر انسانیت اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتی۔ اور اللہ کے بنائے نظامِ حکم کو قائم کرنے کے لیے پوری جدوجہد نہیں کرتی تو نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ انسانیت ایک جاہلیت سے نکل کر دوسری جاہلیت کی نذر ہو جاتی ہے اور ایک طاغوت کے پنجے سے نکل کر دوسرے طاغوت کی بھینٹ

چمٹھ جاتی ہے۔

البتہ اب کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت راہ ہدایت اختیار کرے گی۔ کیونکہ اس جاہلیت جدیدہ میں انسانیت نے ہر اس نظام کو اپنا کر دیکھ لیا۔ جس کا خیال بھی انسانی ذہن میں آسکتا تھا۔ فردیت ہو یا اجتماعیت۔ سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت۔ ملکیت ہو یا لاملکیت۔ ہر نظام کو بہت کچھ دیکھ لیا ہے؛ انسان نے اکل و شرب لباس، رہائش اور طبی لذت کا بھی تجربہ کر لیا۔ انسانیت اپنے تراشیدہ ہر دیوتاؤں پر ایمان بھی لاپچی ہے اور خود "انسان" نے بھی اللہ بن کر دیکھ لیا۔

لیکن ہر تجربہ انسانی زندگی میں حیرت، بے بسی اور اضطراب کی زیادتی کا باعث بنا ہے۔ اور اب بھی دو ہی راستے سامنے ہیں۔ ایک راستہ ہے اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم۔ اور دوسرا راستہ ہے ہمہ گیر تباہی کا!

## انسانیت کا مستقبل

ہم انسانیت کے مستقبل کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں کر رہے ہیں۔

فَلَا يَخْفَىٰ مِنِّي الْغَيْبُ ۖ وَ مَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ عِندَ اللَّهِ

نزل لَا يَخْفَىٰ مِنِّي الْغَيْبُ ۖ وَ مَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ عِندَ اللَّهِ (سورہ نمل ۶۴)

آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین یعنی عالم میں وجود ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا۔

کوئی متنفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرنے والا ہے۔ (سورہ لقمان ۲۴)

بلکہ۔۔۔ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ "سنت" بیان کر رہے ہیں۔

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَلَٰكِن تَحِيدَ سُنَّةَ اللَّهِ تَبْدِيلًا

یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملہ میں پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے (سورہ احزاب)

اور جاہلیت جدیدہ میں جن تلخ تجربات سے انسانیت گزر رہی ہے۔ اس کے پیش نظر سنت اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ کہ دو ہی راستے ہیں۔ یا۔۔۔ ہدایت یا ہمہ گیر ہلاکت۔۔۔۔۔

جاہلیت اس وقت تک اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے۔ جب تک اس میں خیر کا کوئی پہلو

باقی رہا اور جب شر خیر پر غالب آجاتا ہے اور خیر و بھلائی مٹ جاتی ہے تو پھر اللہ کی سنت حالات میں ایک نیا تغیر اور ایک نئی تبدیلی لے آتی ہے۔ لیکن اس تغیر و تبدیلی میں انسان کی کوشش ہی کام آتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنے

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ  
حَتَّىٰ يَغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ

(سورہ رعد ۱۱)

اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔ (سورہ رعد ۱۱)

اللہ کی سنت۔ یا تو روئے زمین کو اس کی پوری سرکشیوں کے ساتھ زمین میں دفن کر دیتی ہے۔ یا۔۔۔ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگتے ہیں۔

اب ہم تاریخ انسانی کے اس مرحلہ پر آگئے ہیں۔ جہاں اللہ کی منشا کو حرکت میں آنا چاہیے کیونکہ دنیا میں طاقت کی سرکشیاں حد سے گذر چکی ہیں اور خیر کا اثر بالکل زائل ہو چکا ہے۔ اور خیر اس قابل نہیں رہی کہ طاقتوں کی طاقتوں کا مقابلہ کر سکے، اور اب انسانیت کو اختیار ہے۔ یا۔۔۔ تو اللہ کے راستے سے دُور رہتے ہوئے ہمہ گیر تباہی کا شکار ہو جائیں۔ یا۔۔۔ اللہ کی ہدایت کو اپنا کر سکون و اطمینان حاصل کر لیں!

لیکن کچھ نہیں انسانیت سے بھی اور اللہ کی تقدیر سے بھی حسن ظن ہے۔ کیونکہ ہم نہیں خیال کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تباہی مقدر فرمادی ہوگی؛ اس لیے اب انسانیت کے لیے راہ نجات 'اسلام' ہی ہے۔

بے شک دین حق اور مقبول اللہ تعالیٰ کے  
تزدیک صرف اسلام ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ  
الْإِسْلَامُ

انسانیت کو جاہلیت، ضلالت، شقاوت، حیرت، قلق و اضطراب اور زندگی و افکار کی پراگندگی سے سولئے اسلام کے اور کوئی نظام نجات نہیں دلا سکتا!  
کیونکہ تاریخ میں جب بھی کسی نظام نے انسانیت کو جاہلیت سے نجات دلائی ہے۔ وہ اسلام ہی نے دلائی ہے۔

وہ اسلام جس کو فرح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ اور اللہ کے آخری دین میں یہ اسلام مکمل ہو گیا!

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو  
 دینا  
 میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا  
 انعام تمام کر دیا۔ اور میں نے اسلام کو تمہارا  
 دین بنا دیا۔ (سورہ مائدہ ۴)

یہی اسلام اپنی آخری اور مکمل شکل میں دنیا کی تمام جاہلیتوں کا واحد علاج ہے اور بالخصوص جاہلیت جدیدہ کا! کیونکہ جس جس مقام پر جاہلیت نے انحراف کیا ہے وہیں اسلام اس کی اصلاح کرتا ہے چنانچہ فکر و عمل سیاسیات، اقتصادیات و اجتماعیات اخلاق و فن اور جنسی علائق — غرض زندگی کے ہر گوشے میں اسلام انسانیت کی صحیح صحیح راہنمائی اور جاہلی انحراف کی پوری پوری نشاندہی کرتا ہے۔

جاہلیت جدیدہ نے جس طرح انسانیت کو برباد کیا اور انسانی زندگی کے تمام معاملات کو غلط اور انتشار کا شکار بنا دیا جس پر نظر کرنے کے بعد ہم دیکھیں گے کہ اسلام ان تمام معاملات میں کیا راہنمائی دیتا ہے اور کس طرح انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو مستقیم بنیادوں پر کھڑا کر کے پوری انسانیت کو استقامت عطا کرتا ہے کہ کلیات اور جزئیات سب پر اپنی فکر صحیح اور مناسب نظر آتے ہیں۔

## فکر کی استقامت

اللہ کے بارے میں کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں جاہلیت کے جس قدر تعصبات ہیں سب انحراف کا شکار ہیں؛ اور جاہلیت کے اسی فکری انحراف کی بناء پر اس کا سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق اور فن غرض عملی زندگی کا ہر پہلو انحراف پذیر ہو چکا ہے لیکن جس وقت فکر انسانی مستقیم ہو جائے گی یہ تمام امور درست ہو جائیں گے۔ کیونکہ عمل فکر ہی سے اجترتا ہے۔ اگر فکر مستقیم ہوگی تو عمل بھی مستقیم ہوگا اور اگر فکر منحرف ہوگی تو عمل بھی انحراف سے دوچار ہوگا۔



تاریخ میں ایک مرتبہ انسانی فکر مستقیم ہو چکی ہے۔ جس وقت رسول اللہ نے امت مسلمہ کو اسی مستقیم فکر پر تہدیت دی تھی جس امت مسلمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

حَقَّنْتُ دُخَانَ مَكَّةَ أَخْرَجْتُ  
لِلنَّاسِ مَسَامِرَ دُونَ بِالْمُعْتَدِفِ  
وَتَنْهَوْنَ حَتَّىٰ انْتَكَبِ  
وَتُؤْمِنُونَ يَا بَلَاءُ (سورہ آل عمران ۵) اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

جب امت مسلمہ کی فکر مستقیم ہو گئی اور اس کا تصور اللہ کی ہدایت کے مطابق درست ہو گیا تو زندگی کے تمام معاملات صحیح بنیادوں پر استوار ہو گئے اور تاریخ کی ایک عظیم نشاۃ ثانیہ پیدا ہوئی۔ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ اس جماعت نے ساری دنیا میں اللہ کی ہدایت کی روشنی پھیلانے کا باوجود کچھ وقت گزرنے کے بعد مسلمان بھی صراطِ مستقیم سے کسی قدر منحرف ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ تمام دنیا کے لیے روشنی کا مینار بنے رہے۔ لہذا کو تسلیم دیتے رہے اور راہِ راست کی طرف بلا تے رہے۔

جب مسلمانوں میں اپنے اندر کمزوریاں رونما ہو گئیں اور ان کی قومی حرکت رک گئی تو جاہلیتِ جدیدہ نے انہیں اچک لیا اور مسلمان اللہ کے راستے کو چھوڑ کر شیطانِ راستوں پر چل پڑے۔ بہر کیف موجودہ دور میں مسلمانوں کی کیسی بھی گئی گندری حالت کیوں نہ ہوں۔ اسلام میں مسلمانوں کے ساتھ عقیدہ نہیں اور نہ ان کی رکاوٹ اسلام کے راستے کی رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اسلام پوری انسانیت کے لیے اللہ کا نور ہے اور اس کے دروازے بڑی نوع انسان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً  
لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سورہ سبأ ۲۸)

اور اے نبی! ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام

لے دیکھتے کتاب ”کیا ہم مسلمان ہیں“ داخل ”مؤمن مسلمون“ ترجمہ: صاحب الرحمن مدینتی۔

يَتْلُوهُنَّ

جہان والوں کے لئے رحمت کے طور پر

جاہلیت جدیدہ میں جس قدر بھی انحرافات ہیں۔ اسلام ان کو درست اور مستقیم کرتا ہے۔  
جاہلیت کا عظیم ترین انحراف جس سے فکر و عمل کے تمام انحرافات رونما ہوئے ہیں اور  
انسانیت شعلت و بدبختی کا شکار ہوئی وہ الشک حقیقت کو نہ پہچانتا ہے۔ اسی سے اللہ کی عبادت  
میں بھی انحراف پیدا ہوا۔ اور

اسلام بعینہ اسی نقطہ سے اصلاح شروع کرتا ہے۔

قرآن نے پورے تیرہ سال "الوہیت" اور اعتقاد کے مسئلہ پر صرف کیئے ہیں۔

اس کی وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ عرب بت پرستی میں بڑی طرح ملوث تھے۔ بلکہ بنیادی اور اہم  
سبب یہ تھا۔ کہ دراصل عقیدہ ہی انسانی زندگی کا محور گردش ہے جب تک عقیدہ درست نہ ہو۔ انسانی زندگی مستقیم  
نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایک غلط عقیدہ پر انسانیت کی جو بھی عمارت اٹھائی جائیگی وہ کچھ وقت بعد اپنی بنیادوں پر آرزوگی!

عقیدہ توحید

جاہلیت جدیدہ اس حقیقت کا پورا پورا مصداق ہے۔ ہم صاف دیکھ رہے ہیں، کہ  
پوری انسانی زندگی میں صرف اس لئے بگاڑ رونما ہوا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں الوہیت  
کا عقیدہ منحرف ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کئی صدیوں میں قرآن کریم نے صرف عقیدہ الوہیت اور توحید پر زور  
دیا۔ اور پھر جب اسلامی معاشرہ تشکیل پذیر ہو گیا اور مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی  
تو قرآن عبادات اور معاملات سے متعلق قوانین لے کر آیا۔ اور امت کو وہ ذمہ داریاں  
سونپی گئیں۔ جن کو لے کر اسے انسانیت کے سامنے آنا تھا! لیکن ان قوانین و احکام کے بیان  
کے ساتھ عقیدہ مستقل ہو گیا اور ساتھ ساتھ رہا۔

اسلام نے "الوہیت" اور "عقیدہ" کے بارے میں ایک واضح نظریہ دیا ہے۔ اور وہ

ہے کہ "اللہ ہی خالق ہے۔ اللہ ہی مدبر کائنات ہے۔ اللہ ہی رازق ہے۔ اللہ ہی مالک  
ہے۔ اللہ ہی کا غالب ہے اور اللہ ہی معبود ہے۔"

۱۔ قرآن کے زیر سایہ میں نامہ انعام اور اعزاز کی تفسیر دیکھئے۔ (فی ظلال القرآن)

ترجمہ ابتدائی چار پارے سے ساجد الرحمن

اسلام کا یہ عقیدہ نہایت ہی سادہ، حد درجہ آسان اور غیر معمولی طور پر واضح ہے، اہل اس میں نہ فطرت الوہیت میں کوئی پیچیدگی ہے اور نہ اعتقاد میں کوئی الجھن! یہ عقیدہ بتاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پوری کائنات — زمین و آسمان — میں اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی خالق ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی مالک ہے اور نہ اس کے سوا کوئی مدبر کائنات ہے! — ملک، خلق، رزق اور تدبیر کائنات میں نہ کوئی شریک نہیں ہے۔ — اسی لئے اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں ہے۔ اور اس کے سوا کوئی معبود ہو بھی نہیں سکتا۔

— یہی سادہ، آسان اور واضح عقیدہ ہے۔ جس پر پورے اسلام کی عمارت قائم ہے۔ اسی پر امت مسلمہ گامزن رہی اور یہی تاریخ اسلام کا خاص امتیاز ہے۔

الوہیت کے مندرجہ بالا اسلامی عقیدہ کو ماننے پر لازمی طور پر یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ زمین و آسمان میں ہر جگہ عبودیت صرف اللہ ہی کی ہو! — یہ بھی اپنی جگہ پر ایک آسان، سادہ اور واضح تفسیر ہے۔ جب خالق صرف اللہ ہے جب مالک صرف اللہ ہے۔ جب رازق صرف اللہ ہے اور جب کائنات پر حکمران صرف اللہ ہے تو پھر اللہ کو چھوڑ کر کون ہے جس کی مخلوق عبادت کرے اور اس کے سامنے سر جھکائے! کون ہے۔ اللہ کے سوا عبادت کے لائق؟ کیا انسان ہے؟

— کیا انسان کو اللہ نے نہیں پیدا کیا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہی اس انسان کو قوت و طاقت عطا نہیں کی اور اس کے لیے زمین و آسمان کو مسخر نہیں کر دیا؟ کیا انسان نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے؟ کیا کائنات کے قوانین انسان کے وضع کردہ ہیں؟ کیا انسان ان قوانین میں سر مو کوئی تبدیلی پیدا کر سکتا ہے؟ کیا انسان مادہ کے خواص بدل کر اسے دوسرے خواص دے سکتا ہے؟ یا مادہ کو ان قوانین کے علاوہ جن پر اللہ نے اس کی تخلیق کی ہے کسی اور قانون کے مطابق پیدا کر سکتا ہے؟ — اگر نہیں — تو اللہ کو چھوڑ کر انسان کیوں "الہ" بن بیٹھا؟ — یا اللہ کی عبودیت

میں انسان کیوں شرکت کا دھوسے وار ہو گیا؟

اگر انسان الٰہ اور معبود نہیں — تو کیا "جبریتیں" الٰہ ہیں؟

ان قوانین میں "جبریت" کس کی پیدائش ہے؟ کیا کائنات میں اور انسانوں میں اللہ کی تقدیر نافذ العمل نہیں ہے؟ — اللہ کی تقدیر میں اسی قدر جبریت ہے۔ جس قدر اللہ چاہے —  
 — تو اللہ کو چھوڑ کر جبریتیں "کیوں اللہ بن گئیں" — یا جبریتیں اللہ کی عبودیت میں کیوں شریک ہو گئیں؟ — اللہ کے سوا کون ہے جس کے سامنے مخلوق عبادت کے لیے سر جھکائے؟

## حاکمیتِ اعلیٰ

عبودیت کا لازمی تقاضہ ہے کہ "حاکمیتِ اعلیٰ" بھی صرف اللہ کی ہو — اور لوگ اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں —  
 اور یہی وہ مسئلہ ہے جس سے تاریخ کی ہر جاہلیت کو اختلاف رہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ جاہلیتیں جو اللہ کو پہچانتی تھیں۔ وہ جاہلیتیں بھی جو اللہ کی عبادت بھی کرتی تھیں اور وہ جاہلیتیں بھی جن کا خیال تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کا پورا حق ادا کر رہی ہیں — ان سب جاہلیتوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا۔ اور ہر جاہلیت اس وہم میں مبتلا رہی کہ اللہ کی عبادت ایک علیحدہ مسئلہ ہے اور اللہ کی حاکمیت کا اقرار اور اس کے بتائے ہوئے قانون کا اپنی زندگی میں نفاذ یہ ایک دوسرا اور غیر متعلق مسئلہ ہے!

وَمَا تَدْرُؤْا مَلَكًا  
 حَسْبُیْہِ (سورہ الانعام ۹۱)  
 اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچانتا واجب تھی۔ ویسی قدر نہ پہچانی۔  
 بھلا تائیے یہ اللہ کی عبادت کی کون سی شکل ہے۔ جب کہ آپ کا نظام زندگی غیر اللہ ہاتھوں میں ہو!

یہ تو جب ممکن تھا جب اللہ تعالیٰ انسانیت کو کوئی قانون دینے کے بجائے یہ فرما دیتا کہ اپنے لیے تم خود قانون سازی کرو — لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف لوگوں کو قانون عطا فرمایا۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ میرے قانون کی اتباع کرو!  
 وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا آخَذَہٗ  
 اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے۔ سو ایسے لوگ  
 اللہ مَنَّا وَلَہٗکُمْ ہُمَا لَکَافِرُونَ

(المائدہ: ۴۴)

بالکل کانفرنس میں۔

اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے  
کے موافق حکم نہ کرے سو اسے لوگ بالکل ستم  
دعا رہے ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنزَلَ  
اللَّهُ مَنَازِلَ عَلَيْكَ هُمُ الظَّالِمُونَ  
(المائدہ: ۴۵)

اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے  
کے موافق حکم نہ کرے۔ تو ایسے لوگ بالکل  
فاسق ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنزَلَ  
اللَّهُ مَنَازِلَ عَلَيْكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔  
(مائدہ - ۴۶)

اور ہم مکرر حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے  
باہمی معاملات میں اس بھی ہونی کتاب کے  
موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہش  
پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان کی اس بات سے  
احتیاط رکھیے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے  
ہوئے کسی حکم سے بھلا دیں۔

وَأَنِ احْكُم بِنَايَتِهِمْ  
وَلَا تَتَّبِعِ أَهْوَاءَ هُمْ وَاخْذِهِمْ  
أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ  
مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ

(مائدہ: ۴۹)

اب بتائیے۔ انسانوں کو یہ کیسے جانتے ہے کہ وہ غیر اللہ کو اپنی زندگیوں کا حاکم بنائیں۔  
قرآن کریم میں جتنی بھی سورتیں "تشریح قانون ساری اسے متعلق ہیں ان سب میں اس بات پر بہت  
زیادہ زور دیا گیا ہے کہ "حاکمیت اعلیٰ" صرف اللہ کے لیے ہے اور جس ذات کو الوہیت  
حاصل ہے۔ وہ ہی شارع بھی ہے۔ اللہ ہی محبوب ہے اور اللہ ہی صاحب شریعت ہے  
اگر آپ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ الوہیت میں تنہا اور لا شریک ہے۔ یہ بھی ماننا  
پڑے گا کہ اللہ "حاکمیت" میں بھی منفرد ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں اور نہ کسی کو یہ حق  
پہنچتا ہے کہ وہ اللہ کی حاکمیت کے ساتھ ساتھ اپنی حاکمیت کا بھی دعوے دار ہو۔ اگر کوئی  
ایسا بھتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو اللہ کا شریک بنا کر مشرک بن گیا اور جو لوگ اس کی اتباع  
اتباع کریں گے وہ بھی مشرک ہوں گے!

## جاہلیت کی بنیادی گمراہی

جاہلیت کی عظیم ترین گمراہی یہ ہے کہ اس نے شریعت کو عقیدہ سے اور حاکمیت کو الوہیت سے علیحدہ کر دیا۔ — یہی بنیادی گمراہی ہے جس کے نتیجے میں پھسی انسانیت سرکھنوں میں میں مبتلا ہے اور فی الواقع اس گمراہی کا یہی نتیجہ ہوتا بھی ہے۔

جب کوئی غیر اشد انسانوں کے لیے قانون سازی کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو الٰہ بنا لیتا ہے۔ حلال و حرام اس کے اختیار میں آجاتے ہیں۔ تو وہ "طاغوت" بن جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے حکم کے سوا ہر حکم "طاغوت" ہے اور خواہش نفس کی پیروی ہے۔ — خواہ یہ "طاغوت" فرد ہو یا جماعت یا امت حاکمہ !

جاہلیت جدیدہ میں انسانوں کی حاکمیت "طاغوت" کو مل گئی اور انسانوں نے اسے قانون سازی کے اختیار و روئے کر طاغوت کے سامنے اپنا سر ڈالتے سے جھکایا۔ اور طاغوت کو لوگوں پر جبر اور سرکشی کا موقع مل گیا۔ اس لیے کہ:۔

— "جمہوریت" ہو یا "آمریت" ہر نظام طاغوت ہے اور ہر ایک کے نتائج یکساں ہیں نہ اسلام الوہیت اور حاکمیت کے بارے میں صحیح تصور دیتا ہے اور تصور کو وسیع کر کے کائنات، زندگی اور انسانیت پر پھیلا دیتا ہے۔

— اسلام کہتا ہے کہ کائنات الٰہ نہیں ہے اور نہ ہی کائنات بلا تدبیر و مقصد مخلوق ہے۔ — نہ کائنات کی عبادت کی جا سکتی ہے اور نہ کائنات میں کسی "جبریت" کا نظریہ قابل تسلیم ہے۔ کائنات کا وجود اور اس وجود کی ساری جبریت صرف اللہ کی ذات ہے۔

## کائنات اور عبادت الٰہی

اللہ نے کائنات کو پیدا کیا ہے — اس لئے کائنات اللہ کی عبادت کرتی ہے اور اس طرح کہ اللہ کی مقرر کردہ سنت اور ہدایت پر چلتی رہتی ہے۔

لَمَّا اسْتَوَىٰ اِلٰى السَّمَاءِ  
وَهِيَ دُخَانٌ مُّتَمَلِّمَةٌ  
وَيَلَادُ مِنْ اَنْثَىٰ طَوْعًا اَوْ

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اس وقت  
مخس و صواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین  
سے کہا و جہد میں آجاؤ۔ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو

دلوں نے کہا ہم آگے فرما دیواروں کی طرح

عَدُوًّا مَاتَا آتَيْنَا

هَاتَيْنَا لِيَوْمِ رِسْرَةِ نَعْلَتِ ۱۱۰

پہر لانات کو اللہ تعالیٰ نے خواہ مخواہ ہی پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کو "حق" کے ساتھ پیدا

کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں کسی حکمت

مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

ہی سے پیدا کیا ہے۔ (الروم - ۲۸)

اَلَا سِيَآءٌ لِّمَنْ

اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبٰدٍ ۱۲

بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے پر

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

اور یہی بعد دیگرے رات اور دن کے

وَالْاَرْضِ وَالاختِلَافِ اللَّيْلِ

آجانے میں دلائل میں اہل عقل کے لیے جن کی

وَلِنَهٰدِ لَآيٰتٍ لِاُولِيْ الْاَلْبَابِ

یہ حالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اِلٰهَ قِيٰمًا

کھڑے ہی بیٹھے ہی۔ بیٹھے ہی اور آسمان

وَقٰسِمًا وَعَلَىٰ جُنُوْبِهِمْ

اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں

وَيَتَمَنَّوْنَ فِيْ خَلْقِ

کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا۔ ہم آپ کو منزه

وَبَنَّا مَا خَلَقْتَ

سمجھتے ہیں۔

هٰذَا بَاطِلًا

بُبْحَانِكَ آل عمران - ۹۰ - ۹۱

انسان صرف اپنی عقل سے اس "حق" کا ادراک نہیں کر سکتا۔ جس "حق" پر زمین و آسمان

کی تخلیق ہوئی۔ اور نہ ہی انسانی عقل کائنات کی لامتناہی وسعتوں کا احاطہ کر سکتی ہے۔

جہاں ادراک عقل انسان کو لے جانے سے عاجز ہے۔ وہاں اللہ سے ہدایت یافتہ

روح لے جاسکتی ہے۔ کیونکہ روح اور کائنات آپس میں اس زندہ جاوید احساس میں شریک ہیں کہ دونوں ہی اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں۔ دونوں ہی اپنے خالق کی طرف متوجہ ہیں، اور دونوں کے وجود کا منبع صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس لئے روح اس امر کا ادراک کر سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو کس طرح "حق" پر پیدا کیا ہے۔ زمینوں اور آسمانوں میں اس حق کی گہرائیاں اور کائنات میں اس حق کی وسعتیں کس قدر ہیں۔

پھر جس قدر انسان کی معلومات بڑھتی جاتی ہیں وہ کائنات کی وسعتوں کا مزید اندازہ کرتا جاتا ہے۔ لیکن یہ معلومات اس "عظیم حق" کے احاطے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ یہ معلومات ظاہر اشیا سے متعلق ہیں۔ اس "حق عظیم" کا جس پر اللہ تعالیٰ نے کائنات زندگی اور انسان کو پیدا کیا ہے روح ہی اندازہ کر سکتی ہے۔ نہ کہ عقل انسانی؛  
تخلیق حیات بھی عبث اور بے کار نہیں ہے۔

اَنْحَسِبْتُمْ اَنْهَآ خَلَقْنَاكُمْ  
هَبْثًا وَّ اَنْتُمْ اِلَيْنَا لَا تَرْجِعُونَ  
(المومن ۱۱۵)

ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو  
یہ نہیں پہل خالی از حکمت پیدا کر دیا ہے اور تم  
ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے؟

اسلام زندگی کے مسائل کو علیحدہ علیحدہ زیر بحث نہیں لاتا بلکہ زندگی کو مکمل شکل میں سامنے رکھتا ہے اور بتلاتا ہے کہ دنیاوی زندگی ہی صرف زندگی نہیں ہے۔ بلکہ دنیاوی زندگی تو مقدمہ اور پیش خیمہ ہے۔ ایک اصل اور اہم زندگی کا اور اخروی زندگی عظیمہ ہے۔ پہلی زندگی کا۔ اور وہی حقیقی زندگی ہے۔

وَ اِنَّ اَهْلَ الْاٰخِرَةِ لَيَسَّوْنَ  
اِحْسَابًا لِّمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ  
(العنکبوت)

اور اصل زندگی عالم آخرت ہے۔ اگر ان کو  
اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

دنیاوی زندگی دارِ اصل ہے اور اخروی زندگی دارِ الجوار ہے۔

اِنَّ جَنَّاتٍ مِّنْ اَعْلٰی الْاَرْضِ  
زِيْنَةٌ لِّهَا يَدْخُلُوْنَهَا مِنْ اَنْفِهِمْ

ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لیے  
باحث مدق بنایا۔ تاکہ ہم تمہاری آرائش



أَحْسَنُ عَمَلًا (الکہف: ۷)

وَنَهَيْتُكُمْ بِالْقَدْرِ وَالْخَيْرِ

نِعْمَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ

(الانبیاء: ۲۵)

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَ

الْحَيَاةَ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ آيَاتِهِ

أَحْسَنُ عَمَلًا (المک: ۲۱)

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضَ مِنْ بَاطِنِهِ لِيُجْزِيَ

كُلَّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُوَ

لَا يُغْلِبُونَ (الباقیہ: ۲۲)

عَلَى نَفْسٍ نَائِفَةً أَلْمُؤْتِرِ

وَإِنَّمَا تُؤْتُونَ أَجْرَكُمْ

أَيَّامَ الْمُتَقِيَاتِ (آل عمران: ۱۸۵)

## زندگی کا مکمل تصور

یہ ہے اسلام کی پیش کردہ زندگی کا مکمل تصور جس پر قلب انسانی مطمئن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ

جب انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی زندگی تمام کچھ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بعد بھی زندگی ہے تو ایک

طرف تو وہ زندگی کی لذتوں پر مبنی نہ نہیں لپکتا۔ جیسا کہ انسان کے ذہن میں اگر یہ تصور ہو کہ یہی زندگی ہے۔ جو کچھ ہے۔ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور جو کچھ لوٹا جائے وہ لوٹ لیا جائے!

دوسری جانب انسان، اسلام کے درجیاتی نظریہ کی بنیاد پر قنوطیت اور محرومیت کا فحکار

ہونے سے بچ جاتا ہے۔ کیونکہ انسان جب دنیا کے مظالم اور بگاڑ دیکھتا ہے۔ دنیا کی بے چینی

اور مذاب کا مزہ چکھتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے۔ اب حالات کی قطعاً کوئی اصلاح نہیں ہو سکتی، نہ

ان مظالم کا کوئی صلہ ہو سکتا ہے اور نہ اس بدبختی سے کوئی راہ نکلے۔ تو انسان بجائے اس کے

کہیں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کتا ہے۔

اور ہم تم کو جبری جہلی حالتوں سے اچھی طرح

آزماتے ہیں اور پھر اس زندگی کے ختم پر

تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔

جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری

آزماتش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں

زیادہ اچھا ہے۔

اللہ نے تو آسمان اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے

اور اس لئے کیا ہے کہ ہر متنفس کو اس کی کمائی کا

بدل دیا جائے۔ لوگوں پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا۔

ہر جان کو موت کا سزا چکھنا ہے اور تم کو پوری

پاداش قیامت کے روز ہی ملے گی۔

کہ ان حالات کا مقابلہ کرے۔ ہتھیار ڈال دیتا ہے اور خود تنوہیت و محرومیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام کے دو حیا، نظریہ کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسانی ضمیر تیار نہیں ہوتا۔ حق و انصاف پر سے اس کا ایمان ختم نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس کے عمل و اخلاق بگاڑ کا شکار ہوتے ہیں۔ اور اگر انسان اس نظریہ کو نہ مانے۔ تو ظلم کرتا ہے اور ظلم سہتا ہے۔ حصول مقصد کے لیے ہر ذریعہ اختیار کرتا ہے۔ جب کہ نہ ذریعہ پاکیزہ ہوتا ہے۔ اور نہ مقصد! پھر تقاضا فائدہ یہ ہے کہ انسان اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور اللہ سے پاک و صاف ملاقات کے لئے اپنے تمام اعمال میں پاکیزگی برتا ہے۔

اسی لئے اسلام آخرت کے ذکر پر زور دیتا ہے! اور آخرت کے مناظر بیان کرتا ہے اور اخروی زندگی کا دنیاوی زندگی سے رابطہ بتاتا ہے۔ اور یہ کہ دنیا ہی اخروی زندگی کا ایک واحد ذریعہ ہے۔ اور آخرت میں صحیح نتائج حاصل کرنے کے لیے دنیاوی زندگی کو صحیح اور درست بنیادوں پر قائم کرنا پڑے گا۔

اسلام انسان کو ایک انوکھی اور بدیع شکل میں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اسلام بتاتا ہے کہ انسان نہ الہ ہے۔ نہ حیوان اور شیطان ہے! انسان صرف انسان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں ممتاز و بلند مرتبہ اور اپنا خلیفہ بنا کر پیدا فرمایا ہے۔ جاہلیت انسان کے پاس کے میں بڑی سرگرداں رہی ہے کہ کبھی اسے الہ بنایا اور کبھی اسے حیوان ہی بنا ڈالا اور کبھی اسے جبریتوں کے الہ کے سامنے عبد ذلیل بنا کر رکھ دیا! مگر اسلام انسان کو صحیح صحیح مقام عطا کرتا ہے۔ نہ اس میں کوئی انحراف اور نہ کوئی جاہلیت سے روگردانی!

اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے	وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ
فرشتوں سے کہ ضرور بناؤں گا زمین میں ایک	إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً
نابت	(البقرہ: ۱۳۰)
جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا۔ میں	وَإِذْ مَنَّ رَبُّكَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ
مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب	إِنِّي جَاعِلٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ

میں اسے پوری طرح بنا دیا اور اس میں اپنی  
روح پھونک دی تو تم اس کے آگے سجدے  
میں گر جاؤ۔

یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو  
بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سلاہاں  
عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق  
دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں قدرت  
بخشی (الاسراء: ۷۰)

اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا۔

فَاِذْ اسْتَوَيْنٰهُ وَفَضَّلْنٰهُ  
فِيْهِ مِمَّنْ نَّخْلُقُ لَهُ  
سَاجِدِيْنَ ۝۷۰  
۷۰-۷۱

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ وَ  
خَمَلْنَا هُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ  
وَوَعَدْنَا هُمْ مِّنْ لَّدُنَّا  
قُرْبٰنًا هُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ  
خَلْقِنَا تَفْضِيْلًا (الاسراء: ۷۰)

وَهُمْ رَكْمٌ فَاحْسِبْهُمُ رَكْمًا  
(التغابن: ۳۰)

اسلام انسان کو گندگیوں میں غوطے نہیں دیتا جیسا کہ جاہلیت جدیدہ نے دیکھے ہیں۔ البتہ  
اسلام نے انسان کی پیدائش کی حقارت کی جانب اشارہ کیا ہے جیسا کہ ڈارون نے بھی کیا ہے۔

ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے  
ٹکڑے سے بنایا۔ (البحر: ۲۶)  
کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ  
مِنْ صَلْصَالٍ مِّمَّنْ حَتْبٍ مَّثَلِيْنٍ  
۱۶۱  
اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ  
مَّهِيْنٍ (المسلمات: ۲۰)

وحی الہی جب انسان کی ابتداء کے تخلیق کا تذکرہ کرتی ہے تو اس کا منشاء یہ نہیں ہوتا کہ وہ  
انسان کی کتڑی اور پستی کو نمایاں کر دے اور انسان کو کار و درجیات میں نگاہوں بے حقیقت بنا دے؟  
جیسا کہ ڈارون نے انسان پر چسپاں کر کے کیا ہے بلکہ وحی الہی تخلیقی ملاحظہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ  
انسان کے دوسرے حقائق پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ بتاتی ہے کہ انسان صاحبِ فعالیت اور حسن  
صورت والا اور زمین میں انشکائاً نبی و خلیفہ ہے۔

وحی الہی کی اس توجیہ سے دو امور سامنے آتے ہیں ایک اللہ سبحانہ کی عظمت اور دوسرے  
انسان کی سر بلندی اور ہیبت و حقیقتیں یہی ہیں جو انسان کو اللہ سے وابستہ رکھتی ہیں اور اس کو اس قابل  
بناتی ہیں کہ وہ اللہ کی خلافت کے بلند مرتبے کو حاصل کر سکے۔ اور ساتھ ہی غرور و سرکشی سے  
بھی باز رکھے۔

## روح اور خاک کا امتزاج

اسلام کی نظر میں انسان روح اور خاک کا امتزاج ہے۔ نہ تو صرف خاک ہے کہ جمادات و حیوانات میں مل جائے اور نہ صرف روح ہے کہ فرشتوں میں مل جائے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مٹی اور روح کا یہ امتزاج ہی انسان کو تمام مخلوقات میں ممتاز کیے ہوئے ہیں۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا  
فَعَبَّوْرَهَا وَنَقَّوَاهَا  
وَقَدَّ  
اَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا  
وَ قَدَّ  
خَابَ مَن دَسَّاهَا۔

(الشمس - ۷-۱۰)

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ  
اِثَا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ  
اِثَا شَاكِرًا وَاِثَا كَفُوْرًا

(الانسان - ۳)

اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو دوست بنایا۔ پھر اس کی ہر کرداری اور پرہیزگاری دونوں باتوں کا اس کے آثار کیا یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو پاک کیا اور نامراد ہو جس نے اسے گندہ کیا اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتلا دیئے۔ ہم نے اسے بھلائی اور برائی کا راستہ بتلا دیا۔ یا تو وہ شکر گزار مومن ہو گیا۔ یا ناشکر اور کافر ہو گیا۔

انسان کی اسی خاکی اور روحی امتزاج کی خاصیت میں ابتلا اور جزا کا راز پنہاں ہے کیونکہ انسان پستی بھی اختیار کر سکتا ہے اور بلندی بھی اپنا سکتا ہے۔ اس لئے اس کو اس دنیا میں عمل کے لئے چھوڑا گیا۔ تاکہ آخرت میں اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

پھر انسان ایسی ہستی ہے۔ جسے عالم بالا کے کچھ مزید خصوصیات بھی عطا فرمائی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا تو اس کے لئے کچھ سلامان بھی اسے بخشا۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا  
اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھلا دیئے۔

(البقرہ - ۳)

اس نے تمہیں کان دیئے۔ آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیئے۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ  
وَالْأَفْئِدَةَ۔ (النحل - ۷۸)

ان عطیات کے ساتھ انسان زمین کی آبادی کے لیے بھیجا گیا۔ اور اللہ کا خلیفہ بنایا گیا

اور اس "امانت" کے لائق بھجا گیا۔

ہم نے اس امانت کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ  
عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَنَا  
وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ  
(الاحزاب - ۷۲)

ان تمام امور کا تقاضا ہے کہ انسان زمین پر ایک فعال عنصر کی حیثیت سے سرگرم عمل ہے اور "جبریتوں" کے سامنے مہمل و محکوم بن کر نہ رہ جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی تقدیر بھی اپنے نفاذ کے لیے انسان کی حرکت و عمل کو ہی ذریعہ بناتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے احوال کو نہیں بدل دیتی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بَقِيَ  
حَتَّىٰ يَغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ  
(الرعد - ۱۱)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعضوں کے ذریعے دغ کرتے رہا کرتے۔ تو زمین فساد سے پر ہوجاتی۔

وَلَوْ لَا دَفَعُ اللَّهُ الْمَآسِيَ  
بَعْضُهُمْ يَبْفَحُ لَكَفَسَدَتِ  
الْأَرْضُ - (البقرہ - ۲۵۱)

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات انسان کے لیے مسخر کر دی اور کائنات کے بالمقابل انسان کو ہی فعال قرار دیا!

اس نے زمین و آسمان کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ سب کچھ اپنے پاس ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ  
وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا  
مِنْهُ (جاثیہ - ۱۳)

نظریہ اسلامی جب انسان کو اس مقام بلند پر پہنچا دیتا ہے تو انسان خدا کا دشمن بن کر نہیں رہتا کہ اس سے مقابلہ کرے اور ناراض رہے بلکہ اس مرتبہ پہنچ کر انسان خدا سے ڈرتا ہے اور اس کو محبوب رکھتا ہے۔

انسان پر اللہ کی نعمتیں اس سے شکر و عرفان کی طالب ہیں کیونکہ یہ خصوصیات انسان کی

پیدا کردہ نہیں ہیں۔ نہ انسان نے اپنے اختیار سے خلافت الہی کا خلعت زیب تن کیا ہے اور نہ ہی وہ اپنا خالق آپ ہے۔ گمراہی چاہتا تو انسان کو پیدا ہی نہ کرتا۔ یا اس کو یہ تمام صلاحیتیں اور نعمتیں نہ عطا فرماتا۔ اب ان نعمتوں پر صرف شکر ادا کیا جاسکتا ہے اور اللہ کی عبادت کی جا سکتی ہے۔ ان نعمتوں کا بدلہ وہ دشمنی اور کشمکش نہیں ہے۔ جیسا کہ یونانی جاہلیت میں دیوتاؤں اور انسان کے درمیان تعلق تھا اہل حق کا گہرا سایہ بیسویں صدی کی جاہلیت پر بھی پڑا ہے اور اس جاہلیت میں اللہ اور انسان کا تعلق بگاڑ کا شکار ہو گیا!

## انسان ایک مربوط وجود

اسلام کی نظر میں انسان ایک مربوط، ہم آہنگ اور غیر منقسم وجود ہے۔ اس کے عنصر خاکی اور اور اجزائے روحی میں کوئی انفصال نہیں ہے بلکہ اس کے فکر و عمل میں ہم آہنگی، عمل و اخلاق میں ارتباط، حقیقت اور واقعیت میں پیوستگی ہے اور عقیدہ و شریعت اور دنیا و آخرت میں تسلسل ہے۔

غرض انسانی جسم اور روح، فکر و عمل، عقیدہ و قانون اور دنیا و آخرت ایک وحدت ہیں اور انسانی ان وحدتوں کا ایک متوازن اور معتدل مجموعہ ہے اور اس مجموعے میں نہ تو جسم کو روح پر غلبہ دیا گیا ہے، نہ واقعیت کو خیال پر حاوی بنا یا گیا ہے اور نہ ہی انفرادیت پسندی کو اجتماعیت پر اور سلطنت کو اسبابیت پر اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی گئی ہے۔

انسان کے اسی متوازن تصور سے فرد اور معاشرہ متوازن ہوتے ہیں اور ان کے افکار و اعمال میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام کا پیش کردہ یہ واضح اور روشن تصور انسان کے قلب و ضمیر میں راجح بس جائے تو اس کی پوری زندگی مستقیم اور عبادۂ حق پر گامزن ہو جائے۔

## اسلامی جماعت کا ظہور

اسلام کا یہ "تصور انسانی" محمد بن عبداللہ کے نفس میں جاگزیں ہوا اور اس امت مسلمہ کے دل میں جس کی آپ نے اپنے سامنے تربیت کی۔ اس سے ایسے معجزات ظاہر ہوئے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس نظریہ کی دعوت اور اسلام کی اس پکار کے نتیجے میں سارے قبائل عرب جمع ہو گئے اور امت مسلمہ وجود میں آگئی۔ اللہ! جاہلی نفوس نے اپنے عادات

وخصائل، اپنے تصورات و نظریات، شہوات و لذات اور اپنے سب افسانہ ہائے ماضی چھوڑ  
 دینے اور صحیح راستے پر جم گئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ جیسے لوگ ہی بدل گئے ہوں۔ یا اسلام  
 میں وہ اور سرٹو پیدا ہوئے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ ان کی ایک طرح سے اللہ کے اس دین  
 میں نئی پیدائش تھی۔

یہ اسلامی جماعت صنفِ تاریخ پر اس قدر منفرد و انداز میں ظہور پذیر ہوئی کہ اس کے منہاج میں اور  
 انسانیت کے طور طریقوں میں کوئی مشابہت تک نہ تھی۔ مسلمانوں کے ابھرنے کے انداز جاہلی و ستور  
 سے بالکل مختلف اور بدلے ہوئے تھے اور اس لشوونما کا کوئی ارضی تقاضا بھی محرک نہ تھا۔

دیکھنا یہ ہے کہ یہ کیسی نئی بات پیش آگئی تھی جس کی بنا پر تاریخ کا یہ عظیم انقلاب برپا ہوا اور  
 لوگ اللہ کے دین کی طرف مائل ہو گئے۔ حالانکہ انسانیت اللہ کے صحیح تصور کے باوجود میں ہمیشہ بھٹکتی  
 رہی ہے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں بھی اللہ کے تصور میں انحراف ہے اور یہ کیسا نیا واقعہ رونما ہوا  
 تھا جس نے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کر دیا۔ حالانکہ یہی انسانیت انسانوں کو غلام بناتی  
 رہی ہے۔ برسرِ اقتدار طبقہ اپنی خواہشات اور اپنے مفادات کے مطابق قانون سازی کرتا رہا اور عوام  
 ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے رہے اور سرمایہ دارانہ آمریت اور پروتاریہ آمریت کی حکومت کے سامنے  
 کھڑے کانپتے رہے اور یہ کون سی نئی بات پیش آئی تھی کہ جس نے لوگوں کو خواہشات کی غلامی سے نجات  
 دلا دی۔ حالانکہ یہی انسانیت اسلامی نظام کے علاوہ۔ ہمیشہ ہی اپنی شہوتوں کی بندگی کرتی رہی  
 بلکہ جوں جوں انسانیت جاہِ حق سے منحرف ہوتی گئی۔ شہوت کی بندگی میں زیادہ سے زیادہ طورت  
 ہوتی گئی!

یہ کیسی تبدیلی تھی جس نے کائنات میں انسان کو صحیح مقام عطا کیا۔ جب کہ یہی  
 انسانیت۔۔۔ اسلام کے علاوہ۔۔۔ ہمیشہ ہی انسان کو صحیح مقام دینے میں غلطیاں و بیجاں  
 رہی ہے۔ کبھی کھوکھلے غرور کا شکار ہو کر انسان کو الوہیت سے نوازا گیا اور کبھی اسے انتہائی  
 ذلیل بندگی میں دھکیل دیا گیا۔ اور جبڑیتیں اسے مزید گندگیوں میں لتھیرتی رہیں اور ریب  
 بھذلت و عاجزی و بے کسی انسان نے سلطان باطل کے ہاتھوں برواشت کی!؟  
 یہ کیسا انقلاب تھا کہ جس سے اچانک انسانیت کا اخلاق درست ہو گیا۔۔۔  
 حالانکہ انسانیت۔۔۔ غیر اسلامی نظام میں۔۔۔ اپنے اخلاق کے باب میں سرگرداں رہی ہوگی

اخلاق صرف سفید فاموں کیلئے مخصوص ہو گیا اور کبھی اخلاق کی بنیاد ذاتی نفع اندوزی قرار پائی۔  
 یہ کیسی نئی بات پیش آگئی تھی۔ جس نے فرد کا معاشرے کے بارے میں اور معاشرے کا فرد کے  
 بارے میں موقف درست کر دیا۔ جب کہ انسانیت۔ غیر اسلامی نظام میں۔ فردیت  
 اور اجتماعیت دونوں ہی میں انتہا پسند رہی ہے۔ فرد کے بالمقابل معاشرہ تباہ اور معاشرے کے  
 بالمقابل فرد بے کس رہا ہے!؟

یہ کیسا انقلاب تھا بآں واحد معاشرے کے جنسی علائق کو درست بنیادوں پر قائم کر دیا۔  
 جب کہ۔ انسانیت۔ غیر اسلامی معاشرے میں۔ ایک ایسی حیوانی بھوک کا اور جنس  
 کی ایسی آتش سوزاں کا شکار رہی ہے۔ جو اس وقت تک سر نہ ہوتی تھی۔ جب تک انسان کو جلانے  
 کا ستر نہ کر دے!؟

کس قدر عظیم تبدیلی تھی کہ حاکم ہوائے نفس کے مطابق حکومت کرنے سے بانا گیا۔ جبکہ  
 غیر اسلام میں۔ انسانیت پر طاغوت ہی حکمران رہا۔ کبھی جمہوریتوں کے زیر سایہ اور کبھی آمریتوں  
 کے سائے تلے!۔

## انقلاب عظیم

آخر اسلام کے صرف چند ابتدائی سالوں میں وہ کون سا انقلاب عظیم برپا ہو گیا کہ ہر شے  
 بدل کر رہ گئی؟ یہ انقلاب یہ پیش آیا تھا کہ فکر انسانی مستقیم ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں عمل اور زندگی  
 کے ہر گوشے میں استقامت اور درستگی آگئی!

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو یہ نفس نفیس ترمیم دی اور امت  
 نے اپنی عملی زندگی وحی اسلام کے مطابق بنائی! اور امت مسلمہ کے فکر و عمل میں بے حد استقامت  
 پیدا ہوئی بلکہ ان میں انسانی فطری کمزوریاں بھی تھیں۔ اس کے باوجود بھی وہ اس قدر مستقیم تھے۔  
 جس قدر استقامت طاقت بشری میں ممکن ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی امت مسلمہ کے تمام افراد  
 میں ایک عجیب قسم کا ارتباط تھا۔

ان میں انسانی فطری کمزوریاں بھی تھیں۔ کیونکہ ہر انسان طبعی طور پر اپنے لیے بھلائی چاہتا ہے  
 كَرَاهَةُ لِحَبِّ الْخَيْرِ لِشَدِيدِهِ اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے۔



لیکن اس کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کے لئے اس قدر صفات نفعیہ کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ قرآن نے صحابہ کرام کی اخوت و محبت کا نقشہ کھینچا ہے۔

جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے۔ اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے۔ اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔

تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں (المحشر) مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ (التوبہ: ۱۰)

يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ  
وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ  
حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ  
عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَتْ  
بِهِمْ خَصَمَاتٌ

(المحشر: ۹)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ  
وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ  
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (التوبہ: ۱۰)

اس جماعت کا شعور انسانیت تمام لوگوں کے لیے عام تھا!

اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰتُ  
قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا  
إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

(المائدہ: ۸)

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھر سے نہیں نکالا۔

لَا يَنْهَىٰكُمْ اللَّهُ عَنِ  
الَّذِينَ لَهُ يَتَاٰتِلُوكُمْ فِي  
الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُواكُم مِّنْ  
دِيَارِكُمْ أَتَّخَذُواكُم  
وَتَقْسَمُوا إِلَيْكُمْ (الممتحنہ: ۸)

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰتُ  
قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ

اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اسی سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تمہیں

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ آثَمَ مَسْجِدِ حَرَامٍ سِوَا هَذَا - وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے

(اللائعۃ) نکل جاؤ۔

امت مسلمہ نے ایک ایسا معاشرہ تشکیل کیا۔ جس میں فرد اور مجتمع متوازن تھے۔ فرد کا شخص متاثر اور ہر زیادتی سے محفوظ تھا۔ اس کا کردار مثبت اور باوقار تھا۔ اسلامی معاشرے میں فرد اس امر کا مکلف تھا کہ وہ حاکم وقت پر اور معاشرے پر نظر رکھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول پر عمل پیرا رہے۔ غرض اس طرح ایک ایسا مربوط معاشرہ وجود میں آیا جو افراد کی رہنمائی کرتا۔ ان کے قلب و فکر اسلامی بناتا اور اللہ کی عزت و شرف کی حفاظت کرتا۔

امت مسلمہ نے ایک ایسا اقتصادی نظام برپا کیا جس میں قرض اور قیمت میں توازن تھا۔ غریب اور امیر ہر فرد کی کفالت تھی۔ بس ایک قوم تھی۔ جس میں ایک دوسرے کا مسئلہ اور دوسرا پہلے کا ذمہ دار تھا۔ سب کا رخیہ میں برابر کے شریک تھے۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو مال سمیٹ سمیٹ کر اپنی تجوریاں بھرتا ہو۔

كَذَٰلِكَ لَا يَكُونُ دَوْلَةً  
بَيْنَ الْأَعْيُنِ يَأْتِيهِمْ مِنْكُمْ (الحشر) میں نہ آ جاوے۔

معاشرے کا کوئی بھی فرد محروم نہ تھا۔ کیونکہ دولت کا مرکز بیت المال تھا اور بیت المال تمام مسلمانوں کا خلیل تھا!

امت مسلمہ نے ایک ایسا اخلاقی نظام برپا کیا۔ جس سے زندگی کا کوئی بھی گوشہ خالی نہ رہا۔ ان کی سیاست اخلاق پر قائم تھی۔ چنانچہ امت کے داخلی معاملات ہوں یا خارجی ایسی تمام کی تمام اخلاقی اصولوں پر استوار تھی۔ وعدہ کا پورا کرنا اور پابندہ میثاق رہنا ان کی خارجہ پالیسی کے اخلاقی اصول تھے!

معاشرے کے آپس کے تعلقات کی بنیاد اخلاق تھی۔

اقتصادیات میں خواہ معاملہ فرد کا ہو یا جماعت کا پابندی اخلاق یہاں بھی ملحوظ خاطر تھی! جنسی تعلقات میں اخلاقی تنظیم تو تاریخ میں پہلی مرتبہ اسی مسلم جماعت نے پیش کی۔

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کی بنیادیں اتنی مضبوط ہو گئیں کہ اس عمارت کی شکست میں ایک ہزار سال لگ گئے جب کہ دشمنان اسلام ہر قسم کے وسائل سے اس بلند عمارت کی شکست و ریخت میں لگے ہوتے تھے۔!

اس قسم کا اسلامی معاشرہ صرف جزیرہ نما تے عرب تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ امت مسلمہ جہاں جہاں گئی اللہ کے دین کی بشارت لے کر گئی اور جس جس مقام پر پہنچی اسلام کے قوانین عدل کو نافذ کر دیا۔ چنانچہ امت مسلمہ زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ گئی اور اتنی سرعت رفتاری کے ساتھ کہ آج تک متعین حیران ہیں کہ دنیا کی کوئی بھی تحریک اتنی تیزی سے نہیں پھیلی۔ جس قدر اسلام پھیلا ہے۔! ادبیت ہی مختصر عرصے میں اسلام نے متعدد اقوام ملا کر ایک قوم بنا دیا اور ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی۔

دنیا میں بہت سی پادشاہتیں قائم ہوئیں۔ رومی، فارسی، ہندی، چینی اور۔۔۔ درجہ اول میں برطانوی اور روسی سلطنتیں۔۔۔ ان میں سے کوئی بھی سلطنت اسلامی سلطنت کے مقابل نہیں ہے۔ کیونکہ اسلامی حکومت سلطنت یا پادشاہت نہیں تھی۔!

مندرجہ بالا تمام پادشاہتیں وجود میں بھی آئیں اور ختم بھی ہو گئیں۔ لیکن مختلف اقوام کو باوجود لامتناہی کوششوں کے ایک قوم نہ بنا سکیں۔ لیکن اسلامی دنیا بغیر کسی دباؤ اور بغیر کسی کوشش کے ایک قوم بن گئی۔! اور اس کا سبب بالکل سادہ سا ہے اور وہ یہ کہ دنیاوی پادشاہتیں اپنی ماتحت اقوام کو اپنا تابع بنانے کی کوششیں کرتی ہیں۔ جس کی بناء پر یہ اقوام یہ محسوس کرنے لگتی ہیں کہ وہ مغلوب ہیں اور اپنا مخصوص رنگ کھو کر غالب قوم میں ضم ہوتی جا رہی ہیں۔

لیکن امت مسلمہ تو تمام کی تمام اللہ کے سامنے سرنگوں تھی۔ وہ غالب اور مغلوب کا کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ اگر اسلام کے خلاف نہ ہوتا۔ تو ہر چھوٹی قوم اپنے مخصوص رنگ کو محفوظ رکھتی اور تمام اقوام کو اللہ پر ایمان کا رشتہ آپس میں ملا دیتا۔۔۔ اور آج بھی امت مسلمہ میں ایک قوم ہونے کا احساس باقی ہے۔ اگرچہ اس احساس کو کھینچنے اور امت مسلمہ کو پارہ پارہ کرنے کی حد تک کوششیں کی جا چکی ہیں اور کی جا رہی ہیں۔!

اسلامی وحدت و اخوت کے سائے تلے ایک بلند مرتبہ اسلامی تہذیب صفحہ ہستی پر جلوہ گر ہوئی۔ — اسلام سے پہلے عربوں کے پاس کوئی تہذیبی سرمایہ نہ تھا۔ کیونکہ عربوں کی باوقار نشینی اور ان کے جغرافیائی، اقتصادی اور علمی حالات نے انہیں اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ کسی وسیع تہذیب کی بنیاد رکھ پاتے!

بادجو دیکھ جزیرہ نمائے عرب کو روم اور فارس کی تہذیبوں سے واسطہ پیش آچکا تھا۔ لیکن اسلامی تہذیب اپنے ضمیر اور اپنے مزاج میں اس وقت کی تمام تہذیبوں سے مختلف تھی۔ نہ تو عربوں کے ماضی میں اس کے آثار ملتے ہیں اور نہ ہم عصر تہذیبوں میں اس قسم کا کوئی مواد تھا جس کے بارے میں کہا جاسکے کہ یہ مواد اسلامی تہذیب کا حصہ بن گیا تھا ہر چند کہ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے روم اور فارس سے بہت سے تنظیمی ادارے اپنائے۔ لیکن بنائے تہذیب بہر حال اسلامی تھی۔

## اسلامی تہذیب کے مغرب پر اثرات

پھر بعد میں دوسری تہذیبوں کے اثرات اسلامی تہذیب میں شامل ہوتے رہے۔ جنہی کا تک مسلمانوں نے مغربی تہذیب کو اپنا یا راجب کہ خود مغربی تہذیب اسلامی تہذیب کی خوشتر جی ہے برینالٹ اپنی کتاب تعمیر انسانیت میں لکھا ہے:

”مغربی تہذیب ترقی کا گوشہ ایسا نہیں ہے جس کا رشتہ یقینی طور پر اسلامی تہذیب سے نہ لگتا ہو۔“

اسلامی تہذیب کی طرح مسلمانوں کی علمی تحریک بھی تاریخ کی زبردست علمی تحریک تھی۔ علم کی جانب عربوں کی کوئی خاص توجہ نہیں تھی بلکہ انہیں خطابت زیادہ دلچسپی تھی اور عربوں میں پڑھنے لکھنے کی دلچسپی اور علمی ذوق صرف اسلام کا پیدا کردہ ہے۔

مسلمانوں نے اپنی پڑوسی اقوام سے علوم دنیاوی سیکھے یونان، روم، مصر اور ہندوستان سے مسلمانوں نے فلکیات، ریاضیات، طب، طبیعیات اور کیمیا حاصل کیے۔

— لیکن مسلمانوں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اسلامی ہدایت کے زیر سایہ

تجربی اسکول کی بنیاد رکھی جس پر آج یورپ کی تحریک علمی کی بنیاد قائم ہے!  
بریفالٹ مذکورہ بالا کتاب میں کہتا ہے :

عربی تہذیب (اسلامی تہذیب مراد ہے) نے جو کچھ ہمیں دیا ہے۔ اس میں علم سب سے  
زیادہ گراں قدر نشتے ہے۔ — باوجودیکہ مغربی تہذیبی ترقی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کا  
رشتہ یقینی طور پر اسلامی تہذیب سے نہ ملتا ہو۔ مگر سب سے زیادہ اور سب سے واضح اسلامی  
اثرات اس طاقت پر مرسم نظر آتے ہیں جس نے جدید دنیا کو ایک ممتاز قوت سے نوازا ہے  
اور جس میں موجودہ ترقی کا راز پنہاں ہے۔ — یعنی علوم طبیعیہ — اور — علمی بحث  
کی روح —

”ہمارا علم عربوں کا اس طرح مقروض نہیں ہے (مسلمان مراد ہیں) کہ انہوں نے کچھ  
نئے نظریات کے لیے راہیں کھول دیں، بلکہ ہمارا سارا علم عربی تہذیب کا مقروض ہے بلکہ  
یہ کہنا چاہیے کہ ہمارے علم کا وجود ہی عربی تہذیب سے وابستہ ہے۔ کیونکہ قدیم دنیا میں تو علم کا  
کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ یونان کے پاس نجوم اور ریاضی بھی باہر سے درآمدہ علوم تھے۔ جو کسی دور میں  
بھی یونانی ثقافت کا حصہ نہ بن سکے!“

”یونانیوں نے مختلف مدارس فکر بنائے۔ احکام کو عمومییت دی اور نظریات متعین کیے  
لیکن بحث کے سنجیدہ انداز، ایجابی معلومات کی جمع، علم کے تفصیلی مناہج کا بیان، باریک بینی  
اور تجربی بحث — یہ تمام امور یونانی مزاج سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتے۔“

جسے ہم علم کہتے ہیں۔ وہ تو یورپ میں ہی روح بحث، استقصاء کے جدید طریقوں —  
تجربہ۔ ملاحظہ مقابلیس — اور ریاضیات کے ترقی پانے کے وجود میں آیا ہے۔ یہ روح اور علمی  
مناہج عربوں (مسلمانوں) کے ذریعے یورپ تک پہنچے ہیں

دیریر امریکی اپنی کتاب ”مذہب و سائنس کی کش مکش“ میں لکھتا ہے :

”مسلمان علمائے یہ ثابت کر دیا کہ عقلی و نظری اسلوب ترقی کا ضامن نہیں ہے۔ تلاش  
حقیقت کے لیے بذات خود حوادث کا مطالعہ ضروری ہے — اس لئے

مسلمانوں کا طریقہ کار تجربی اسلوب رہا ہے“

## امت مسلمہ کا انحراف

مسلمانوں کے لیے اللہ کی وحی کا عملی ترجمہ یہ تھا کہ وہ اللہ کی مخلوق میں نمود نظر کریں۔ کائنات میں اس کی نشانیاں تلاش کریں اور واقعاتی زندگی گزاریں۔ خیالی دنیا میں نہ کھو کے رہیں۔ اور جب ان کا اللہ کے بارے میں تصور و عقیدہ درست ہو گیا تو امت مسلمہ نے تاریخ میں ایک ایسی روشن اختیار کی کہ تاریخ بھی انگشت بندھاں ہے کہ یہ سب کچھ اور اتنا کچھ اتنے مختصر سے حوسے میں کیسے ہو گیا۔ بالآخر

امت مسلمہ بھی اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے منحرف ہو گئی! مسلمان بھی رفتہ رفتہ جاہلی روش پر چل نکلے یہاں بھی عقیدہ شریعت سے علیحدہ ہو گیا اور عقیدہ بے حس و ذہبے کیف جذبہ کی طرح سینہ کے کسی اجڑے بھتے گوشہ میں نیم مردہ حالت میں جا پڑا جس کا حقائق کی دنیا سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہا اور بجائے اس کے کہ عملی زندگی میں اللہ کا قانون نافذ ہو مسلمانوں نے اپنی زندگی میں غیر اللہ کے قانون کو اپنا لیا۔ چنانچہ امت مسلمہ کا حقیقی وجود ہی مٹا میٹ ہو گیا۔ اگرچہ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہے اور وقتاً فوقتاً نماز روزہ بھی کرتے رہے اور پھر جب مسلمانوں میں ارتقا کا محرک ہی ختم ہو گیا تو ساتھ ہی تہذیب بھی اجڑ گئی اور علمی ذوق بھی پست ہو گیا۔ اور مسلمانوں نے اس ذلت و پستی کو تسلیم بھی کر لیا۔ چنانچہ اور بھی اسلام سے دور ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد اخلاقی اباحت نے بھی آیا۔ اب مسلمانوں میں صدق و صفار ہی نہ خلوص و صداقت رہی اور نہ اب ان کے معاملات میں استقامت رہی اور نہ ہی انسانیت کی بنیاد پر آپس کا ربط باہمی رہا!

اور جب یہ سارے مراحل تنزیل طے ہو چکے۔ تو فریڈ ہیوڈی سازش نے دلدل میں گھسیٹ لیا اور امت مسلمہ کا رہا سہا اسلام بھی جاتا رہا: مگر اسلام ان نام نہاد مسلمانوں سے قطعاً بے پرواہ ہے!

اسلام تو اللہ کی بتائی ہوئی وہ صراطِ مستقیم اور اللہ کی وحی کردہ وہ جادہ حق ہے۔ جو محمد بن عبداللہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے لے کر آئے تھے۔ اسلام انسانیت کے انحراف کے ساتھ منحرف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسلام تو انسانیت کو

اجہار نے والا اور اس کو صحیح راستے پر گامزن کرنے والا ہے :

اسلام تو وہ سراج منیر ہے۔ جو لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف — اور — طاغوت سے بچھا کر اللہ کی طرف لاتا ہے !

اسلام ہی انسانیت کو سرکش و باغی اور انسانی وجود کو کھیل ڈالنے والی جاہلیت سے نجات دلاتا ہے ۔

اور اسلام ہی جاہلیت کے وہ سارے بگاڑ دوزخ کر سکتا ہے جس سے آج انسانیت دوچار ہے۔ جب بھی اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم کے مطابق تصور درست ہو جائے گا عمل خود بخود استوار ہو جائے گا۔

جب گمراہ انسانیت اللہ کی طرف رجوع ہوگی — زندگی کی صراط مستقیم اسے اپنے سامنے نظر آئے گی اور سیاست، اجتماع، اقتصاد، اخلاق، فن، جنسی علاقہ، غرض زندگی کا ہر پہلو سنور جائے گا۔ جاہلیت نے انسانیت اور اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم کے درمیان نہایت دبیز پردے ڈال دیئے ہیں، اور ان میں سے ایک دبیز پردہ نام نہاد ترقی ہے۔

جاہلیت کہتی ہے کہ ترقی "انسانیت کو اللہ کے دین سے بہت دور لے گئی ہے اور جو کچھ لوگوں کے لیے آج سے چودہ سو سال پیشتر درست ہو سکتا تھا وہ آج نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اب لوگ ترقی یافتہ ہو گئے ہیں !

"ترقی" وہ خوفناک بگاڑ ہے۔ جو تصور اور عمل میں نمایاں ہے جس کا ہم پہلے دو ابواب میں ذکر کر چکے ہیں، جس نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو اور نفس انسانی کا کوئی گوشہ بغیر بگاڑ کے نہیں چھوڑا ! یہی وہ ترقی ہے جو انسانیت کو تباہی کے غار کے کنارے پر لے آئی ہے !

وَيَجْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّلتَدُونَ اور خود کو ہدایت یافتہ خیال کر رہے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ ہمیشہ سے اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی انسانیت کو چھٹکارا دلانے والا اور

تباہی سے بچانے والا ہے۔ اس لیے جب بھی انسان ہدایت پا کر جاوہ حق پر گامزن ہو جاتے ہیں جب اللہ کی بتائی ہوئی ترقی پر چلنے لگے — جب وہ اللہ پر پکا سچا ایمان لے آئے — جب وہ اللہ کی عبادت کا حق ادا کرے اور اس کے ساتھ کسی طاغوت کو شریک نہ کرتے۔ جب وہ اپنے لئے خود قانون سازی کے اور اللہ کے قانون کو چھوڑ کر اتراتے نہیں — اور — جب وہ خود اللہ کی حاکمیت اعلیٰ

اپنی طرف منسوب کر کے نہ بیٹھ جائے۔ اس وقت جاہلیت کے تمام بگاڑ ختم ہو جائیں گے۔ اور انسانیت ظلم، بدبختی اور عذاب الیم سے نجات پا جائے گی۔

کیونکہ جب انسان عقیدہ اور عبادت کی جادہ حق سے منحرف ہو جاتے ہیں، اللہ کی حاکمیت پر خود قبضہ جمالیٹے ہیں۔ اور انسان انسانوں کے الہ اور ارباب بن بیٹھے ہیں کہ چند انسان قوانین بنائیں اور باقی انسان ان کی اطاعت کریں تو انسانیت یونہی ظلم، بدبختی اور عذاب الیم میں مبتلا ہو جاتی ہے!

اور اسلام آج بھی جاہلیت کے بگاڑ کو دور کرنے والا اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والا ہے! اور اسلام آج بھی حق و باطل کے درمیان فیصلہ، بانی انسانیت اور بگاڑ و سرکشی کو ختم کرنے والا ہے! جب بھی لوگ اسلام کو اپنائیں گے۔ ان کی زندگی میں اعتدال اور استقامت پیدا ہو جائے گی!

یہاں ہم سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق، جنسی علاق اور فن کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے تفصیلی بحث تو نہیں کر سکتے۔ البتہ چند اہم مسائل کے بارے میں اسلامی طریق فکر پیش کریں گے۔ تاکہ اس سے مزید مسائل میں رہنمائی مل سکے۔

اس سے قبل ہم مندرجہ بالا تمام امور میں جاہلیت کا بگاڑ واضح کر چکے ہیں۔ وہاں بھی ہم نے بغیر کسی تفصیل میں گئے ہوتے جاہلیت کے بگاڑ کو واضح کیا تھا۔ یہاں بھی ہم ان تمام مسائل حیات میں اسلامی فکر تائے ہوتے صرف اتنا ہی بیان کریں گے کہ جس سے راہیں روشن ہو جائیں اور انحراف کے دور کرنے میں مدد مل سکے۔

سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق اور فن کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے تفصیلی بحث کے لیے مستقل تصنیفات موجود ہیں۔

جن میں اہم یہ ہیں :-

اسلام کا نظریہ سیاسی — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

اسلام اور سماج کے سیاسی حالات

۱۔ مولانا مودودی کی تین کتابیں اصل موضوع پر ہیں۔ (۱) اسلامی معاشیات کے بنیادی اصول (۲) سود و منہجیت زمین اور سید قطب کی۔ اسلام کا نظام عدل



اسلام میں سیاست مال اور حکم — عبدالقادر عودہ شہید

مولانا مودودی اور سید قطب کی اور بھی کتابیں ہیں جن میں اسلامی اقتصاد پر بحث کی گئی ہے۔

سیاست میں جاہلیت کی ساری پیچیدگی یہ ہے کہ جاہلیت اللہ کے نازل کردہ احکام کو

نافذ العمل نہیں کرتی!

اور اللہ کے نازل کردہ احکام کی تفصیل میں جاتے بغیر پہلے ہم صرف یہ بتلائیں گے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کو عملی زندگی میں نافذ نہ کرنا ہی اصل انحراف اور بگاڑ کا سبب ہے۔ کیونکہ

انسانوں کے خود ساختہ قوانین انسانوں کی ایک جماعت کو باقی تمام انسانوں پر حاکم بنا دیتی ہے

اور اسی طرح ایک مخصوص گروہ کے مفادات تمام انسانوں کے مصالح پر غالب آجاتے ہیں! یہ

بات ہم صرف اپنے طور پر نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ اس کا اقرار خود جاہلیت کے ستم رسیدہ افراد کر رہے ہیں

ان لوگوں کے نزدیک اجتماع، سیاست اور اقتصاد سب میں یہ طے شدہ اصول ہے کہ جس طبقہ کے

ہاتھ میں "ملکیت" ہو۔ وہ ہی طبقہ حاکم بھی ہوتا ہے اور یہ طبقہ تمام طبقات کے مصالح کو نظر انداز

کر کے صرف اپنے مفادات کے حصول میں لگا رہتا ہے۔

اگر سرمایہ داری مالک ہے سرمایہ دار طبقہ کے مصالح اور مفادات کو مد نظر رکھتی ہے

اور مزدوروں اور محنت کشوں کو کھیل دیتی ہے!

اور اگر اشتراکیت مالک ہے — تو وہ مزدور طبقہ کے مصالح اور مفادات کا خیال رکھتی ہے

اور سرمایہ داروں کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

غرض ہر طبقہ اپنا جہنم بھر رہا ہے اور دوسرے طبقہ کے استحصال میں لگا ہوا ہے!

تاریخ میں انسان جب بھی دوسرے انسانوں پر حکمران رہا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ طبقہ حاکم نے

تمام انسانوں کی مصالح کو مد نظر رکھا ہو۔

اللہ کے قانون کی حاکمیت

یہ تو جیب ہی ہو سکتا ہے۔ جب لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کو نافذ العمل کریں۔ کیونکہ

جب اللہ کا قانون نافذ ہوگا تو کسی ایک طبقہ کی حاکمیت نہیں ہوگی۔ — اللہ کا نہ کوئی طبقہ ہے

اور نہ اللہ کی کوئی مصلحت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا "رب" ہے اور اس کا نازل کردہ قانون تمام انسانوں کے لیے ہے؛

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلا کر اور انسان کو یہ بتلا کر کہ الوہیت اور حاکمیت مطلقہ صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ انسان ہی کو عزت و کرامت اور آزادی عطا کی ہے جو اللہ کی عبادت چھوڑ کر انسان کو ہرگز ہرگز مستر نہیں آسکتی؛

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی بندگی کا اس لیے حکم نہیں دیا کہ ان کی بندگی کی اللہ کو کوئی ضرورت تھی؛

مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رَّبِّقٍ  
وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا  
(الذاریات - ۵۷)

میں ان سے رزق رسائی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ کہ وہ مجھے کھلایا کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے خالق رازق اور موت و حیات کے مالک کی عبادت کریں؛

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ مہربانی فرمائی کہ اس فرض کی اطاعت میں بھی ان کے لیے خیر پنہاں کر دی۔ اللہ کے بندے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ ان کا خالق رب اور الہ ہے۔ پھر یہ عبادت ان کے لیے خیر و برکت اور ذخیرہ آخرت بھی بادی جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہے۔

وَمَنْ جَاهَدْنَا نَحْنُ مَا يَجَاهِدُ  
لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ  
(عنکبوت ۶)

اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے کرتا ہے۔ اور نہ خدا تعالیٰ کو تمام جہان والوں میں سے کسی کی حاجت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اللہ کو الوہیت اور حاکمیت میں مغرور نہ بنیں اور اللہ کے سوا کسی قانون کو نہ بنائیں۔ بلکہ اللہ ہی کے قانون کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا؛

وَإِخْذُوهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ  
ان کی اس بات سے احتیاط رکھو کہ آپ

عَنْ بَعْضِ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُؤْتَىٰ  
 اس سطور سے اللہ تعالیٰ کا منقہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی اور بندگی سے آزاد کرانا ہے اور  
 اس طاقت کے پیچھے سے انسانیت کو بھڑکانا ہے۔ جو انسانوں کی بندگی کے صلے میں دینا  
 ہوتا ہے۔ جس کے بھیانک آثار ہم جاہلیتِ جدیدہ میں اور تاریخ کی ہر جاہلیت میں پاتے ہیں۔  
 اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ انسانیت حقیقی اور بھرپور آزادی سے ہلکار ہو۔ آزادی جو  
 انسانیت کو اپنے کسی بھی خود ساختہ نظام میں نصیب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انسانوں کے تراشے  
 ہوئے ہر نظام میں انسان طبقہ حاکم کے غلام ہوتے ہیں اور طبقہ حاکم اپنے مفادات کے لیے  
 باقی انسانوں کا استحصال کرتا رہتا ہے!

اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ بنی نوع انسانوں کو کرامت عطا کرے جو اس صورت میں ممکن  
 ہے کہ تمام انسان اعلیٰ زندگی کریں اور جو اس طاقت کا سرکل دیں۔ جو لوگوں سے کہے کہ میں  
 لوگوں کا قانون ساز ہوں۔ میں لوگوں پر غالب ہوں۔ لوگ میرے ارادے کے سامنے سرنگم ہیں۔  
 اور میں جس طرح چاہوں لوگوں کی زندگی تشکیل کروں۔ کوئی مجھے روکنے والا نہیں ہے!

اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ لوگوں کو عزت حاصل ہو۔ اور یہ عزت اسی وقت ممکن ہے۔  
 جب معاشرے کا ہر فرد یہ محسوس کرے کہ اسے بھی قانون میں اتنا ہی حق ہے۔ جتنا معاشرے  
 کے دیگر افراد کا ہے۔ جتنا انسان کا سرمایہ جدید ہو گا اتنا ہی وہ قانون سے قریب تر ہو جائے گا۔  
 اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ  
 اللہ کے نزدیک تم میں سے بہتر وہ ہے جو اللہ  
 سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

یہ نہیں کہ جس کے پاس مال دولت یا قوت و طاقت ہو وہ قانون کی ناک جس طرح چاہے  
 ٹوڑے!

اسلام کے اس مندرجہ اور بے مثل نظام میں انسانیت کو عزت و کرامت اور بھرپور حقیقی آزادی  
 ملتی ہے اور لوگوں کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ آزاد بیعت کے مفاد میں جو چاہیں سلجھنا اور امر مستحب کریں۔  
 مگر۔ اسلام میں دل امر یعنی ذات کے مفاد میں بنانا نہ وہ لوگوں کی گردنوں کا  
 ناک بن جاتا ہے اور دین کو اپنے سامنے سرنگم رکھتا ہے۔ وہ تو صرف اللہ کے

بمقابلہ کردہ احکام کو نافذ کرنا ہے۔

ولی امر کی بیعت اسی لئے کی جاتی ہے اور اسے حکومت اسی لئے دی جاتی ہے۔ کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرے۔ اللہ کا قانون نہ کسی طبقہ کا خود ساختہ ہے اور نہ اس میں کسی طبقہ کے مفادات کو سامنے رکھا گیا۔ اللہ کا قانون تو تمام انسانوں کی مصالح کو مد نظر رکھتا ہے۔!

اسلام میں بھی ولی امر — خلیفہ — انسانوں ہی میں سے ہوتا ہے۔ لیکن اسے کوئی مخصوص طبقہ منتخب نہیں کرتا اور نہ اس کے انتخاب میں کوئی خاص گروہ مدد پہنچاتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں کسی طبقہ کی کوئی مسامتت نہیں ہے کہ وہ کسی خاص شخص کو منتخب کرے یا اسے دوسروں پر فضیلت دے۔ سوائے اس کے کہ اس شخص میں ولایت کی اہلیت پائی جائے۔ کیونکہ جو شخص باسلامی نظام میں ولی امر یا خلیفہ ہوتا ہے اسے یہ اختیار تو حاصل نہیں ہوتا کہ وہ خاص طبقہ کے مفادات کے مطابق قانون سازی کرے اور اس طبقے کے مفادات کو عام مسلمانوں کے مصالح پر ترجیح دے سکے۔

جب تک کسی مخصوص طبقے کے پاس عام لوگوں سے زیادہ طاقت و قدرت نہ ہو۔ وہ کیسے لوگوں کو اس پر پائل کر سکے گا کہ فلاں شخص کو خلیفہ منتخب کریں اور فلاں کو نہ کریں، اور اسلام میں کسی بھی طبقے کو باقی لوگوں پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے!

— ہاں یہ ممکن ہے کہ غلطی سے کسی ایسے شخص کی بیعت کر لی جائے جو ولی امر بننے کا اہل نہ ہو اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ کمزور ارادہ اور قلیل تجربہ ہے اور صاحب رائے نہیں ہے۔ پھر بھی تمام ذمہ داری عامۃ المسالین پر ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہی اسے ارادے سے منتخب کیا ہے، اور وہ جب چاہیں تو اسے ہٹا بھی سکتے ہیں! یہ ہے وہ نظام جس میں انسان کو حقیقی عزت اور بھرپور آزادی حاصل ہوتی ہے!

اگر کسی وقت ایسا ہو کہ خلیفہ اور تمام مسلمان محسوس کریں ایک خاص مسئلہ میں اللہ کی شریعت میں کوئی حکم موجود نہیں ہے تو وہ اسے سنت رسولؐ میں تلاش کریں گے اور اجماع قیاس اور اجتہاد سے مدد لیں گے اور مشورہ کی بنیاد پر اس مسئلہ کو حل کریں گے!

لے میں نے اپنی کتاب "جمود و ارتقاء" میں ان تمام عناصر کو بیان کیا ہے جو ثابت ہیں اور ان کو بھی جن میں نوپایا جاتا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلام کس طرح ان دونوں صورتوں سے نمٹتا ہے

## اسلام کے نظامِ سیاسی کے چند اصول

بہر کیف اسلام کے سیاسی نظام کے مندرجہ ذیل چند اصول مد نظر رکھنے چاہئیں۔  
اسلام میں کوئی طبقہ مالکین نہیں ہے۔ جو اپنے مفادات کے لیے باقی تمام انسانوں سے کھٹے!  
اسلام میں ولی امر کی آزادانہ بیعت ہوتی ہے اور نہ وہ کسی طبقہ کے مفادات کے لیے قانون بنا سکتا ہے!

اسلام میں ولی امر اللہ کے قانون کو نافذ کرتا ہے۔ اس کے اقتدار کا دائرہ بس اتنا ہی ہے کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرے!

اسلام میں ولی امر اگر الہی قانون میں کسی مسئلہ کا حل نہیں پاتا۔ تو اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ جو چاہے قانون بنا دے بلکہ وہ قانون سازی میں ان تمام اصولوں کو مد نظر رکھے گا جو اسے آفلو اللہ کی نازل کردہ حدود میں رکھیں!

”سیاست علیٰ منہج اللہ“ کے مندرجہ بالا اصول ہی درحقیقت انسان کی حریت اور عزت کے منامن ہیں اور انسان کو طاقت کے چنگل میں جانے سے بچانے والے ہیں!  
اگر ہم اسلامی سیاست کے مندرجہ بالا اصولوں کا تاریخ کی دیگر جاہلیتوں۔ بالخصوص جاہلیتِ جدیدہ سے موازنہ کر کے دیکھیں تو یہ بات ہماری سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حاکمیت کا حق صرف اپنے پاس رکھا اور کیوں اللہ نے صرف اپنے آپ کو انسانیت کے لیے قانون ساز متعین فرمایا!

جاہلیت نے انسان کو گمراہ کر کے یہ سمجھایا کہ انسان اللہ کے قانون سے بے نیاز ہے اور جاہلیت نے اللہ کی حاکمیت سے انکار کر کے حاکمیت کا حق دار اپنے آپ کو سمجھا۔ چنانچہ

بقیہ حاشیہ  
چنانچہ اسلام نے امور ثابتہ میں ناقابلِ تغیر شریعت ثابتہ دی ہے اور قابلِ تغیر مسائل میں ایک ایسا پچھلا نظام دیا ہے کہ جوں جوں پیش آمدہ نسلیں ارتقائی مراحل طے کرتی جائیں۔ یہ نظام اس کے مطابق قوانین وضع کر سکے۔ اسی لئے شریعت ثابتہ اور غیر متغیر ہے۔ لیکن فقہ ہمیشہ نئے پانے والا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ”لوگوں کے سامنے جس قدر مسائل آتے رہیں گے۔ اسی قدر انہیں فیصلے ملتے رہیں گے۔“

انسانیت اس طغیان و سرکشی کا شکار ہو گئی۔ جو ہم سوا یہ دارانہ آمریت اور اشتراکی آمریت میں دیکھ رہے ہیں۔ ان دونوں آمریتوں میں انسانیت ذلیل و رسوا ہو کر رہ گئی!

حاکمیت کا اختیار صرف اللہ کے لیے مخصوص کر دینا ہی وہ واحد طریقہ کار ہے۔ جو انسان کو سرکش آمریت سے نجات دلا کر آزادی سے جگانا کہہ سکتا ہے اور انہیں اللہ کے قانون کے زیر سایہ ان کے امور کا ان کو مالک بنا سکتا ہے!

پھر اگر کبھی طاقت اپنی حکمرانی کا اعلان کرے۔ لگا سے ختم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ طاقت کا وجود تاریخ کی کوئی مادی جبریت نہیں ہے۔ اور نہ طاقت اس لئے ابھرتا ہے کہ اس سے ایسے طبقہ کی مصالح متعلق ہیں جس کی حکمرانی کا تاریخی دور آگیا ہے!

بلکہ طاقت تو اس لئے ابھرتا ہے کہ لوگ اللہ کے قانون میں تساہل برتنے لگتے ہیں۔ حالانکہ لوگ جب چاہیں طاقت کو ختم کر کے اللہ کے قانون کو نافذ کر سکتے ہیں۔ اگرچہ ان کو اس کے لیے کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں اور کتنے ہی خطرات سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ کیونکہ یہ سب قربانیاں بہر حال ان قربانیوں اور ان مصائب سے کم ہی ہوں گی۔ جو طاقت کی زیر حکمرانی انسانیت کو برداشت کرنی پڑیں گی!

ایک بات اور ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے کہ اللہ کا قانون ہی انسانیت کے لیے بعینہ عدل کامل اور غیر خالص ہے!

اور یہ امر بھی قابل وضاحت ہے کہ انسانوں کو آزادی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر وہ انسانوں کو قانون سازی کے اختیار دیتے رہیں۔ اور ظالم اقتدار سے نہیں نکل سکتے جب تک اللہ کے قانون کو نافذ نہ کر لیں۔ یہاں جسہ ہے

کہ اللہ کے قانون نے انسانوں سے قانون سازی کے اختیارات ختم کر کے، انسان کی کرمیت فاعلیت اور تقدم میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ بلکہ انسان کو آزادی کی وہ بلکہ سجانی ہے۔ جس پر چلے بغیر انسان طاقت سے کسی قیمت آنا نہیں ہو سکتا۔

”سیاست علی منہج اللہ“ کے چند اصول بیان کرنے کے بعد اب ہم اقتصاد، اجتماع اور اخلاق وغیرہ کے بارے میں گفتگو کریں گے کہ اسلام اس سلسلہ میں کیا رہنمائی کرتا ہے!

اقتصادیات — میں جاہلیت کے بگاڑ کے دو بنیادی اسباب ہیں :- ایک طریقہ

ملکیت — اور دوسرا طبقہ مالکین کا طبقہ حاکم ہوتا۔

اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم ان دونوں بیماریوں کا علاج کرتی ہے۔

اول تو اسلام کسی بھی طبقہ کے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتا کہ وہ بعد میں باقی انسانوں پر ظلم کرے۔ بلکہ اسلام حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کے لیے مخصوص کر دیتا ہے۔ اور انسانوں کو اس حق سے محروم قرار دیتا ہے۔!

دوم مسئلہ ملکیت میں بھی اسلام ”موضوعی انصاف“ کی راہ اپناتا ہے؛

اگر سرمایہ داری ”غیر محدود انفرادی ملکیت“ کی قائل ہے۔ جس کا نتیجہ غیر مالکین کی غلامی

ہے۔ اور — اگر اشتراکیت سرسہ سے ملکیت ہی کو ختم کر دیتی ہے — جس کا نتیجہ بھی غیر مالکین کی غلامی ہے۔

تو اسلام نہ تو انفرادی ملکیت کا قطعاً خاتمہ کرتا ہے — اور نہ اس کو غیر محدود سمجھتا ہے۔ کیونکہ انفرادی ملکیت کا خاتمہ تمام سرمایہ کو حکومت کے ہاتھوں میں منتقل کر دیتا ہے اور لوگ ایک قوم کی خاطر حکومت کے غلام بن جاتے ہیں!

اسلام اپنا سیاسی اقتصادی اور اجتماعی نظام اس بنیاد پر قائم کرتا ہے کہ لوگ اپنے ولی امر خلیفہ — کے نگران ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کون حد تک اللہ کے قانون کو نافذ کر رہا ہے۔ اگر کسی وقت خلیفہ غلطی کرتا ہے تو لوگ اسے متوجہ کرتے ہیں اور اگر وہ اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کرے تو عامۃ المسلمین اسے خلافت سے ہٹا دیتے ہیں۔

اور تم میں ایک جماعت ہونا ضروری ہے کہ  
وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ  
إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ  
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۱۰۴)

خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو  
کہا کریں اور بُرے کاموں سے روکا کریں۔

حدیث: رسول ہے :

”اگر تم میں سے کوئی شخص بڑی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ اگر قدرت

نہ ہو تو زبان سے اسے بڑا کہے اور اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل میں بڑا سمجھے — اور یہ

ایمان کا کم تر درجہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:

”تم میری اطاعت کرتے رہو۔ جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا ہوں، اور اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تمہارے اور میری اطاعت نہیں ہے۔“  
ظاہر ہے اگر لوگ ووردٹی کے لیے حکومت کے غلام ہوں تو مندرجہ بالا نظام تشکیل نہیں پاسکتا۔

اسلام ایک واقعیاتی نظام ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ فرشتے بن جائیں اور نہ اس کا مدعا یہ ہے کہ سب اولوالعزم ہو جائیں۔ اسلام انسانوں سے جو برتاؤ کرتا ہے۔ اس میں ان کی قوت و ضعف، اور ان کا تنزل و ارتقاء مد نظر ہوتا ہے۔ اسی لئے اسلامی نظام واقعیاتی بنیاد پر استوار ہے۔

اسلام بجا بجا سلطان کو ہٹانے میں لوگوں کی مدد کرتا ہے اور اسلام چاہتا ہے کہ لوگوں کے رزق کے سرچشمے تمام کے تمام ان کے اپنے ہاتھوں میں ہوں اور مصادر رزق پر حکومت کی اس قسم کی بالادستی نہ ہو کہ ایک دانہ گندم بھی حکومت کے ہاتھ سے لوگوں کے منہ تک پہنچے۔ دوسری جانب اسلام ”غیر محدود انفرادی ملکیت“ کو بھی برداشت نہیں کرتا کہ اس کے نتیجے میں معاشرہ ظلم و طغیان کا شکار ہو جائے!

اس لئے اسلام ”ملکیت“ پر کچھ ایسی موضوعی بندشیں لگانا ہے۔ جن سے دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہونے پائے۔ چنانچہ سب سے پہلے ”ملکیت کے وسائل کی تحدید کر دی کہ یہ وسائل حلال و طیب ہونے چاہئیں۔

دراشت کا قانون جاری کیا۔ تاکہ ہر نسل کے بعد دولت تقسیم ہوتی رہے۔ زکوٰۃ منقر کی جو اصل سرمایہ اور منافع پر سال بسال لی جاتی ہے۔ نیز سود اور اجارہ داری کو حرام قرار دیدیا۔

پھر جیسے اسلام نے ولی امر کو یہ اختیار دیا کہ وہ جب بھی لین دین کے طریقوں میں کوئی بگاڑ پیدا ہوا انہیں اسلامی اصولوں کے مطابق درست کر دے۔ اسی طرح رزق کے سرچشمے عوام کے ہاتھ میں دے دیئے۔ تاکہ وہ حصول رزق میں حکومت کے محتاج نہ رہیں۔



سود اور اجارہ داری، سرمایہ داری نظام کی دو مہیب مصیبتیں ہیں، جن کی بنا پر عوام کی دولت سمٹ سمٹ کر سرمایہ داروں کی تجزیوں میں پہنچتی رہتی ہے۔ میرے خیال میں اسلام کے نظام الہی ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اسلام نے سود اور اجارہ داری کو اسی وقت حرام قرار دے دیا تھا جب سرمایہ داری نظام کی مہلک خرابیاں، سامراجیت، استحصال اور مخلوق خدا کی رسوائی کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔

اس وقت اسلامی اقتصادیات بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ اس موضوع کے لیے مستقل کتابیں موجود ہیں۔ البتہ چند کلیدی امور پیش کیے دیتے ہیں۔ "اسلامی اقتصادیات کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ مال اللہ کا ہے اور انسانی جماعت اس مال میں اللہ کی خلیفہ ہے۔ اور یہ انسانی جماعت اس مال کے تصرف میں اللہ کی نازل کردہ تمام حدود و شرائط کی پابند ہے۔ خواہ یہ شرائط مبادی کلیہ کی شکل میں ہوں۔ یا قوانین جزئی ہوں۔ اور فرد کی حیثیت اس حال میں کارکن سی ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ وہ انفرادی ملکیت کی بنیاد پر اپنی کوشش کے بالمقابل تصرف کرے اور یہ تصرف خود اس فرد اور پوری جماعت کی فلاح کا ضامن ہو اور اللہ کی مقرر کردہ شرائط کی حدود میں ہو۔

اگر فرد اپنے حق ملکیت کو غلط استعمال کرے تو اس سے یہ حق ملکیت ختم ہو کہ جماعت کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گا کیونکہ جماعت ہی اس کی اصل مالک ہے!

مندرجہ بالا اصول۔ انفرادی ملکیت سے۔ جس پر اسلامی نظام قائم ہے۔ نہیں ٹکراتا۔ البتہ اس سے یہ ضمانت مل جاتی ہے کہ فرد اپنی ملکیت میں حسن تصرف کرے گا اور اپنے مال میں سے جماعت کا مقررہ حق ادا کرتا رہے گا۔ جیسے زکوٰۃ وغیرہ۔ انفرادی ملکیت بدستور باقی رہے گی۔ سوائے ان موارد عامہ کے جو عام ملکیت میں ہوں :-

وَأَتُوا هُم مِّن مَّالِ اللَّهِ  
الَّذِي آتَاكُمْ  
وَلَا تُولُوا السُّفَهَاءَ آصْفَاءُكُمْ

اور اللہ کے دیئے ہوئے اس مال میں سے  
ان کو بھی دو۔ جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے،  
اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن

الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ حَيَاتًا  
 (النساء: ۵)

کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مایہ زندگانی  
 بنایا ہے۔

اس کے بعد اسلامی اقتصادی نظام "تقسیم دولت" کا اصول رکھتا ہے۔  
 كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ  
 الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔ (المحشر: ۳)

تاکہ وہ مال تمہارے توغروں کے قبضے میں  
 نہ آجاوے۔

اسلام اس امر کی اجازت نہیں کہ دولت سرمایہ داروں کے پاس جمع ہو جائے۔ بلکہ دولت  
 کو بہت سے ہاتھوں میں تقسیم ہونا چاہیے تاکہ سرمایہ کی طبعی گردش قوم کے تمام افراد کے ہاتھوں  
 میں ہوتی رہے!

اسلام میں مجبور و محروم کے بھی حقوق ہیں۔ ان حقوق کو جماعت وصول کرے گی، اور  
 محتاجوں پر صرف کرے گی۔

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ  
 لِلذَّكَاةِ (۱۹)

اور ان کے مال میں سوائی اور غیر سوائی کا  
 حق تھا۔

یہ حق — زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے حقوق و واجبات بوقت ضرورت  
 سرمایہ داروں سے وصول کیے جاتے ہیں۔

پھر اسلام میں کچھ قواعد کسب مال اور تعامل کے بھی ہیں۔ اگر کسی تعامل میں کسی فرد  
 یا جماعت کا نقصان ہو تو اسلام اسے جائز نہیں قرار دیتا۔ اسی لئے لوٹ، چوری، دھوکہ اور  
 اجارہ داری کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ سورہ جو ان تمام مسائل میں بدترین وسیلہ ہے بھی  
 حرام ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا  
 اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ  
 الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ  
 فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور جو کچھ سود  
 کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان والے  
 ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اشتہار  
 سن لو جنگ کا اللہ کی طرف اور اس کے رسول

يَحْزِبُ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ  
(البقرہ: ۲۸۹)

اسلام نے پاکیزہ امداد یا بھی کا بھی حکم دیا ہے۔  
اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینے کا حکم  
ہے اور معاف کر دو تو یہ زیادہ بہتر ہے  
تمہارے لئے اگر تم کو ثواب کی خبر ہو۔  
(البقرہ: ۲۸۰)

یہ عام قواعد ہیں اور یہ وہ خاکہ ہے جس میں اقتصاد اسلامی بغیر رکاوٹ کے نشوونما پاتا ہے  
سوائے ان پابندیوں کے جو بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔

یہ وہ طریقہ ہے جس پر منہج ربانی اقتصادی امور کو درست کرتی ہے۔ لوگوں کو ظلم سے  
روکتی ہے اور ان کو طاغوت کی غلامی میں جانے سے بچاتی ہے۔

ان بنیادی اصولوں کے ساتھ ہم ایک اہم حقیقت بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں جو اقتصادیات  
میں اللہ کی صراط مستقیم کا طرہ امتیاز ہیں۔

اسلامی تصور انسان کو ”جبریتوں“ کا غلام نہیں بناتا۔ خواہ مادی جبریت ہو یا اقتصادی جبریت  
یا تاریخ کی جبریت !

بلکہ اسلامی نظام میں انسان اپنے اقتصاد اور اپنے مجتمع کی خود تشکیل کرتے ہیں۔ اسلام  
کسی قسم کے ایسے جبری اطوار کو نہیں تسلیم کرتا۔ جو لوگوں کی زندگیوں کو معین قالب میں ڈھالیں۔ یا  
کوئی طبقہ دوسرے پر حاکم ہو۔ اس لئے کہ اقتصادی جبریت نے اس طبقہ کو ملکیت اور اقتدار دے دیا!  
یہ سب باتیں جاہلیت کے زیر سایہ ہوتی ہیں۔

اسلام میں تو لوگ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں ”مادی جبریت“ کی نہیں !

اسلام اس گمے گذرے دور میں بھی بڑی حد تک بگاڑ کو پھیلنے سے روکتا ہے، چنانچہ  
یورپ کی بھیانک جاگیر داری اسلامی دنیا میں اپنی ”جبریت“ مسلمانوں پر اس طرح مسلط نہ کر سکی،  
جیسی یورپ میں کی ہے۔

اسلامی تصور میں انسان ہی قوت فاعلہ ہے اور کائنات پوری کی پوری اس کے لیے

سخر کردی گئی ہے :

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ  
وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ  
اس نے زمین و آسمان کی ساری ہی چیزیں کو  
تمہارے لئے سخر کر دیا سب کچھ اپنے پاس  
سے۔ (الحجاثیہ: ۱۳)

اسلام میں انسان اپنا اقتصادی نظام اپنے تصور و عقیدہ کے مطابق اپنے ارادے سے تشکیل کرتا ہے۔ وہ کسی "تاریخ کی مادی جبریت" کے سامنے ذلیل و خاضع نہیں ہے! اسلام انسان کو یہ فعال ایجابیت عطا کر کے اسے عالم تصور میں مکرم اور دنیائے عمل میں اس کے اقدام کو درست کرتا ہے۔ اس طرح انسانی معاشرہ ظلم، انحراف اور فساد سے بری ہو جاتا ہے۔

## اسلام اور اجتماعی مسائل

اسلام نے اجتماعی مسائل میں فرد اور معاشرے کے درمیان توازن اور اعتدال قائم کیا ہے اور سماج میں مروجہ زندگی کے تعلقات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ کیونکہ اسلام کی نظر میں فرد اور معاشرہ دو متحارب اور متضاد قوتیں نہیں ہیں بلکہ دونوں میں ہم آہنگی ہے اور دونوں کو خلافت کا منصب سپر و کیا گیا ہے۔ اس لیے فرد اور معاشرے میں فرد کی اہمیت زیادہ ہو۔ وہ معاشرے کی بیخ کنی میں لگ جاتے اور جس سماج میں معاشرے کی اہمیت زیادہ ہو وہ سماج کو کھیل کو رکھ دے۔

اعتدال کی راہ یہی ہے کہ فرد کا وجود معاشرے سے وابستہ اور معاشرہ افراد کے وجود سے قائم ہوتا ہے۔ اگر اس حقیقت میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو یا فرد معاشرے کی قیود سے آزادی حاصل کر کے سماج کی توڑ پھوڑ میں لگ جائے گا۔ یا معاشرہ فرد کے وجود کو مٹا دے گا۔

جبکہ اعتدال کی صورت میں فرد اور معاشرہ دونوں طبعی حدود میں رہتے ہیں اور ان کے مقاصد افکار اور شعور میں یکسانیت اور ارتباط ہوتا ہے۔ اور معاشرتی ڈھانچہ مکمل اور سالم ہوتا ہے۔

اسلام بھی فطرتاً اعتدال کی راہ پسند کرتا ہے اور فرد اور معاشرہ دونوں میں اعتدال قائم کر کے۔

انتہا پسندی اور بگاڑ کی راہیں مسدود کر دیتا ہے —

اسلام فرد اور معاشرے میں متوازن کیفیت پیدا کرتا ہے۔ ایک طرف تو فرد کو اپنے تشخص کے اظہار کے لئے مواقع فراہم کرتا ہے اور دوسری جانب معاشرے کے مربوط تشخص کو ابھارتا ہے۔ اور

دونوں میں اعتدال پیدا کرتا ہے !

**اسلام اور انفرادیت**

فرد ہے اسلام براہ راست خطاب کرتا ہے۔ اس کو کچھ حقوق دیتا ہے اور کچھ ذمہ داریاں

عائد کرتا ہے جس سے مضبوط و مربوط معاشرہ رونما ہوتا ہے۔ اس کے تعلق ہے۔ اسلام میں فرد کا اللہ سے براہ راست بغیر کسی واسطہ کے تعلق ہے۔

فرد اللہ کو پکارتا ہے۔ مناجات کرتا ہے۔ اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اللہ کے قریب ہوتا

ہے اور ان تمام امور میں فرد مستقل اور بذاتِ خود اپنا وجود رکھتا ہے۔

اسلام فرد کو ہمیشہ شعور دلاتا ہے کہ اس کو انفرادی طور پر اللہ کی پوری پوری رعایت حاصل

ہے۔ اللہ تعالیٰ فرد کو ماں باپ سے پیدا کرتا ہے۔ اپنی محدود قسمت لے کر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے

رزق دیتا ہے۔ اگرچہ رزق انہی اسباب سے ملتا ہے۔ جس میں جماعت اور پوری کائنات مشترک

ہے۔ لیکن یہ رزق اس کی ذات ہی تک محدود ہوتا ہے اور اس کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔

پھر جب فرد اللہ کو پکارتا ہے۔ اللہ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ اس کی دنیاوی حاجت

پوری کرتا ہے۔ یا آفرت میں اس کے لئے ثواب لکھ لیتا ہے۔ بہر کیف دونوں صورتوں میں

اللہ تعالیٰ فرد کی دعا کو۔ انفرادی حیثیت سے۔ قبول فرماتا ہے :

پھر فرد آخر میں اللہ کے پاس بھی انفرادی حیثیت میں جاتا ہے۔

وَعَلَّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ فَرْدًا (مریم: ۹۵) تنہا تنہا حاضر ہوں گے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ

ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں مجبوس ہوگا۔ (الذہر: ۳۸)

اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا۔

ذَكَآ مَشْرُوْرٌ وَاذِيْرَةٌ وَاذِيْرَةٌ

اٰخِرَةُ (تخفام: ۱۶۴)

اللہ کے ساتھ فرد کے اس براہ راست رابطے اور تعلق سے اس کا مستقل ذاتی انفرادی شعور پیدا ہوتا ہے؟

پھر اللہ تعالیٰ فرد کو انفرادی حیثیت میں کچھ ذمہ داریوں کا مکلف بھی بناتا ہے۔ ہر فرد ذاتی طور پر مکلف ہے کہ وہ اللہ کے شعائر اور اللہ کے قوانین کی پابندی کے اور معاشرے کے دیگر افراد کو بھی ان امور کی پابجائی کی دعوت دے جس قدر بھی اس میں طاقت اور ایمان ہو۔

فرد — اسلام میں — امت کے مسائل کو اپنے ہی مسائل سمجھتا ہے۔ اور اسلام میں عام مسائل یہ ہیں: اللہ کے قانون کا نفاذ، صحیح و درست حکومت کا قیام، درست اقتصادی نظام کا قیام، صالح معاشرہ کا وجود، معاشرے میں اخلاقی اقدار کی اشاعت، معاشرے کو ہر اخلاقی بگاڑ سے پاک صاف رکھنا اور حاکم پر نظر رکھنا — کہ وہ اللہ کے قانون اور حق و انصاف سے نہ ہٹ جائے۔

مندرجہ بالا تمام امور اس بات کے ضامن ہیں کہ اسلام فرد کی مثبت اور فعال شخصیت کو واقعی زندگی میں اجاگر کرتا ہے اور فرد کی انفرادی شخصیت کو بڑے کاروانے سے تربیتی طریقہ کار اختیار کرتا ہے کہ پہلے فرد کو نفسیاتی اخلاقی اور اجتماعی تربیت دیتا ہے تاکہ وہ اس نظام اسلام میں موجود عظیم ذمہ داری سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہو سکے!

اس کے بعد اسلام فرد کو۔ انفرادی ملکیت کے حقوق بھی عطا کرتا ہے۔ اس سے بھی اس کی مستقل فردیت کو مزید نمایاں ہے۔ خواہ فی الواقع اسے کوئی ملکیت حاصل ہو یا نہ ہو اس کا حق ملکیت تو بہر حال موجود ہے۔ اسی طرح اسے حصول ملکیت کے مواقع بھی موجود ہیں۔ ان دونوں اور سے جہاں فرد کی اپنی شخصیت کو ذاتی ملکیت کی بنا پر نمودار ظہور حاصل ہوتا ہے۔ وہاں فرد اپنا رزق — جو کچھ اللہ نے اسے عطا کیا ہے — اپنے سامنے پاتا ہے اور اپنے ہاتھ سے حاصل کرتا ہے۔ اس سے بھی اس کا ذاتی شعور ابھرتا ہے اور اس کے ہاتھ میں دیگر فرد بھی آجاتا ہے کہ جس سے وہ حاکم اور منحرف معاشرے کے طغیان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

اگر حق ملکیت موجود ہونے — اور حصول ملکیت کے مواقع فراہم ہونے کے باوجود معاشرے کا کوئی فرد محروم رہ جائے تو بھی اسلام اس فرد کو ضائع ہونے کے لیے بے اثر نہیں چھوڑ دیتا۔ بلکہ

اسے حکومت کے بیت المال کی کفالت حاصل ہوتی ہے۔

اسلام میں حکومت کا کسی فرد کی کفالت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ حکومت اس فرد کو کسی مفید کام کے لئے تربیت دے کر اسے کسی نفع بخش عمل میں لگائے گی۔ اور اگر کمزوری بڑھاپے یا بچپن کی بنا پر فرد کو عمل کے لئے تیار نہ کیا جاسکے تو حکومت اسے بیت المال سے وظیفہ دے گی۔ پھر اس فرد کو جو کچھ ملے گا۔ وہ کوئی لوگوں کا اس پر احسان نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ اسلام کا مقرر کردہ حق وصول کرے گا؛ کیونکہ لوگوں کے پاس جو رزق ہے۔ وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ نے اپنے رزق میں مستحقین کا بھی حق رکھا ہے۔

فرد کی ذاتیت کے ظہور کی یہ آفری حدود ہیں۔ جو دنیا میں کوئی نظام ممکنہ طور پر پیش کر سکتا ہے اور یہ نظام اسلام ہے؛

## اسلام اور اجتماعیت

دوسری جانب اسلام "اجتماعی شخصیت" کو بھی نما دیتا ہے۔

جس طرح اسلام نے فرد کو کچھ ذمہ داریوں کا مکلف بنایا ہے۔ اسی طرح جماعت بھی بعض امور کی مکلف ہے۔ چنانچہ جماعت اپنی۔ اجتماعی حیثیت میں۔ اللہ کے قانون کے نفاذ کی مکلف ہے۔ جماعت ہی خلیفہ کو منتخب کرتی ہے اور جماعت ہی سے بیعت ہوتی ہے۔ نہ کہ افراد سے۔ جماعت ہی خلیفہ کی نگرانی کرتی ہے۔ اس کا محاسبہ کرتی ہے اور اس کو مشورے دیتی ہے۔

تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں، اور بُرے کاموں سے روکا کریں۔

اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔

اور ان سے خاصی خاص باتوں میں مشورے

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ  
إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ  
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
(آل عمران: ۱۰۴)

وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ  
(الشورى: ۳۸)

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

بیٹے رہا کیجئے۔

(آل عمران: ۱۵۹)

قرآن نے متعدد مرتبہ جماعت مسلمین کو مخاطب کیا ہے۔

اسے ایمان والوں تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے۔ مقتولین کے بارے میں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ (البقرہ: ۱۷۸)

اسے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (البقرہ: ۲۰۸)

اسے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور مت کھاؤ (النساء: ۲۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء: ۲۹)

اسے ایمان والو! اپنی تو احتیاط رکھو، پھر متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثَابِتًا أَوْ انفِرُوا خِفَافًا (النساء: ۷۱)

اسے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور خمر اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں۔ سوان سے بالکل الگ ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا (المائدہ: ۹۰)

ان تمام مخاطبات میں جماعت کے لیے قوانین دیتا ہے اور ان کو حکم دیتا ہے کہ وہ اجتماعی انداز میں اپنی تربیت کریں اور اپنے اندر ایسے افراد کی تشکیل کریں۔ جو ان تمام ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دے سکیں۔

اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران: ۱۰۳)

اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ: ۲)



یہ تمام امور ایک مضبوط اور مربوط جماعتی حیثیت چاہتے ہیں۔ جو ان امور کے نفاذ پر

تاد رہو۔

اسلام میں جماعت کی تشکیل افراد سے ہوتی ہے۔ مومن جماعت۔ جس سے قرآن

تخاطب کرتا ہے۔ اور جس کی ذمہ داریاں اوپر بیان ہوئی ہیں۔ مومن افراد سے وجود میں

آتی ہے۔ ہر فرد اپنی جگہ پر مومن ہوتا ہے اور اللہ سے اس کا رشتہ ہوتا ہے۔ لیکن اسلام نے افراد

سے تشکیل پائی ہوئی بیعت اجتماعی کو متمیز تشخص دیا ہے اور اس "اجتماعی بیعت" کو یہ بالادستی

عطا کی ہے کہ اگر کبھی فرد کو اس کی فردیت سوار سبیل سے ہٹا دئے۔ تو اجتماعی بیعت اس فرد میں

توازن پیدا کرے۔ کیونکہ جماعت فرد کی نگران ہے اور اس کے اعمال کو صحیح رخ دینے والی

ہے اور اللہ تعالیٰ نے جماعت مسلمہ کو یہ اقتدار عطا فرمایا ہے کہ جب بھی کوئی فرد جاہد حق

سے منحرف ہو جاتے تو جماعت اس کو راست پر لگا دے۔

لیکن جماعت کو اس اقتدار کے غلط استعمال سے بچانے کے لئے اس کو پابند کیا گیا ہے

کہ وہ ہر حال اور ہر شکل میں۔ اسلامی معاشرے میں اللہ کے قانون کی پابند رہے گی۔

اور اللہ کا قانون انسان کے لیے ہے جس میں فرد۔ اور مجتمع برابر کے شریک ہیں۔

جماعت مسلمہ کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اسلامی سرزمین، اسلامی قانون اور

ارض اسلام میں رہنے والوں کی حفاظت کرے۔ اور یہ تحفظ ایک مربوط اور متناسق بیعت

اجتماعی کے طور پر ہونا چاہیے۔

اسلام میں جماعت۔ علمی نقطہ نظر سے۔ سرمایہ کی مالک ہے۔ وہ ہی فرد کو اس

میں تصرف کا حق دیتی ہے۔ اور۔ علمی نقطہ نظر سے اگر کوئی فرد حسن تصرف میں

کو تاہی کرے تو جماعت ایسے فرد سے ملکیت واپس لے لیتی ہے۔

اور تم کم عقولوں کو اپنے وہ مال مت دو

وَلَوْ تَوَدَّتْ السُّفَهَاءُ اَمْوَالَكُمُ

جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے مایہ زندگی

الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا

بنایا ہے اور ان مالوں میں سے ان کو کھلاتے

وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ

رہو اور پہناتے رہو اور ان سے معقول

وَقَوْلُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا

کہتے رہو۔

(النساء: ۵)

پھر جماعت مسلمہ کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ حکومت کے تعاون کی ضرورت پیش آنے سے پہلے ہی اپنے کمزور افراد کو اپنی کفالت میں لے لے۔ کیونکہ حکومت تو ایسے لوگوں کا آخری سہارا ہے۔ اور یہ اجتماعی کفالت پہلے خاندان کے دائرے میں پھر اجتماعی ہیئت میں اور پھر یورپی امت اسلامیہ کی حدود میں ہونی چاہیے۔ اس طرح اسلام میں ہیئت اجتماعی کا ظہور و نما ہوتا ہے اور فرد و جماعت کے تشخص میں توازن پیدا ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی واقعیاتی زندگی اس قدر سہل نہیں ہے۔ جس آسانی اور سہولت کی ساتھ ہم یہ باتیں لکھ رہے ہیں۔

بلکہ واقعیاتی زندگی میں جو تلخ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ کبھی فرد معاشرے کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور کبھی اجتماعی ہیئت فرد کے وجود کو ختم کرنے کھڑی ہو جاتی ہے! لیکن اس حقیقت کے ذمہ دار لوگ ہیں۔ نظام نہیں ہے!

انسانوں میں بہر حال راہِ راست سے منحرف ہونے کا فطری جذبہ بھی اسی قدر ہے۔ جتنا جاوہ حق پر چلنے کا ہے۔

منظریاتی اور واقعیاتی لحاظ سے ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کہ انسان طبعی استعداد کی بناء پر کبھی کبھی منحرف بھی ہو جائیں۔ اور یہ کہ انحراف کسی نظام کا جزا لاینجزمی ہو کہ لوگ اس وقت تک انحراف سے نہ بچ سکیں۔ جب تک اس نظام میں بنیادی تبدیلیاں نہ کریں۔ یا جب تک اس غلط نظام کو بدل کر دوسرا نظام نہ لے آئیں

### نظام سرمایہ داری اور فرد کی بغاوت

سرمایہ داری نظام کی طبیعت میں یہ بات شامل ہے کہ اس میں فرد معاشرے کے خلاف باغی ہوتا ہے۔ اور لوگ اس بات پر قادر نہیں ہوتے کہ وہ فرد کی بغاوت کا راستہ روک دیں۔ الا یہ کہ وہ سرمایہ داری نظام کی بنیادیں ہی بدل ڈالیں۔ لیکن جب تک سرمایہ داری نظام رہے گا۔ لوگ نہ فرد کی سرکشی کو دبا سکتے ہیں اور نہ اسے راہِ راست پر لاسکتے ہیں۔

اشتراکی نظام اپنی فطرت میں فرد کے خلاف باغی ہے۔ اس خوفناک اور بھیاناک

نظام کے بوجھ تلے فرد کا وجود لمحہ بہ لمحہ سکتا رہتا ہے اور اشتراکی نظام ہر اس فرد کو کچل ڈالتا ہے۔ جو اس نظام کے خلاف آواز اٹھائے۔ یا پر دتاری آمریت کے مقدس لیڈ کے خلاف بغاوت کرے۔

اسلامی نظام کی فطری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرد اور مجتمع نظام کی خرابی کی بناء پر باغی نہیں ہوتے۔ ہاں جب فرد یا مجتمع اسلامی نظام سے انحراف کریں تو طغیان پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تمام تر ذمہ داری لوگوں ہی پر ہے اور ان کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹائیں۔ تاکہ انحراف دور ہو جائے اور تمام معاملات مستقیم ہو جائیں۔!

اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسولؐ کا کہنا مانو اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے حوالہ کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا  
اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أَدِيبُوا  
الْأَمْرَ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ  
فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ  
الرَّسُولِ إِن كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ  
بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ

(النساء: ۵۹)

اس موقع پر یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ تمام امور میں قانونی اقتدار صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو حاصل ہے اور اطاعت بھی براہ راست اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ اطاعت اولی الامر اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے متعلق ہے۔ اسی بنا پر ”اطیعوا“ کا فعل اللہ اور رسولؐ کے ساتھ مکرر لایا گیا ہے اور اولی الامر کی اطاعت کو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ پھر مومنین کے درمیان اختلاف رونما ہونے کی شکل میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ اس سے علم ہوا کہ قانون سازی کا اختیار صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو حاصل ہے۔ اولی الامر اس میں شریک نہیں ہیں!

اس اسلامی تصور کے زیر سایہ فرد اور معائنہ دو متقابل اور متضاد قوتیں نہیں ہیں۔

بلکہ فرد اور مجتمع میں تداخل اور تعاون ہے اور یہ دونوں مقاصد افکار اور شعور میں متحد ہیں۔ یہی اتحاد درحقیقت انہیں کش مکش اور سرکشی سے بچاتا ہے۔

### اسلام کی انسانیت سے ہمدردی

اسلام معاشرے کے افراد (مرد و عورتیں) کے ساتھ بہت ہمدردی رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کی نشوونما صالح بنیادوں پر ہو تاکہ وہ جاہلیت کے انحراف اور اس انحراف کے نتیجے میں شقاوت، بدنہختی، حیرت و بے چینی اور عذاب الیم سے بچ سکیں!

چنانچہ اسلام نے تقسیم کار کے اصول پر مرد کو مادی پیداوار اور اقتصاد و سیاست کا ذمہ دار بنایا۔ اور عورت کو پیدائش، گھریلو نگرانی اور نسل کو صالح بنیادوں پر تربیت دینے کی ذمہ داری سونپی ہے۔ اور

بچوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنی فطری پرورش گاہ سے رعایت اور تربیت حاصل کریں۔ اور خاندانی بنیادوں کو سہارا دیں! مگر یہ تقسیم کار جبری اور قطعی نہیں ہے۔ البتہ۔ اس تقسیم میں مرد و عورت کی فطرت اور ان کی طبعی استعداد کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

عورت، حمل، ولادت اور رضاعت کے لئے فطری اور حیاتیاتی استعداد رکھتی ہے اور اس کی نفسیاتی ترکیب نے اس میں جذبہ عاطفیہ کو زیادہ قوی اور جلد بیدار ہونے والا بنایا ہے اور یہی عورت کا اصل تشخص ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت گھریلو زندگی سے باہر اور وظیفہ فطری کے علاوہ کوئی کام انجام دے ہی نہیں سکتی۔ پہلے باب میں آسٹریا کی خاتون ڈاکٹر کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ عورت نے مرد کے تمام اعمال میں مساوات کی کوشش کی اور اس کی یہ کوشش کس طرح اس کے حیاتیاتی تشخص پر اثر انداز ہوئی ہے اور اس کے اس بننے کے وظائف کمزور پڑ گئے اور عورت، عورت باقی نہیں رہی اور نہ مرد بن سکی (جو اس کی دلی تمنائیں) بلکہ نمیری جنس ہی بننے والی ہے۔ جو پریشان دہے چین و مضطرب ہے۔ یہ وہ اصل فطرت کی سزا ہے۔ اور فطرت جاہلیت کی حماقتوں کے سامنے سرنگوں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ فطرت اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو پیدا کیا اور اس کو اپنی فطرت کی طرف

ہدایت فرمائی۔

جدید عورت کے ترقی پسندی اور آزاد آئندہ نسواں کے تمام دعوے کھو گئے ہیں اور مرد نے عورت کو اس لیے سمجھائی ہیں کہ مرد کے لیے اس کا حصول آسان ہو سکے اور وہ اپنے جذبات کی آسانی سے تکمیل کر سکے۔

غرض یہ سب باتیں فطرت کا مقابلہ اور کھلی حماقتیں ہیں! فطرت وقت و زمانہ کی پابند نہیں کہ وقت آگے بڑھ گیا اور زمانہ ترقی کر گیا! اگر فطرت کے مقابلہ میں وقت کے پیمانے منتقل ہو جائیں تو عورت — اور اس کے ساتھ مرد اور بچے بھی پرانگی اور بدبختی کا شکار ہو جائیں گے یہاں وہ جسے کہ عورت کی بے پردگی سے سارا معاشرہ تباہی اور شقاوت سے ہمکنار ہو گیا۔ نہ گھر باقی رہا — نہ خاندان اور نہ گھر کا سکون! اسلام تو جاہلیت کی حماقتوں پر چلنے سے رہا!

اسلام نہیں چاہتا کہ عورت اس طرح جاہلیت کے بگاڑ میں ختم ہو کر رہ جائے۔ بلکہ اسلام تو چاہتا ہے کہ عورت سعادت و سکون حاصل کرے۔

چنانچہ اسلام نے عورت کو فطری و طبعی سپرد کیا ہے اور اس ضمن میں اس کو ہر ممکن کفالت اور صیانت مہیا کی ہے۔ مثلاً بغیر عمل کے اسلام اس کے رزق کا ضامن ہے۔ اسلام اس کے انسانی احترام کا محافظ ہے۔

اسلام اس کی گھر اور گھر سے باہر کی کوششوں کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے۔

اور اسلام اس کے اخلاق کا محافظ ہے اور نہیں چاہتا کہ وہ مخلوط معاشرے میں مل کر لوگوں کے لئے فتنہ اور انسانیت کے لیے تباہی کا سبب بنے۔ جیسا کہ دل ڈیورنٹ کہتا ہے۔ مسلمانوں کے نظام میں مرد تمام گھریلو اخراجات کا مکلف ہے — اور اگر عورت کے پاس کوئی سرمایہ ہو تو وہ اس کی بھی مالک ہے اور اس میں تصرف بھی کر سکتی ہے اور یہ وہ حق ہے جو جاہلیتِ جدیدہ میں بہت بعد میں تسلیم کیا گیا اور ابھی تک مکمل نہیں ہے۔ اور یہ وہ حق ہے جس کے حصول میں مغربی عورت اپنی نساہت، اپنی فطرت اور اپنا اخلاق بھی کھو بیٹھی — حالانکہ اسلام نے انہیں خود یہ حق عورت کو عطا کر دیا!

اسلام میں عورت کا احترام

اسلام کے تمام قوانین و توجیہات عورت کے احترام انسانی کے کفیل ہیں اور حق ملکیت

اور حق تصرف بھی اس کے لیے محفوظ ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا  
وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا

(النساء: ۳۲)

مردوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور  
عورتوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرْتَدُّوا النِّسَاءَ كَذَهَابًا  
وَلَا تَعْضِلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ  
مَا آتَيْتُمُوهُنَّ

(النساء: ۴)

اے ایمان والو تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں  
کے حیران مالک ہو جاؤ۔ اور ان عورتوں کو  
اس غرض سے مقید مت کر دو کہ جو کچھ تم نے  
ان کو دیا ہے۔ اس میں کا کوئی حصہ وصول کرو۔

اللہ نے انسانوں میں مساوات بھی مقرر فرمائی ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ  
أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهَا  
حَيَاةً طَيِّبَةً

(النحل: ۹۶)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا۔ خواہ وہ مرد  
ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن اسے ہم  
دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔

فَأَسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ

أَنَّهُ لَا أُضَيِّعُ عَمَلَكُمْ  
مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ  
مِنْ بَعْضٍ

(آل عمران: ۱۹۵)

سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے  
رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام  
کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں  
کرتا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم آپس میں  
ایک دوسرے کے جز ہو۔

عالمی زندگی میں عورت کا احترام بھی اسلام میں ملحوظ خاطر ہے۔

اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ  
گذران کیا کرو۔

وَمَا يَشْرُوهُنَّ بِالْمَعْدُونِ

(النساء: ۱۹)

حتیٰ کہ ناگواری کے حالات میں بھی عورت کا احترام مد نظر ہے۔

اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ

اِنَّ تَتَكْرَهُوْا شَيْئًا دَاۤءٍ يَّجْعَلُ اللّٰهُ  
فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (نساء-۱۹) کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھئے۔

اس طرح اسلام فکری و عملی، اقتصادی اور اجتماعی طور پر عورت کو اپنی ذمہ داریوں سے  
سبکدوش ہونے کے لیے فارغ کر دیتا ہے اور اس کے فطری تشخص کو بروئے کار لاتا ہے۔  
جس کو جاہلیت جدیدہ نے مساوات کا جھگڑا کھڑا کر کے تباہ کر دیا!

پھر بھی عورت کے حق میں یہ تقسیم عمل آفری اور فیصلہ کن نہیں ہے۔ کیونکہ گھر سے باہر کے  
کام عورت کے لئے ممنوع و حرام نہیں ہیں۔ لیکن اسلام اس کو صرف ضرورت کے وقت ہی  
مناسب خیال کرتا ہے۔ خواہ وہ انفرادی ضرورت ہو یا اجتماعی۔ بغیر ضرورت اسلام عورت  
کے گھر سے باہر کے کاموں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

اور اگر انسانی زندگی کی اجتماعی، اقتصادی، فکری، روحی اور خلقی طور پر اس طرح تشکیل  
کی جائے کہ عورت زندگی کے ہر میدان میں مرد کی ساتھی ہو تو یہ ایک تباہ کن جاہلی حماقت ہے  
جس کے نتائج عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں کہ عورت جنس ثالث کی طرف منتقل ہوگی اور  
اس میں ہر قسم کی عقلی، عاطفی، وجدانی، اخلاقی اور جنسی پراگندگی پائی جائے گی اور بچوں کی نسل جو  
بغیر ماؤں کے نوکروں کے ہاتھوں یا توہیت گاہوں میں پرورش پائیں گے وہ بھی اسی قسم  
کی پراگندگی اور ابتری اور کاشکار ہوں گے اور ان عورتوں اور ان بچوں سے کل کا معاشرہ  
وجود میں آئے گا!

یہ کہتے کہ ہم تھوڑی سی مادی منفعت کے لئے خود ہی انسانیت کو تباہی میں ڈال  
رہے ہیں۔ مادی منفعت خواہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو۔ وہ جو ہر انسانیت کے سامنے تو بالکل  
حقیر ہے۔ دنیا کی آج کی ساری مادی پیداوار اور کل کی الکترونی مشینوں کی فراہم کردہ  
مصنوعات ساری کی ساری بھی انسانیت کی قیمت نہیں بن سکتی!

— مگر اسلام جاہلیت کی حماقتوں کو کبھی بھی درست نہیں کہہ سکتا!

اسلام تو مرد و عورت اور بچوں سب کو صحیح مقام دیتا ہے! اسلامی نظام میں مرد مادی  
پیداوار اور سیاست و اقتصاد سے نمٹتا ہے۔ عورت پیدائش، پرورش، تربیت اور بچوں

کی نشوونما کے فرائض انجام دیتی ہے — اور بچے اپنی فطری پرورش گاہ میں پرورش حاصل کرتے ہیں۔ اور اس مطنحن حناندان کے بندھن عورت اپنے عاطفی جذبات سے باندھے ہوئے ہوتی ہے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت بوقت ضرورت بھی مادی پیداوار کے لیے کام نہ کرے ہاں یہ کہ ایسا مشغلہ نہ بننا چاہیے۔ جس سے طاقتیں تباہ اور اخلاق خراب ہو!

پھر مرد و عورت اسلامی نظام میں پاک و منطیف اجتماعی اصولوں کے مطابق گھر میں اور گھر سے باہر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ ملاقات حیوانی سطح پر لہو و عبت نہیں ہوتی وہ مل جل کر ایک صالح معاشرہ کے قیام کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔

بغیر کسی مجنونانہ اختلاط کے جس میں مرد و عورت اور نوجوانوں کی قوتیں تباہ اور ان کی صلاحیتیں برباد ہوں۔ اسلامی نظام میں مرد و عورت مل جل کر اپنی اولاد کی اسلامی اخلاق پر پرورش کرتے ہیں۔

ذرا جاہلیت جدیدہ کی طرف نظر ڈال کر دیکھئے۔ کتنا وقت، کتنی محنت اور کتنا سرمایہ رقص گاہوں اور مختلف محفلوں پر خرچ ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں سوا کے لذتِ جوانی اور اخلاقی فساد کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بغرض سارے معاشرے کے بگاڑ کی بنیاد ہی یہی ہے کہ عورت فساد کا شکار ہو گئی اور یہ فساد مردوں میں اور نوجوانوں میں سرایت کر گیا ہے۔

## تمام معاملات کی اساس — اخلاق

اسلام کی نظر میں معاشرے کے جملہ معاملات کی اساس اخلاق ہے اور اس کا رشتہ اللہ سبحانہ کی ذات سے پیوست ہے اور اخلاقی اصولوں کا معاملہ انسانوں کے ہاتھوں میں نہیں دیا گیا ہے کہ وہ جب چاہیں انحراف کو قبول کر لیں۔

مگر جب جاہلیت اللہ کی الوہیت اور اس کی حاکمیت سے منحرف ہو کر اضطراب میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس کے سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی نظام میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح جب جاہلیت اخلاق میں اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے بھٹک جاتی ہے تو اضطراب و اختلال سے دوچار ہو جاتی ہے۔



کیونکہ — جب لوگ جادہ حق سے دور ہو جاتے ہیں تو ان کی زندگی پر طاغوت حکمران ہو جاتا ہے۔ اور یہی طاغوت لوگوں کے لیے اخلاقی قوانین بھی بنا ڈالتا ہے۔

تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے کہ اخلاق اقتصادی نظام کا ایک پر تو ہے اور اخلاق — انقلاب پذیر ہے۔ جس وقت معاشرے کا اقتصادی ڈھانچہ بدلے گا لازمی طور پر نظام اخلاق بھی بدل جائے گا؛ ہر چند کہ یہ تعبیر بحیثیت مجموعی غلط ہے مگر ایک درجہ میں اس میں صداقت بھی موجود ہے۔

جاہلیت میں اخلاق فی الواقع اقتصادی نظام کے تابع ہوتا ہے۔ اور جوں ہی اقتصادیات میں تبدیلی آتی ہے فوراً اخلاق بھی بدل جاتا ہے۔ کیونکہ جو طاغوت ایک طبقہ کے مفاد کی خاطر قانون بناتا ہے — وہ اسی طبقہ کے مفادات کے لیے اخلاق بھی گھڑ لیتا ہے — جاہلیت سمجھتی ہے کہ اخلاق اور اقتصادیات میں سبب اور نتیجہ کا رشتہ ہے۔ حالانکہ ان دونوں کا ارتباط صرف اس وجہ سے ہے کہ دونوں کا تعلق ایک ہی طاغوت سے ہے۔!

اللہ کی صراط مستقیم میں بھی سیاست، اقتصاد، اجتماعی اور — اخلاق میں ارتباط پایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں بھی سبب اور نتیجہ نہیں ہے بلکہ ارتباط صرف اس لئے ہے کہ یہاں بھی زندگی اور اخلاق دونوں کا مصدر اللہ تعالیٰ ہے۔

ہونا بھی چاہیے — کہ ایک ہی مصدر لوگوں کی تمام زندگی کی تشکیل کرے۔ سیاست ہو یا اقتصاد — اجتماع ہو یا اخلاق — جنسی علاقہ ہوں یا زندگی کا کوئی اور گوشہ سب کی تشکیل ایک ہی مصدر سے ہونی چاہیے — خواہ وہ مصدر و مرکز اللہ ہو۔ یا — طاغوت۔!

جب مغرب کی جاہلیت جدیدہ میں اخلاق کا رشتہ اپنے اصلی سرچشمے یعنی اللہ کی صراط مستقیم سے ٹوٹ گیا۔ تو اخلاق بھی یگاڑ کا شکار ہو گیا!

اگرچہ یہ یگاڑ بہت آہستہ آہستہ رونما ہوا۔ کیونکہ اخلاق انسانی نفس کی گہرائیوں میں پیوست ہوتا ہے اور اس وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑتا۔ جب تک انسانیت شدید بحران اور اضطراب سے دوچار نہ ہو جائے — لیکن بالآخر یگاڑ رونما ہو کر رہا اور پہلے سیاست اخلاق سے جدا ہوئی۔ پھر اقتصاد کا رشتہ ٹوٹا۔ پھر جنسی علاقہ جدا ہوئے حتیٰ کہ سارا

اخلاق نفع پرستی اور خود پسندی کا نام ہو گیا

تاریخ میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی وقت میں سارا اخلاق تباہ ہو گیا ہو۔  
کیونکہ انسانیت۔ جس میں خیر و شر کے دونوں پہلو موجود ہیں۔ کبھی بھی کلیتاً شراختیا  
نہیں کر سکتی، بلکہ خیر کے اجزاء اس کی زندگی کے مختلف گوشوں میں بکھرے رہتے ہیں۔ ہاں  
یہ ہوتا ہے کہ شر بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ آنکہ خیر پر غالب آجاتا ہے۔ اور۔ جب شر خیر پر  
غالب آجاتا ہے۔ تو انسانی معاشرہ زوال پذیر ہو جاتا ہے؛

اسلام اخلاق کو بھی اس کا طبعی اور مناسب مقام دیتا ہے۔ اسلام میں زندگی کے تمام  
پہلوؤں کی طرح اخلاق کا بھی مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس عقیدے کے پیش نظر اخلاق  
طاغوت کے ہاتھوں میں جانے سے بچ جاتا ہے۔ کیونکہ طاغوت اپنے وجود کو چھپانے اور  
انسانیت کے لیے فساد کو سہل بنانے کے لیے اخلاقی حلت پسندی کو ”تطور“ (ترقی) کے  
نام سے پیش کرتا ہے۔

مگر پھر کچھ اسلامی اخلاق اللہ کی جانب سے ہے۔ اس لئے نہ یہ لوگوں کی خواہشات کے  
مطابق بدلا جاسکتا ہے اور نہ اپنے راسخ اصولوں سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ نہ کسی طبقہ کے  
مفادات کا تحفظ کرتا ہے اور نہ روز بدلنے والا فیشن بن کر رہ جاتا ہے۔

اور۔ چونکہ یہ اخلاق اللہ کی جانب سے ہے۔ اسی لئے یہ انسانی اخلاق بھی ہے  
یہ تمام انسانوں سے انسانیت کی بنیاد پر تعامل کرتا ہے نہ قومی مصلحت مد نظر ہوتی ہے اور  
نہ عصبیت دینی۔ اور نہ انحراف کا کوئی اور رنگ ہوتا ہے۔ جس کا اللہ کے راستے  
سے ہٹ کر مغربی اخلاق شکار ہوا ہے۔ بلکہ اس کا انسان سے معاملہ صرف انسانیت  
کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اس میں کسی رنگ عنصر طبقہ اور اعتقاد کا فرق ملحوظ نہیں ہوتا۔ اور اس  
اخلاق میں صرف وہ انسان مد نظر ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مرد و زن سے پیدا فرمایا ہے۔

یا ایہا الناس اتقوا ربکم  
الذی خلقکم من نفسٍ واحدةٍ  
وخلقکم من نفسٍ واحدةٍ  
اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو،  
جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور  
اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور

وَحَقَّقَ مِنْهَا ذُجْبَهَا رَبِّثَ مِنْهَا  
رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً  
ان دونوں سے بہت سے مرد اور  
عورتیں پھیلائیں۔

(النساء: ۱۱)

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ  
بِتَعَارَفٍ نَّوَا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ  
اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔

اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان  
بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو  
اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف  
وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

(الحجرات: ۱۳)

اسلام میں اخلاقی قواعد ناقابل تغیر رہتے ہیں۔ خواہ اقتصادیات و سیاسیات میں  
تبدیلیاں آتی رہیں۔ کیونکہ اس کی بنیاد انسانوں کے درمیان انسانیت کی بنیاد پر مساوات ہے  
اور یہ کہ انسانوں کی حرمت کا دشمنوں سے تحفظ کیا جائے نہ

اسلامی تاریخ اس اخلاق کے کئی بہترین نمونے پیش کرتی ہے۔ جس کو سامنے رکھ کر  
اسلامی اخلاق اور مغربی اخلاق<sup>۱</sup> فرق واضح ہو جاتا ہے۔ جس مغربی اخلاق کی بنیادیں ذاتی نفع  
خود پسندی اور کسی طبقہ کا مفاد یا کسی قوم کی مصلحت کے حصول ہیں۔

ابتدائے اسلام میں جب یہودی اسلام کے خلاف بڑے شدد مدد سے نبرد آزما تھے  
اور اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ عقیدہ اسلامی کو جسٹے سے پہلے اکھاڑ پھینکیں۔ دھوکہ  
قریب اور ہر قسم کی دغا بازیاں کر رہے تھے اور مسلمانوں کو لشک و شہر میں مبتلا کر رہے تھے  
اور مسلمان عورتوں پر تہمتیں لگا رہے تھے

اس ساری کش مکش کے ساتھ آلات حرب بھی استعمال کیے جا رہے تھے، اور  
اس جنگ میں وعدہ سے پھر جانا۔ میثاق کو توڑنا اور مسلمانوں کی بے حرمتی کرنا ان کا  
عام شیوہ تھا!

اس ساری سرد و گرم جنگ کے باوجود جب ایک یہودی پر غلط تہمت لگاتی جاتی  
ہے اور اسے سزا ملنے والی ہوتی ہے۔ تو اسلام اس بات کو قطعاً برداشت نہیں کرتا، کہ  
یہودیوں کی دسیرہ کاریوں کا بدلہ اس یہودی سے لیا جائے بلکہ فوراً آیت نازل ہوتی ہے

نہ "جمود و ارتقا" میں "اسلام اور انسانی زندگی" کے باب دیکھئے۔

إِنَّا أَسْأَلُكَ يَا رَبِّ الْعَالَمِينَ  
 بِمَا أَحْبَبْتَ لِي تَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ  
 بِمَا آوَاكَ اللَّهُ وَلَا تُكَلِّمَنَّ لِلْعَارِيَةِ  
 خَصِيْبًا بِاسْتِغْفَارِ امْرَأَةٍ  
 إِنَّ امْرَأَةَ حَانَ غَضُوًّا رَاحِيًّا  
 وَلَا تَجَاوِزْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلِفُونَ  
 أَنْفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا  
 يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَاتِمًا  
 آثِيًّا يُسْتَغْفِرُونَ مِنَ النَّاسِ  
 وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَ  
 هُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُ لَكُمْ  
 مَا لَمْ يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ  
 كَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا  
 هَذَا أَنْتُمْ هَلْ لَأَرْجَاؤُكُمْ  
 عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
 فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ  
 الْقِيَامَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ  
 عَلَيْهِمْ وَكِيلًا وَمَنْ  
 يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ  
 ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ  
 غَفُورًا رَاحِيًّا وَمَنْ  
 يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُ  
 عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا

بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ نوٹہ بھیجا ہے  
 واقع کے موافق تاکہ آپ لوگوں کے درمیان  
 اس کے موافق فیصلے کریں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ آپ  
 کو بتلا دیا ہے اور آپ ان خاتونوں کی طرف داری  
 کی بات نہ کیجئے اور آپ استغفار فرمائیے۔  
 بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے  
 رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف  
 سے جو ابد ہی کی بات نہ کیجئے۔ جو کہ اپنا نقصان  
 کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں  
 چاہتے۔ جو بڑا خیانت کرنے والا اور بڑا گناہ  
 کرنے والا ہو۔ جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ  
 آدمیوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے  
 نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس وقت ان کے  
 پاس ہے، جب کہ وہ خلاف مرضی الہی گفتگو  
 کے متعلق تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ  
 ان کے سب اعمال کو اپنے احاطے میں لیے  
 ہوئے ہے۔ ہاں تم ایسے ہو کہ تم نے دینیوی  
 زندگی میں تو ان کی طرف سے جو ابد ہی کی باتیں  
 کر لیں۔ سو خدا کے روبرو قیامت کے دن  
 ان کی طرف سے کون جو ابد ہی کرے گا۔ یا  
 وہ کون شخص ہوگا جو ان کا کام بنائے والا  
 ہوگا۔ یا جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان  
 کا ضرر کرے۔ پھر اللہ سے معافی چاہے تو وہ

حَكِيمًا وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً  
 أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا  
 فَقَدْ أُحْمِلَ بِيْهْتَانًا وَإِثْمًا  
 مُّبِينًا وَلَا فَضْلَ لِلَّهِ  
 عَلَيْكَ وَرَحْمَةً لَهْمَتْ  
 طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُصَلُّوكَ  
 وَمَا يُصَلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ  
 وَمَا يَضُرُّوكَ مِنْ  
 شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ  
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ  
 هَدَىٰكَ مَا تَشَاءُ  
 تَعَلَّمَ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ  
 عَلَيْكَ عَظِيمًا۔

(النساء ۱۰۵-۱۱۳)

اللہ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے  
 گا اور جو شخص گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط  
 اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ  
 بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں اور جو  
 کوئی شخص چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس کی  
 تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے۔ سو اس نے  
 تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر  
 لا دیا اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت  
 نہ ہوتو ان لوگوں میں سے گروہ نے تو آپ کو  
 غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا اور  
 غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جانوں کو  
 اور آپ کو ذرہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔  
 اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں  
 نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائیں ہیں  
 جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ  
 کا بڑا فضل ہے۔

یہ نو آیات تفصیلی بیان اور شدید و مکرر تاکید کے ساتھ نازل ہوئیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کو اس یہودی کے خلاف فیصلے سے باز رکھ سکیں جس کے خلاف تمام قرآن موجود تھے  
 لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ بری تھا۔

اس واقعہ سے اسلام نے وہ مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک رہنی والی ہے۔ اور اس  
 جیسی مثال اسلام کے سوا کہیں نہیں پائی جاسکتی ہے۔

داخلی سیاست کے بارے میں ہمارے سامنے حضرت عمرؓ کا موقف اچکا ہے۔ اس وقت جب آپؓ نے اسلام کی اسلام کے خلاف جنگ سے منٹ رہے تھے۔

## سیاستِ خارجہ کی ایک مثال

اب ایک مثالِ خارجہ سیاست کی بھی لے لیجئے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے حیرہ سے متصل بعض شہروالوں سے معاہدہ کیا اور اس میں یہ تحریر فرمایا۔ کہ ”اگر ہم تمہاری حملہ آوروں سے حفاظت کریں تو تم ہمیں جزیہ دوور نہ نہیں“۔ جب ہرقل نے ان علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لئے لشکر تیار کیا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے شام کے مفتوحہ شہروں کے عمال کو تحریر کیا کہ ان شہروں سے جو جزیہ لیا گیا ہے۔ واپس کر دیا جائے اور آپ نے ان شہروالوں کو تحریر فرمایا۔ ”ہم تمہارا مال واپس کر رہے ہیں، کیونکہ اس وقت ہم تمہاری یہ شرط پوری نہیں کر سکتے کہ بیرونی حملہ کی شکل میں ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ آئندہ ہمارا معاہدہ بجا رہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرماوے“۔

اس طرح سیاستِ اخلاق میں داخل ہوتی ہے۔ اور میکیا و بلی کا بچاؤ کرنے والا کوئی نہیں رہتا۔ جو کہتا ہے کہ سیاست کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں!

اقتصادیات میں تو جاہلیتِ جدیدہ کا یہ قطعی گمان ہے کہ اقتصادِ اخلاق سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس پر جبری قوانین نافذ ہیں جن کے بارے میں خیر و شر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہر چیز کا پیمانہ یہ ہے کہ وہ کس جبری دور سے گذر رہی ہے۔ جب وہ جبری دور ختم ہو جائے تو ناپ تول کا پیمانہ بھی بدل جائے گا اور کل جو شے صالح اور مناسب تھی۔ وہ آج ملعون و غلط ہو جائے گی اور اس میں اخلاق کا کوئی دخل نہیں ہے!

جاگیر داری اپنے دور میں صحیح ہے اور اپنے امور کا خود ہی پیمانہ ہے۔ جب جاگیر داری دور ختم ہو گیا۔ اور اس کی جگہ سرمایہ داری کا دور آ گیا۔ تو جاگیر داری مردود و ذلیل قرار پائی۔ اس لئے نہیں کہ یہ نظام عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس کا دور ختم ہو چکا۔ اور۔ سرمایہ داری درست ہے۔ جب تک وہ اپنے طبعی دور میں موجود ہے۔ اور جب سرمایہ داری ختم ہو جائے تو یہاں بھی میزانِ الٰہی ہو جائے گی۔ اور تاریخ کا چکر

اسی طرح چلتا رہے گا کہ اخلاق کسی شے کے ناپنے کا پیمانہ نہ ہو!

یہ سب باتیں ترقی، تقدم اور ارتقاء کی ہیں!!

مگر۔۔۔ اسلام اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتا کہ لوگوں کی زندگیوں کا کوئی حصہ ایسا بھی ہو سکتا ہے جس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہ ہو۔

## حرمتِ سود

سود کی حرمت کی بنیاد اخلاقی بھی ہے اور اقتصادی بھی! اقتصاد اور اخلاق میں نہ قانون

نے فرق روا رکھا ہے اور نہ عملی زندگی میں ہے!

اسے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ

سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان

والے ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے، تو

اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور

اس کے رسول کی طرف اور اگر تم توبہ نہ کرو گے

تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے۔

نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی

ظلم کرنے پائے گا اور اگر تنگ دست ہو تو

بہولت دینے کا حکم ہے، آسودگی تک اور

یہ کہ معاف ہی کر دو تو اور زیادہ بہتر ہے

تمہارے لئے۔ اگر تم کو اس کے ثواب کی

خبر ہو اور اس دن سے ڈرو۔ جس میں تم

اللہ کی پیشی میں لائے جاؤ گے۔ پھر ہر

شخص کو اس کا کیا ہوا پورا پورا ملے گا اور

ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔

(البقرہ ۲۷۹-۲۸۱)

اس طرح اسلام میں توجیہ قانون کے ساتھ اور اخلاق سیاست اور اقتصاد کے ساتھ

پیوست ہے۔

اسی لیے اللہ نے سود کو حرام قرار دیا۔ اس لئے کہ یہ ایک اقتصادی اور اجتماعی ظلم ہے۔ اور۔  
اس وجہ سے کہ یہ ایک اخلاقی گراؤٹ ہے۔ اور دونوں وجہ سود کو حرام قرار دینے میں مساوی ہیں۔  
یہ نہیں کہ سود کی حرمت ایک اخلاقی گراؤٹ ہونے کی حیثیت سے کم ہو اور اقتصادی ظلم  
ہونے کی حیثیت سے اس کی حرمت میں اضافہ ہو جائے۔

اسلام سود کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف جہاد بھی کرتا ہے۔ کبھی  
یہ جہاد اخلاقی ہوتا ہے کہ لوگوں کو اللہ کے تقویٰ اور اس کے ثواب کی جانب متوجہ کرتا ہے۔  
اور کبھی یہ جہاد اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیتے  
ہیں۔ اور حکومت مسلمہ اپنے تمام سیاسی اداروں اور عدالتی نظام کے ساتھ اس کے  
خلاف نبرد آزما ہو جاتی ہے۔

— لیکن سود کے خلاف اخلاقی جہاد اس جہاد سے کم یا زیادہ نہیں ہے۔ جو قانون اور  
عقوت کے ذریعے اور پورے اقتصادی نظام کو غیر سودی بنا کر ہوتا ہے۔ بہر حال  
یہ دونوں طریق کار ایک ہی مبداء سے پھوٹتے ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔  
اقتصاد کو اخلاقی بنیادوں پر قائم کر کے اور اخلاق کو اقتصادی اصولوں سے مربوط کر کے  
اس دوگانہ اور مکمل طریقے پر اسلام کے پہلے اسلامی معاشرے نے اپنے اقتصادی نظام کی بنیاد  
رکھی۔ اور انفرادی اور اجتماعی تعامل میں اخلاق پر انتہائی زور دیا ہے۔

اسلام نے اپنے اقتصادی نظام میں سود اور اجارہ داری کو حرام قرار دیا، غصب  
لوٹا چوری اور دھوکہ دہی کو حرام کیا۔ مزدور کو پوری پوری اجرت دینے کا حکم فرمایا اور  
حق کے غلط استعمال سے منع کیا

یہ سب اخلاقی اصول ہیں۔ جن پر اسلام کا اقتصادی نظام قائم ہے۔

اخلاق کا اعلیٰ ترین معیار

اخلاق میں اللہ کی بتائی ہوئی جادہ حق سے انحراف ہی سے مغربی اقتصاد کو جاگیر داری  
کے مظالم، سرمایہ داری کے مظالم، سرمایہ داری کی مصیبتیں اور اجتماعی نظام کی ہولناکیاں برداشت



کو ناپڑی ہیں۔ اگرچہ جاہلیت کے مارے ہوئے انسانوں کو ابھی تک اپنی جاہلیت کی بگڑائی سے ہوش نہیں آیا کہ وہ یہ محسوس کر سکیں کہ اپنے اقتصادی نظام میں انہوں نے جس ظلم، زیادتی اور سرکشی کا مزا چکھا ہے۔ اس کا واحد سبب یہی ہے کہ ان کے اقتصادی نظام اخلاقی منہج سے علیحدہ ہو گیا۔ اس کے بجائے جاہلیت نے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اقتصاد کے اپنے جبری قوانین ہوتے ہیں۔ جن کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا !

— اسلام نے اپنے پہلے مثالی دور کے اقتصادی نظام میں اخلاق کا وہ اعلیٰ ترین معیار عملی زندگی میں پیش کیا ہے۔ جس کی تاریخ عالم نظیر لانے سے عاجز ہے۔ مثلاً — جب — انصار نے مہاجرین کو اپنے مال میں راضی خود غرضی بغیر حکومت کے ایما کے شریک کر لیا تھا !

— جب — مسلمانوں نے — اسلامی معاشرے میں اجتماعی کفالت کے ٹیکس زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے بغیر حکومت کے دباؤ کے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی — جس میں ان کا مدعا صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا تھا !

جس وقت — انفاق فی سبیل اللہ — زکوٰۃ کی مقررہ حد سے گذر گیا اور صحابہؓ نے اپنا پورا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ !

— جب — حضرت ابو بکر صدیق خلیفہ ہوئے۔ تو حسب سابق تلائیں معاش میں نکلے مسلمانوں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ خلافت کے کام اب آپ کو اس کی مہلت نہیں دیں گے۔ فرمایا میری معاش کا کیا ذریعہ ہوگا؟ اس پر مسلمانوں نے بیت المال سے چند درہم آپ کے گھر والوں کے اخراجات کے لیے بطور تنخواہ متعین کر دیئے۔

لیکن — حضرت ابو بکرؓ — ان درہم کو قرض لیتے رہے — اور وفات سے قبل بیت المال کا یہ قرضہ ادا کر دیا !

— جب — حضرت عمرؓ کے خادم نے آپ کی معمولی سرکاری تنخواہ میں سے — جو آپ کو بیت المال سے ملتی تھی — کچھ گھی خرید لیا۔ تو حضرت عمرؓ نے یہ گھی غریب مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا کہ جب غریبوں کو کھانے کو نہیں ہے۔ تو عمرؓ کو کیسے حلال ہے !

— جب — حضرت علیؓ نے بیت المال سے ایک بوری آٹا لیتے ہوئے اس پر مہر لگا کر فرمایا — تاکہ مجھے معلوم ہو سکے کہ ”میرے پیٹ میں کس قدر جا رہا ہے؟“ !

— جب — حضرت عمر بن عبدالعزیز نے وہ زمین جو ان کو نورمان نے دی تھی — اور جو بنو امیہ نے بغیر حق لوگوں سے غصب کر رکھا تھا — سب مسلمانوں کو واپس کر دیا۔

پھر اسلام اپنے بعد کے دور میں بھی جب مسلمان بگاڑ و انحراف میں پڑ چکے تھے — جاگیر داری کے راستے میں حائل ہو گیا! — اور جاگیر داری عالم اسلام میں اس ہونناک — غیر اخلاقی شکل میں نہیں آئی — جس شکل میں وہ یورپ پر مسلط تھی —

کیونکہ مسلمانوں میں خواہ کتنا ہی بگاڑ کیوں نہ پیدا ہو گیا ہو لیکن ان کا اقتصادی نظام کلی طور پر اخلاق سے عاری نہیں تھا! — جب کہ — غیر اخلاقی جاہلی نظام نے اپنی پوری تاریخ میں کبھی بھی اخلاقی نظم کا ذائقہ محسوس نہ چکھا۔

— نہ جاگیر داری — نہ سرمایہ داری — اور نہ ہی اشتراکی نظام — کسی میں انسانیت کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے! اور ان میں سے کوئی بھی نظام اپنے ”مثالی دور“ میں بھی کوئی نمونہ پیش نہ کر سکا!

اشتراکی پارٹی ہر اشتراکی ملک میں اپنے لیے عام لوگوں سے کچھ مخصوص حقوق کی مالک ہے! اور اشتراکی پارٹی کا کھانا پینا، لباس اور سکونت سب عام لوگوں کے معیار سے نہایت بلند ہے — حتیٰ کہ اشتراکی پارٹی کے لیے ادویہ بھی صرف کثیر کے بعد باہر سے درآمد کی جاتی ہیں — اور عوام روس کی واؤں پر گزارا کرتے ہیں! —

کیونکہ یہ سارا نظام — اقتصادیات کی اخلاقی بنیادوں پر ایمان رکھنے کے بجائے میکیاویلی جاہلیت پر ایمان رکھتا ہے — جس میں حصول مقصد کے لیے ہر ذریعہ جائز ہے — پھر مقصد بذات خود اخلاقی پیمانہ سے نہیں ناپا جاتا۔!

اسلام — اللہ کی بتائی ہوئی جادہ حق — اپنے اقتصادی نظام کو اخلاقی اور انسانی بنیادوں پر استوار کر کے انسانیت کو ہر قسم کے فساد، ظلم اور طاغوت کی حکمرانی سے بچاتا ہے

جدید جاہلیت میں اسلامی اخلاق کے باقی ماندہ آثار

آج جاہلیت جدیدہ کے معاشرے میں جو اخلاق اور چند فضیلتیں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر سچائی، امانت داری، اخلاص، عمل اور استقامت — تو یہ سب اسلامی اخلاق ہی

جو یورپ نے قرون وسطیٰ کے مسلمانوں سے حاصل کیا تھا — اگرچہ اب مسلمان اس اخلاق سے بیزار ہو چکے ہیں — یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ یورپ میں اس اسلامی اخلاق کی بنیاد ذاتی نفع اور خود پسندی ہے۔ جبکہ اسلامی اخلاق کی بنیاد ”انسانیت“ ہے! اسلام کا سارا اخلاق انسانیت کی اعلیٰ وارفع بنیاد پر قائم ہے۔ اس میں کسی مصلحت اور عصبیت کا شائبہ نہیں ہے۔ کیونکہ اسلامی اخلاق فی الحقیقت ”ربانی اخلاق“ ہے جو تمام انسانوں کے لئے مساوی ہے!

— انسان جب اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر چلتے ہیں۔ تو وہ خود بخود اسلام کے اس بلند وارفع اخلاقی معیار کو اپنا لیتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ان کی زندگی کے تمام پہلو اخلاق آشنا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ زندگی کا کوئی گوشہ اخلاق سے باہر نہیں رہتا — کیونکہ اسلام میں اخلاق کی مدخل عام ہے۔ زندگی کے کسی ایک پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے!

## اسلام اور جنس

جنس کے بارے میں گفتگو کے خاص طور پر کئی پہلو ہیں!

اگرچہ اس موضوع پر ہم اخلاقی نقطہ نظر سے بحث نہیں کریں گے۔ کیونکہ اسلام میں اخلاق کا مفہوم حد درجہ وسیع ہے۔ اخلاق کا وہ محدود مفہوم نہیں ہے جو لوگ سمجھتے ہیں کہ جنسی علاقہ میں پاکیزگی کا نام اخلاق ہے بلکہ اسلام کی نظر میں انسان مجسمہ اخلاق ہے — اور انسان کے اپنے رب اپنے نفس اور لوگوں کے ساتھ تمام روابط اسلام میں اخلاقی بنیاد پر قائم ہیں!

اخلاق صرف جنسی علاقہ — یا — معاملات کی حدود میں مقید نہیں ہے۔ بلکہ پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ حتیٰ کہ انسان کے وہ قلبی احساسات بھی جن کو وہ دوسروں سے بیان کرنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ وہ احساسات بھی جن کو وہ اپنے دل میں سوچنا بھی پسند نہیں کرتا — سب کو اخلاق شامل ہے۔ کیونکہ —

يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفَى اِرْطَه - (۷)

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ

مَا تَخْفَى الصُّدُورُ (عائدہ ۱۹)

اللہ تعالیٰ راز اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

وہ ایسا ہے کہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے، اور

ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

مناسب یہ ہے کہ انسان ہر اس بات میں پاکیزگی اختیار کرے جس کو اللہ جانتا ہے۔ اسی لئے

اسلام میں اس مغربی اخلاق کا کوئی وجود نہیں ہے۔ جس میں فرد کا۔ انفرادی حیثیت میں علیحدہ اخلاق ہوتا ہے اور جب لوگوں سے معاملہ کرتا ہے تو دوسرا منافقانہ اخلاق ہوتا ہے!

بہر کیف لوگوں نے طویل عرصہ سے اخلاق کا رشتہ جنسی علاقوں سے جوڑا ہوا ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اخلاق اخلاقیات جنس کا نام ہے یا

یہاں لوگ اخلاق کے مفہوم کو تنگ کرنے کے اس لئے درپے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اخلاق اپنے وسیع معنی میں پایا ہی نہیں جاسکتا اگرچہ لوگوں کے پاس جنسی علاقوں میں بھی اخلاق باقی نہیں رہا۔ —!

جاہلیت نے اس سلسلہ میں بھی بڑی جدوجہد کی ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ جنس کا اخلاق سے کوئی تعلق ہے۔ لوگ جنسی معاملات جس طرح جی چاہے کرتے رہیں۔ ان کے اخلاق کو کوئی خطرہ نہیں ہے!

اسی سے قبل ہم جاہلی شخصیات کی آراء نقل کر چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ جب لوگ شہوتوں کے معنوں میں پھنس جاتے ہیں تو اللہ کی سنت ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہے! یہاں ہم اس موضوع پر اسلامی نقطہ نظر پیش کر رہے ہیں۔ یہ گفتگو اخلاق کے اس عمومی مفہوم کے ماتحت ہوگی جو اسلام میں مراد ہے۔ جو پورے انسانی تشخص کو شامل ہے۔ اور جس کی بنا پر انسان کو دیگر مخلوقات۔ خاص طور پر حیوان سے ممتاز کیا جاسکتا ہے۔!

اسلام فواحشات سے اس لئے نہیں منع کرتا کہ یہ محدود اخلاقی مفہوم کے خلاف ہے۔ بلکہ اس لئے کہ بیرونی انسان کو انسانیت کے بلند مقام سے گرانے والی ہے!

انسان اللہ کا خلیفہ ہے۔ جس نے اللہ کی امانت کے بارگراں کو برداشت کیا۔ جس بارگراں کے اٹھانے سے زمین و آسمان عاجز تھے۔ انسان کو عمارت ارض، خلافت راشدہ کا قیام، عدل و انصاف، صالح سیاست صالح اقتصاد اور صالح معاشرے کے قیام کے فرائض سونپے گئے اور ان اعلیٰ ترین مقاصد کے لئے انسان کو جہاد کا حکم ہوا۔ کیونکہ بغیر جہاد کے یہ مقاصد فریجہ حاصل نہیں ہو سکتے! اگر انسان جنس کے گڑھے میں گر جائے تو یہ مقاصد کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ پھر کہاں خلافت راشدہ۔ اور کہاں جہاد!

پھر تو انسان و حیوان کے درمیان ہی کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اور انسان باوجود کوشش

کے حیوانیت سے مرتفع نہیں ہو سکتا !

اگر انسان اپنے اصل مشن سے دستبردار ہو جائے۔ تو کیا اخلاق اپنے وسیع تر مفہوم میں باقی رہ سکے گا ؟

— کیا انسان کے پاس اخلاق باقی رہ جائے گا؟ جب انسان شہوت رانی کرتا پھرے گا۔ اور کسی طرح اس کی آتش سوزیاں سرد نہ ہوگی۔ اور اس آتش کے سرد کرنے میں انسان اپنی تمام صلاحیتیں کھو بیٹھے گا۔ اور اپنی ذہنی قوت ارادی ضائع کر دے گا۔ جو اس میں حیوانات میں وجہ امتیاز ہے۔ حتیٰ کہ اس کے وہ فطری ضوابط بھی ماؤف ہو جائیں گے۔ جو جانوروں کو بھی حاصل ہیں۔

اسلام فواحش کو حرام قرار دے کر انسان کو مکرم بنانا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ خلافت کے بلند منصب کے لائق ہو سکے !

## فواحش کی حرمت

اسلام فواحشات کو اس لئے حرام نہیں قرار دیتا کہ اللہ کے بندے تلخی میں پڑ جائیں۔ یہ اللہ کا طریقہ کار نہیں ہے !!

اس نے تم کو اور امتوں سے ممتاز فرمایا اور تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تلخی نہیں کی۔

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (المع ۷۱)

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر تلخی ڈالیں لیکن اللہ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک و صاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنا انعام تمام فرما دے۔ تاکہ تم شکر ادا کرو۔

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ تَعْمَاتِكُمْ عَلَيْكُمْ نَعْلَمُ تَشْكُرُونَ (المائدہ ۶۷)

اور اللہ تعالیٰ کو تو تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے اور جو لوگ شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہو کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ

وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتَّوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ

جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کسی جاندار کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔

اور اسے منافقہ! اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کریں گے۔ اگر تم سپاس گزار ہی کہو، اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والے خوب جاننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فواحشات کو اس لئے حرام فرماتا ہے، تاکہ انسانوں کو پاک و صاف کرے۔

اور انہیں انسانیت کے مقام بلند تک پہنچائے۔ انسان — جس کو اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا اور اس کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی!

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عورت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا، اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گہر جاؤ۔

تَمِيلُوا مِيلًا عَظِيمًا يَرْيَدُ  
اللَّهُ أَنْ يَخْفِيَ عَنْكُمْ وَ  
خَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا وَالنَّسَاءَ (۲۸۲)  
لَا يَكْفِي اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا  
وَشَعَهَا۔ (البقرہ - ۲۸۴)

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ  
إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ  
اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا  
(النساء - ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ فواحشات کو اس لئے حرام فرماتا ہے، تاکہ انسانوں کو پاک و صاف کرے۔

اور انہیں انسانیت کے مقام بلند تک پہنچائے۔ انسان — جس کو اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا اور اس کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی!

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ  
وَحَمَلْنَاكُمْ فِي الْبَدْرِ وَالْبَحْرِ  
وَرَزَقْنَاكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ  
وَفَضَّلْنَاكُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ  
خَلَقْنَا تَفْضِيلًا۔ (الاسراء - ۷۰)

پھر انسان اپنی تخلیق میں بھی مفرد ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ  
إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ  
فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ  
فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا  
لَهُ سَاجِدِينَ (ص - ۶۱ - ۶۲)

انسان اپنی اسی خاکی اور روحی مرکب طبیعت کی بنا پر نہ تو بے لگام شہوت پرست بن سکتا ہے اور نہ ایسا جسم بن سکتا ہے جس میں روح کا کوئی نور نہ ہو۔

اسلام کا وضع کردہ اخلاق انسان کے تمام اعمال میں اسی مرکب طبیعت کا قانون ہے۔ اسلام میں اخلاق کوئی قائم بالذات اور انسانی تشخص سے علیحدہ قانون نہیں ہے۔ جو باہر سے انسان کے اوپر مستط کیا جائے بلکہ اسلامی اخلاق انسان کی فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے۔ جس کو خود انسانی طبیعت استوار کرتی ہے!

فرشتوں اور جانوروں کے اخلاق — اگر یہ تعبیر استعمال کرنا صحیح ہو — انسانوں کے اخلاق سے بالکل مختلف ہیں کیونکہ ہر مخلوق کا اخلاق اسی مخلوق کے تشخص کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ اور — یہی حال انسان کا بھی ہے!

فرشتے اللہ کی ایسی مخلوق ہیں جن کے نہ جذبات ہیں اور نہ ارادہ چنانچہ ان کا اخلاق بھی ان کے طبعی مزاج کے مطابق ہے۔

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ  
وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَدُونَ۔  
(التحریم - ۶)

اللہ تعالیٰ جو ان کو حکم دیتا ہے۔ اس میں نافرمانی نہیں کرتے۔ جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ فوراً بجالاتے ہیں۔

يَسْتَعْجِلُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ  
لَا يَفْتُرُونَ۔ (الانبیاء: ۲۰)

شب و روز پروردگار کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ تھکتے نہیں۔

حیوانات دوافع فطری میں گھرے ہوئے ہیں۔ لیکن ارادے کے مالک نہیں ہیں، اور فطری ضوابط کے علاوہ کوئی ضابطہ نہیں ہے۔ اس لئے ان کا اخلاق ان دوافع پر لیبک کہنا ہے اور اس میں کسی فکر اور تدبیر کی ضرورت نہیں!

انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جس کے دوافع بھی ہیں اور ضوابط بھی — جو اس کی خاکی و روحی مرکب طبیعت سے اُبھرتے ہیں اور اس کا اخلاق اس کی طبیعت سے ہم آہنگ ہے۔

اس طرح کہ وہ اپنے دوافع پر لیکس کہے اور اس کی طبیعت کے فطری اور ارادی ضوابط اسے کنٹرول کرتے رہیں۔ اور جسمانی جذبہ پر روحانی روشنی لپے ہوئے کہے؛ اس طرح انسان کے اعمال نہ تو بلا ضابطہ ہو سکتے ہیں اور نہ بے مقصد رہ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی اس درجہ تک سکتے ہیں کہ حیوانیت آجائے چنانچہ انسانی اخلاق، تمام اعمال میں دوافع فطری کو پورا کرنا ہے۔ لیکن ان دوافع پر ضبط، اور ان کی تکمیل میں مقصد اور روحانی اشراق ہونا چاہیے۔

### عظمت کا پہلو

انسان کے لیے جنسی علاقے میں اخلاق بھی زندگی کے دیگر پہلوؤں کی طرح ہے کہ انسان جنسی جذبہ کی تکمیل "شہوت" کے معیار پر نہیں، بلکہ "عظمت" کے معیار پر ہے جس بنات خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد کے لیے وسیلہ ہے۔ اور قوانین و ضوابط اس کو کنٹرول کرتے ہیں تاکہ فرد کی ہلاکت اور جماعت کا بگاڑ نہ بن جائے؛ اظہر اسی طرح زندگی کے تمام اعمال کے لیے اخلاقیات ہیں۔ جیسے کھانا پینا۔ لباس رہائش وغیرہ

اس اخلاق سے انسان۔ انسان بنتا ہے۔ اور اس کے بغیر جانور سے بھی گیا گذر ہو جاتا ہے۔

ان کے پاس دل ہیں۔ مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں۔ مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں۔

لَهُمْ تَوْبَةٌ لَّا يُقْبَلُونَ  
بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ  
بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ  
بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْإِنْعَامِ لَبَّسَهُمْ آصْنَافًا  
أُولَٰئِكَ هُمُ الْعَاقِلُونَ (الاعراف ۱۷۹)

اس ہمہ گیر بنیاد پر اسلام جنسی مسائل کو بھی حل کرنا ہے اور انسان کی تربیت بھی کرتا ہے۔ اسلام نہ جنس کو گندگی کہتا ہے۔ نہ اس سے انسانی شعور و احساس کو متنفر کرتا ہے۔ جس طرح ہندو دھرم اور مسیحیت وغیرہ کرتے ہیں۔ جو طہارت کے حصول کے لیے انسانی جسم کو مجبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلام تمام فطری دوافع اور زندگی کے ہر نشاط کو جائز کہتا ہے۔ لیکن اس پر کچھ قوانین



بھی عائد کرتا ہے۔ اور یہ قوانین جائز حدود میں بھی موجود ہیں۔ اور ہر معاملے میں اگرچہ یہ وجہ دونا جائز کا خط فاصل ہی انسانیت کو ہلاکت سے بچانے والا ہے۔

جائز دونا جائز کا خط فاصل صرف جنس ہی میں نہیں ہے۔ بلکہ کھانے میں بھی ہے۔

خون، مردار، پھنسیزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا حرام ہے۔ لیکن باقی اشیاء بھی علی الاطلاق جائز نہیں ہیں۔ کیونکہ ضروری ہے کہ طعام چوری، عصب یا اسراف کا نہ ہو۔

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ كَمَا وَهَآءِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ كَمَا وَهَآءِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ

(الاعراف: ۱۶۰)

ہیں۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ كَمَا وَهَآءِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ كَمَا وَهَآءِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ

کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔

(الاعراف: ۳۱)

اسی طرح طعام کے کچھ آداب بھی ہیں۔

د آدمی جو برتن بھرتا ہے۔ اس میں پیٹ سب سے برابر تن ہے۔ آدمی کے

لئے تو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھ سکیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس

لینے یا چھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔

اس طرح طعام حس کی گندگی سے بلند ہو کر انسان کے مناسب زندگی کا ذریعہ بن جاتا

ہے۔ جس میں جسم اور روح دونوں شریک ہوتے ہیں۔

اسی طرح جنس میں بھی کچھ محرمات ہیں۔

حُرْمَتُ عَنِّيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ

وَبَنَاتُكُمْ وَاَخْوَاَتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ

وَاَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ

وَبَنَاتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهَاتُكُمْ

الَّتِي اَدْخَلْنَاكُمْ وَاَخْوَاَتُكُمْ

تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری

بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری چھوٹی

اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور

بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں

نے تمہیں دو وہ پلایا۔

لیکن جو جنسی تعلق جائز ہے، وہ بھی غیر مشروط نہیں ہے۔ بلکہ طہارت اور نظامت کو برقرار

رکھنے کے لئے کئی احکام ہیں۔

اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں ،  
 آپ فرمادیں گے وہ گندی چیز ہے تو حیض میں  
 تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے  
 قربت نہ کیا کرو جب تک وہ پاک صاف نہ ہو جائیں پھر جب  
 اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس طرح ہے  
 خدا تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے۔ یقیناً  
 اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں، تو بہ کرنے  
 والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف  
 رہنے والوں سے۔

وَقِيْلَتُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيضِ  
 قُلْ هُوَ اَذَىٰ مَا هُمْتَرُوْنَ وَاللّٰهُ  
 فِي الْمَحِيضِ وَا لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى  
 يَطْمَئِنَّ فَاذَا طَمَئِنَّ فَاْتُوْهُنَّ  
 مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ  
 لَآ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ الْمَشَاوِئِ  
 وَحَيْثُ الْمَطْمَئِنِّينَ۔

(البقرہ ۲۲۲)

اس کے ساتھ ساتھ وہ اقوال بھی ہیں جو جس کی شدت کو کم کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی  
 نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - سے اس مضمون کی کئی احادیث نقل فرمائی ہیں۔

پھر انسان کو یاد دلایا گیا کہ جنسی علاقہ کا ایک خاص مقصد ہے  
 نَسَاءُكُمْ حُرَّتٌ لَّكُمْ  
 تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔

اس آیت میں نسل کشی کی جانب اشارہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ جنسی تعلق صرف جسمانی تعلق ہی نہیں بلکہ روحانی اور وجدانی  
 تعلق بھی ہے۔

اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس  
 نے تمہارے واسطے تمہارے جنس کی بیباکی  
 بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور  
 تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

وَمِنْ اٰیَاتِهِ اَنْ خَلَقَ  
 لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا  
 لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ  
 مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم ۲۱)

انسانی تعلق کے اس بلند مقام پر جنسی بے راہ روی ایک ایسا عمل بن جاتی ہے۔ جو  
 انسانیت کے کسی پیمانہ پر پورا نہیں اترتا۔ انسان کی کوئی بھی صفت اس عمل میں نہیں پائی جاتی۔  
 نہ روح کی روشنی، نہ ضبط کی قدرت، نہ مقصد کی فکر اور نہ معاشرے کی خلافت راشدہ کی  
 حدود میں تشکیل۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا۔ کیونکہ عمل اللہ کے خلیفہ کے لائق نہیں۔ یہ وہ نہیں کہ اللہ بندوں پر تعلیٰ کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان تمام اعمال کو بھی حرام کر دیتا ہے۔ جو فحش کاری میں مدد پہنچاتیں۔ چنانچہ اختلاط، تبرج اور اظہار زینت سب حرام ہیں۔

— اسی طرح اللہ نے بڑی نظر سے دیکھے اور بڑے الفاظ کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔

چہ جائیکہ عمل فاحش —! بس ایک صاف ستھرا طریقہ جائز ہے۔ یعنی نکاح!

میں نے دوسری کتابوں میں اس کہانی کو نقل کیا ہے۔ جو یہ کہتی ہے کہ اس قدر تخافت آج ممکن نہیں رہی۔ کیونکہ آج کل لوگ ترقی یافتہ بیسویں صدی میں ننگ گذار رہے ہیں! —  
جی ہاں! یہ نظافت اس عالم بہائم میں ناممکن ہے۔ جو بیسویں صدی کی جاہلیت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

لیکن یہ سب کچھ عالم انسان میں ممکن ہے۔ جب کہ انسان انسانیت کے مرتبہ کو حاصل کر لیا۔ اقتصادی اور اجتماعی ضروریات کے بارے میں جس قدر باتیں کہی جا رہی ہیں۔ یہ سب وہم باطل ہیں۔ جنہیں جاہلیت بڑا کر کے بتاتی ہے۔ تاکہ لوگ شہوتوں کے بھنور میں پھنس کر اس طاعت سے غافل ہو جائیں۔ جو ان کی گردنیں دبوچے ہوئے ہے!

اقتصادی اور اجتماعی ضرورت کے نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اجتماعی حکومت۔ دوس جو لوگوں کے کھانے پینے اور شادی بیاہ کی کفیل ہے۔ وہ بھی لوگوں کے نکاح ہی فکر نہیں کرتی۔ بلکہ لوگ بغیر کسی اقتصادی مجبوری کے جانوروں کی طرح اختلاط کرتے رہتے ہیں! —  
میشک یہ جاہلیت ہے۔ جو لوگوں کو شہوت میں اس لئے الجھا دیتی ہے تاکہ لوگ طاعت سے غافل ہو جائیں۔

اسلام جہاں جنسی انحرافات کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ — جیسے ہر فطری جذبہ پر منحرف ہونے سے روک قائم کرتا ہے۔ —

— وہاں اسلام نکاح کی سہولتیں بھی مہیا کرتا ہے۔ نکاح کو آسان بناتا ہے۔ اس پر لوگوں کو

لئے اسلام اور جدید مادی افکار میں ملاحظہ کیجئے۔ انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء اور معرکہ تقالید۔

ابھارتا اور اسے اللہ سے قربت حاصل کرنے کا ذریعہ اور عبادت قرار دیتا ہے۔ اور بیک وقت راحتِ اعصاب اور راحتِ ضمیر کا بھی ضامن بن جاتا ہے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ اس فطری جذبہ کو دبا کر انسان کے اعصاب کو تھکایا جائے۔ بلکہ یہ کوشش کرتا ہے کہ معاشرہ صاف ستھرا رہے۔ تاکہ لوگوں کی قوت برداشت جواب نہ دے جائے۔ بلکہ اسلام اس کی سہولتیں فراہم کرتا ہے اور اس میں لطافت کو ملحوظ رکھتا ہے۔ تاکہ ضمیر مطمئن رہے۔ اسی طرح اسلام سکون و استقرار کا ضامن ہے۔ جب کہ اس سے قبل دل ڈیورنٹ کا بیان گند چکا کہ جاہلیت جدیدہ میں انسانیت کس طرح اپنا نفسیاتی عصبی اور روحانی اطمینان کھو چکی ہے اسلام عائلی استقرار کی ضمانت دیتا ہے۔ جب کہ پہلے گذر چکا کہ جب جنس کا اخلاقی بندھن ٹوٹ گیا تو کس طرح عائلی نظام کی بنیادیں ہل گئیں اور مرد و عورت پر اگندہ ہو گئے۔

اسلام بچوں کے لئے ضامن ہے کہ وہ پیار و محبت کی فضا میں پرورش پائیں۔ اور انحراف و پراگندگی سے بچ جائیں۔

اسلام جس وقت انسان کو انسانیت کے بلند اور ارفع مقام پر لاتا ہے۔ اسی وقت اس کی تمام ضروریات و حاجات کی تکمیل کے لیے بھی عمل بتاتا ہے۔

## اسلامی فن کا طریق کار

آرت ڈفن کو بھی اللہ کی بتائی جاوہ حق کے مطابق ہونا چاہیے۔

میں نے اپنی کتاب "اسلامی فن کا طریق کار" میں ان لوگوں کی تفصیلی ترمیم کی ہے جو منہ بنا کر اور ناک بھوں چڑھا کر کہتے ہیں کہ فن کا اللہ کی ہدایت سے کیا تعلق؟!

ہم پہلے بتا چکے کہ ہم اسلامی طرز زندگی کی تفصیل نہیں پیش کرنا چاہتے۔ بلکہ ہر باب میں رہنمائی کے لیے چند کلیدی اصول پیش کرنا چاہتے ہیں۔

جس طرح ہم نے گذشتہ صفحات میں سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق اور جنسی تعلقات کے بارے میں لکھو کی ہے۔ اسی طرح یہاں ہم فن کے بارے میں اسلام کے رویہ پر روشنی ڈالیں گے۔ فن نشاط بشری ہے۔ جس کو انسان اپنی زندگی میں قائم کرتا ہے۔ اگر انسان کی ساری دلچسپیاں سیاست، اقتصاد، اجتماع۔ اور اخلاق اللہ کی ہدایت میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور۔

اللہ کی ہدایت انسانی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو بلند کر کے انسانیت کے بلند وارفح مقام تک لاسکتی ہے۔ تو وہ فن بھی اللہ کی ہدایت کے سامنے تلے پروان چڑھ کر انسانیت کے بلند مقام تک آسکتا ہے۔

کچھ لوگ یہ کہیں گے کہ اگر فن اللہ کی ہدایت کے زیر سایہ آگیا۔ تو فن دینی و عطا اور منبری خطیب بن جائے گا۔ اور انسانیت کی جو تصویر یہ فن پیش کرے گا وہ بڑی پاکیزہ اور صاف ستھری ہوگی!؟ کبھی نہیں۔ یہ کہنا جاہلی ذہن کی سادگی فکر ہے۔

فن کا اسلامی طریقہ کار فن کو اتنی ہی وسعت عطا کرتا ہے۔ جتنی وسعت۔ اسلام زندگی کے ہر گوشے میں انسان کو دیتا ہے۔

بلکہ۔ اسلامی طریقہ کار میں تمام وجود فن کی جولان گاہ ہے! اللہ۔ کائنات۔ اور انسان سب اسلامی فن کے میدان ہیں۔! یہ تمام پہلو زاویہ اسلامی کی گرفت میں آتے ہیں۔ کیونکہ فن۔۔۔ اپنی تمام مختلف شکلوں میں۔ انسان کی اس کوشش کا نام ہے کہ وہ اپنے احساسات میں القا ہونے والے حقائق وجود کی عکاسی خوبصورت اور موثر انداز میں کرے۔

انسان کا۔ اللہ، کائنات، زندگی اپنے نفس اور دوسروں سے تعلق۔ فن کی جولان گاہ ہے۔ خواہ فن اسلامی منبع کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

جس وقت فن اسلامی طریقہ کار اختیار کرے گا اس وقت صرف یہ تبدیلی ہوگی کہ انسان کے جملہ قطععات کو اسلامی نقطہ نظر اور اسلامی شعور سے دیکھا جائے گا۔ یہ بالکل بیسی امر ہے کہ مسلمان جن احساسات و شعور کی ترجمانی کرے گا وہ قطعاً ان احساسات سے مختلف ہوں گے۔ جو ایک غیر مسلم کے ہوں گے۔

ایک مسلمان کے شعور و احساسات یہ ہوتے ہیں۔ کہ وہ اللہ سے محبت، کائنات سے مشارکت، زندگی کے مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے زندگی سے محبت اور یہ کہ زندگی دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے اور انسانوں سے محبت و کشمکش کا تعلق!

اسلام واقعیت پسند ہے اور اسلام کہتا ہے۔

وَلَوْ لَا دَرَكْتُمْ اللّٰهَ الْغَايِبَ لَكُنْتُمْ مِنَ الْغَابِطِينَ

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں

بَعْضٍ لَّمْ يَدْرِكُوا الْأَرْضَ - کو بعض سے مدفع کرتے رہا کرتے تو سر زمین

تمام تر فساد سے پر ہو جاتی -

(البقرہ ۵۱)

اسے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک

کام میں کوشش کر رہا ہے۔ پھر اس سے جا

ملے گا۔

ہم نے انسان کو بڑی شقت میں پسید

کیا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي

حَسْبٍ (البلد ۴۱)

اسلام یہ نہیں کہتا کہ دنیا مثالی جنت ہے۔ نہ یہ کہتا ہے کہ انسان کے قدموں کے نیچے

نعیمیں بھری پڑی ہیں۔ بلکہ اسلام کہتا ہے کہ زندگی محنت و مشقت اور کش مکش کا نام ہے!

بجائے انسان بھی اسلام واقعت پسندانہ انداز اختیار کرتا ہے۔ وہ انسان سے یہ نہیں کہتا

کہ تو فرشتہ ہے اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہے اور نہ یہ کہتا ہے کہ دنیا میں سب ہی لوگ صاحبِ نعم

ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ کہتا ہے۔

وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا (النساء ۱۲۸) انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔

اور کہتا ہے: "ہر ابنِ آدم خطا کار ہے"

اسلامی طریقہ کار کو اپنانے والا فن زندگی اور انسان کی غلط تصویر کشی نہیں کرے گا۔ نہ کوئی

خیالی شکل بنائے گا اور نہ کوئی چمکدار مثالی صورت دے گا۔

بلکہ۔ فن کا اسلامی طریقہ بھی انسان کی کش مکش، اس کی زندگی کی مشکلات، خیر و شر کے درمیان کشاکش

اور ارتقاع و بہو ط کی عکاسی کرے گا!

سوال یہ ہے کہ پھر اسلامی فن - اور جاہلی فنون میں کیا فرق ہے۔؟ کئی فرق ہیں۔

پہلا یہ ہے۔ کہ اسلامی فن کی واقعیت - اور جاہلی فنون کی واقعیت میں فرق ہے۔

واقعیت کا سرچشمہ انسان کی حیوانی تعبیر ہے۔ جب کہ اسلامی فن کا انسانی تعبیر ہے۔

تعبیر ترقی و تنزل، خیر و شر اور خاکی و روحانی تمام پہلوؤں کو حاوی ہے۔

دوسرا فرق مرکزی توجہ کا ہے۔

اسلامی فن جو تصویر انسانی زندگی کی بنائے گا۔ اس میں روشن اور تاریک دونوں رخ

ہم مل گئے۔ لیکن مرکز توجہ کون سا رخ ہوگا؟

فنون جاہلیت۔ جو انسان کی حیوانی تعبیر سے مستفاد ہیں۔ وہ تاریک پہلو مرکز توجہ بناتے ہیں۔ مگر تاریک پہلو انسان کی زندگی پر محیط ہے۔

تاریک پہلو سے ہم کوئی محدود اخلاقی جانب مراد نہیں لے رہے ہیں۔ بلکہ تمام امور کو اسلامی نقطہ نظر سے بیان کر رہے ہیں۔

جب۔ انسان کی یہ تصویر بنائی جاتی ہے کہ وہ ضرورت کے سامنے مجبور ہے، بلا بند ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ انسان کا تاریک پہلو ہے!

جب۔ یہ دکھایا جاتا ہے کہ انسان مادی جبرِ عقل کے سامنے سجدہ پہنچتا ہے۔ ان کی غلامی سے آزاد ہونے کی کوئی سبیل نہیں اور ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ یہ بھی انسان کا تاریک پہلو ہے!

وہ گئے دوسرے انحرافات ان سے بھی اصلاحی فن بری ہے!

مسلمان کے احساسات میں اللہ اور انسان کی کش مکش کا کوئی عکس نہیں ہے۔ اس لئے اسلامی فن اس کش مکش کا عکاس نہیں ہوگا۔ اگر کسی معرّف انسان کے نفس میں یہ تصور ہو۔ تو اسلامی فن اس کو انحرافات کی شکل میں پیش کرے گا۔

اسلامی فن میں غیر اللہ۔ کو اللہ تسلیم کرنا بھی نہیں ہے۔

فطرت بیشک خوبصورت، محبوب اور بدیع صورتوں والی ہے۔ اور انسانی حس اس پر تعقّب کرتی ہے۔ لیکن فطرت کو معبود نہیں بنایا جائے گا۔ جیسے رومانوی تحریک نے بنا لیا۔ جو کلیسا کے معبود سے بھاگ کر کسی نئے معبود کی تلاش میں نختی۔ تاکہ رجال دین سے نجات ملے۔

اگرچہ انسان کو عظیم صلاحیتیں حاصل ہیں۔ لیکن انسان معبود نہیں ہے۔

انسان کو یہ تمام نعمتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں۔ اور انسان پر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی شکر نہ کرے، بلکہ کفرانِ نعمت کرے۔ تو اسلامی فن اسے انحرافات اور بگاڑ کی شکل میں پیش کرے گا!

تاریخ کی مادی جبریت بھی معبود نہیں ہے۔ جیسا کہ جاپلی و اشتراکی ادب و فن نے انسان کو

مادی جبریت کے سامنے ذلیل و حقیر بنا کر رکھ دیا ہے !

اس کے برعکس۔ اسلامی فن کا میدان ٹہبت زیادہ وسیع ہے اور زندگی کا کوئی معاملہ اسلامی فن کے دائرے سے خارج نہیں ہے !

بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اسلامی فن کا میدان تمام فنون سے وسیع تر ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ کائنات، زندگی، انسان اور ان تمام کے درمیان روابط و تعلق مد نظر ہیں !

لیکن۔ اسلامی فن۔ متوازن، تطبیق اور اعلیٰ ہے۔ اور اس اعلیٰ ترین مقام پر ہے جو مقام اللہ کے خلیفہ کا ہو سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس واقعیت سے بھی غافل نہیں ہے کہ انسان زندگی میں خلافت راشدہ سے منحرف ہے اور انسان میں فطری ضعف بھی ہے۔

جب۔ یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان زندگی میں حیران و سرگرداں اس کے سامنے زندگی کے کوئی معنی ہیں اور نہ مقصد۔ اور نہ اس کے ضمیر کو قرار حاصل ہے۔ اور نہ اسے روشنی کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے۔ تو یہ انسان کا تاریک پہلو ہے !

اور۔ جب۔ یہ دکھایا جاتا ہے کہ انسان شہوتوں کے فیصلے جو ہرگز میں غوطے لگا رہا ہے اور ناک تک ڈوبا ہوا ہے۔ اور۔ اس زندگی سے باہر آنے کی کوئی صورت نہیں تو یہ انسان کا تاریک پہلو ہے !

بیشک یہ تاریک پہلو انسانی زندگی میں موجود ہے۔ لیکن انسان کے تشخص اس کی حقیقت طاقت اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ یہ پہلو ہمیشہ انسان پر مسلط نہیں رہتا۔ اور نہ یہ انسان کی اصل ہے کہ انسان ہمیشہ اسی حال میں رہے !

## انسان کی واقعیت

اسلامی طریقہ کار کے زیر سایہ ہم وہی واقعیت سامنے لائیں گے جو واقعیت ہم دیکھتے ہیں۔ اللہ کی ہدایت کی روشنی میں جو ہمیں انسان کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ ہماری واقعیت اس ادراک سے مستفاد ہے۔ ہم اس واقعیت پر اس طرح روشنی ڈالیں گے کہ تاریک پہلو ہمارا مرکز توجہ نہیں ہوگا !

تاریک پہلو انحراف کی واقعیت ہے۔ انسان کی واقعیت نہیں ہے۔ یہ انسانی کمزوری



کا وقفہ ہے۔ اس کے بعد انسان پھر بلند ہو جائے گا: یا یہ کہیے کہ —  
یہ انسانی کمزوری کا ایسا وقفہ ہے۔ جو اعجاب و تقدیر کے بجائے — افسوس و تأسف  
القائد کرتا ہے۔

یا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا  
يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا  
بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (یس: ۳۰)

افسوس بندوں کے حال پر جو رسول ان  
کے پاس آیا۔ اس کا وہ مذاق ہی اڑاتے  
رہے۔

انسانی کمزوری و ضعف۔ بطولت (سیر و ازم) نہیں ہے۔ جیسا کہ جاہلیت جدیدہ  
کے فنون بتلاتے ہیں۔

یہیں راستے علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں —

اسی طرح اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم تمام انسانی زندگی کو محیط ہے۔ یہ سیاست، اقتصاد،  
اجتماع، اخلاق، علاقہ جنسی اور فنِ غرض زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے دائرے میں لئے ہوئے ہے!  
انسان کی نشاۃ اور دلچسپی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے۔ جو اللہ کی ہدایت سے باہر ہو!  
— اور اللہ کی ہدایت ہی — وہ واحد طریقہ زندگی اور اسلوب حیات ہے جو ہر قسم کے  
نقص قصور اور بگاڑ سے پاک ہے!

— اللہ کی ہدایت اور اس کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کے علاوہ ہر راہ جاہلیت کی راہ ہے —  
اور ہر جاہلیت اپنے دامن میں شر، فساد، شقاوت اور عذاب الیم لئے ہوئے ہے —  
حیات انسانی میں اعتدال آہی نہیں سکتا۔ جب تک لوگ اللہ کی طرف رجوع نہ ہوں۔ اس  
پر ایمان نہ لے آئیں اور اس کے قانون کو عملاً اپنی زندگیوں میں نافذ نہ کر لیں۔

وَكَذَٰلِكَ أَهْلَ الْمُقَدِّمِ  
آمَنُوا وَآتَمَّتُوا لِقَوْلِنَا عَلَيْكُمْ  
بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ  
وَلَكِن كَذَّبُوا فَاتَّخَذْنَا هُم  
بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ  
کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین  
سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ مگر  
انہوں نے تو جھٹلایا۔ لہذا ہم نے اس بری  
کمانی کے حساب میں انہیں سزا دیا جو وہ کمیت  
رہے تھے۔

اب لوگوں کے سامنے صرف وہی رہتے ہیں۔  
 یا۔ تو ایمان لائیں۔ اور اللہ کے ڈریں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر آسمان و زمین  
 کی برکتوں کے دروازے کھول دے۔

یا۔ تکذیب کریں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی سزا میں پکڑ لے۔  
 مندرجہ بالا حقیقت کے عیاں اور روشن ہونے کے باوجود اور ان تمام حقائق کے باوجود  
 جو ہم نے گذشتہ فصلوں میں بیان کئے ہیں۔ جاہلیت۔ بدستور تاریخوں میں جھٹکتی رہے گی۔  
 اور کبھی بھی جاہلیت کو یہ موقع میسر نہ آسکے گا کہ وہ تاریخوں سے نکل کر تمام امور کا حقیقت پسندانہ  
 جائزہ لے اور دیکھے کہ اس کے ہاتھوں دنیا میں کس قدر فساد اور تباہی برپا ہو چکی ہے اور جاہلیت  
 کی ماری ہوئی انسانیت کس طرح موثر اور سرسبز طالع کے لئے تڑپ رہی ہے!  
 بلکہ۔ صورتِ حال اس سے بھی زیادہ بدترین ہے۔

اور وہ یہ کہ۔ اسلام۔ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم۔ نہ صرف یہ کہ لوگوں کی  
 زندگی سے کلینتاً خارج ہے۔ بلکہ یہ کہ جاہلیت کے مارے ہوئے انسان اسلام کو ناپسند بھی  
 کرتے ہیں! —

# اسلام کیوں ناپسند ہے؟!

اسلام — مکمل جاوہ حق اور ہر جی اور انحراف سے بری ہے —  
یہ وہ نظام ہے جو ہر انسان کو پیش آنے والے ہر مسئلہ کا ٹھیک ٹھیک حل پیش کرتا ہے  
اور ہر مشکل کو حق و انصاف سے حل کرتا ہے !

— یہ وہ اسلوب حیات ہے — جو نفس انسانی کی تمام منتشر صلاحیتوں کو یکجا کر کے۔ ایک مقصد  
عظیم کے حصول میں لگا دیتا ہے۔ اس طرح نہ انسان کی صلاحیتیں مختلف مقاصد میں بٹی ہیں، اور  
نہ اس کی دلچسپی متعدد امور میں تقسیم ہوتی ہے۔ یہ وہ طرز زندگی ہے جو انسانیت کو شقاوت و  
عذاب اور حیرت و اضطراب سے نجات دلاتا ہے !

کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ لوگ اس طرز زندگی کو ناپسند کرتے ہیں — اور جتنا ان  
کو اس کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اسی قدر وہ دُور جھاگتے ہیں۔

جی نہیں ! اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ بالکل طبعی امر ہے ! — کیونکہ —  
تاریخ کے ہر دور میں جاہلیتیں اسلام کو ناپسند کرتی رہی ہیں — اور اس لئے ناپسند کرتی رہیں  
— کہ اسلام — اسلام ہے ! جس قدر جاہلیت سرکش اور اللہ سے دُور ہوگی۔ اسی قدر وہ

اللہ کی نازل کردہ راہ حق سے متنفر ہوگی !

— جب — جاہلیت جدیدہ — تاریخ کی تمام جاہلیتوں میں سب سے زیادہ سرکش

نہے — تو یہ طبعی امر ہے کہ اس کی اسلام سے نفرت بھی تمام جاہلیتوں سے زیادہ ہوگی ! —

جاہلیت اسلام سے اس لئے نفرت نہیں کرتی کہ جاہلیت اپنے دل میں — اسلام کا حق ہونا

اور اس کا بھلائی ہر لمحہ سمجھتی ہے — یا جاہلیت یہ سمجھتی ہے کہ جس باطل زندگی کو وہ گزار رہی

ہے۔ وہ اسلام سے زیادہ درست اور صحیح ہے !

نہیں۔ بگم جاہلیت اسلام کو یہ جانتے بوجھتے ناپسند کرتی ہے کہ اس میں حق بھی ہے اور خیر بھی۔ اور اسلام زندگی کے بگڑے ہوئے معاملات کو سنوار سکتا ہے۔

— جاہلیت اسلام سے اس لئے مستغفر ہے کہ وہ چاہتی ہے کہ زندگی میں بگاڑ رہے۔ اور تمام معاملات اسی بگاڑ اور بگم کے ساتھ چلتے رہیں۔ ان میں استقامت نہ آنے پائے ! — اور — جاہلیت اسلام سے اس لئے مستغفر ہے کہ وہ جاہلیت ہے اور یہ اسلام ہے !

وَمَا تَشَاءُ فَتَهْدُ لِنَهْمٍ  
فَأَسْتَحِبُّوْا الْعَمَلِ عَلَى الْهُدَى  
(نصرت - ۱۷)

رہے شور۔ تو ان کے سامنے ہم نے راہ راست پیش کی۔ مگر انہوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا رہنا پسند کیا۔

یہ مثال جاہلیت کا ہمیشہ کا موقف ہے !

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ  
قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ  
مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنْ كُنْتُمْ  
عَلَيْكُمْ عَذَابٌ يُؤْمِرُ عَذَابِي قَالَ الْغُلُوَّةُ  
مِنْ قَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَنَوَاقٍ فِي  
ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اس کی قوم کہ سرداروں سے جواب دیا ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔

وَإِنِّي أَخَافُ هُوْدًا  
قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ  
مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ  
قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ  
قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكُمْ فِي  
سَفَاهَةٍ

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا اور اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ پھر کیا تم خطبہ دی سے پرہیز نہ کرو گے اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کر رہے تھے۔ جواب میں کہا

ہم تو تمہیں بے عقلی میں مبتلا سمجھتے ہیں۔

اور خود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادران قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا۔ جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کے منکر ہیں۔

اور لوط کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا۔ کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل ہی حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے بڑے پاکیزہ بناتے ہیں۔

یہ ایک ہی کہانی ہے جو تاریخ کے ہر دور میں دہرائی جاتی ہے اور جاہلیت نے ہمیشہ اسلام کے ساتھ ہی ایسی روش برقرار رکھی ہے۔

ان کے سامنے ہم نے راہِ راست پیش کی مگر انہوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے تہمتیں دینا پسند کیا۔

کوئی تعجب نہیں۔ اگر جاہلیت جدیدہ اسلام سے نفرت کرتی ہے۔ کیونکہ تاریخ میں جاہلیت کا ہمیشہ یہی موقف رہا ہے کہ جاہلیت اسلام سے نفرت کرتی ہے اور کسی صورت میں اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ اور ہر اس شخص سے بھی نفرت کرتی ہے جو اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ اور اسلام کی طرف بلائے والے کو جلا وطن کرتی ہے یا قتل کر دیتی ہے۔

وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَالِ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِينَ آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ۔

وَلَمَّا رَاوُا لِقَوْمِهِمْ أَمَّا ثَمُونُ الْمَاجِحَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ إِنَّكُمْ لَأَتْؤُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ الْبَنَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا هَهُمْ مِنْ تَدْنَيْكُمْ إِنَّهُمْ بِنَاسٍ يَنْتَهَرُونَ

فَهَدَيْنَاهُمْ عَلَى الْهُدَى۔

## جاہلیت کا موقف

جاہلیت اسلام کی طرف بلانے والوں کو آزادی راستے اور آزادی اعتقاد کے اصول

کے ماتحت زندہ رہنے کا حق بھی نہیں دیتی!

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی  
 شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اسے برادران قوم  
 اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں  
 ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف  
 رہنمائی آگئی ہے۔ لہذا وزن اور پیمانے پورے  
 کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھٹانہ دو  
 اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ جب کہ اس  
 کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی  
 ہے، اگر تم واقعی مومن ہو اور زندگی کے راستے  
 پر رہزین بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ  
 کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے  
 سے روکنے لگو۔ اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے  
 کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو وہ زمانہ جب کہ  
 تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تمہیں بہت کم  
 دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں منسوخ  
 کا کیا انجام ہوا ہے۔ اگر تم میں سے ایک گروہ  
 اس تعلیم پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔  
 ایمان لاتا ہے اور دوسرا ایمان نہیں لاتا تو  
 صبر کے ساتھ دیکھتے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ  
 ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب

وَإِنِّي مَتَدِينٌ آخِطًا شَعِيبًا  
 قَالَ لِيَقْتُمْرُوا عِبَادَ اللَّهِ مَا لَكُمْ  
 مِنْ إِلَهِ غَيْرِهِ قَبَدُ  
 حَبَاثَتِكُمْ بَيْنَهُ مِنْ  
 رَبِّكُمْ فَتَأْتُوا الشَّكِيلَ  
 وَالْيَبْرَانَ وَلَا تَبْجَسُوا  
 النَّاسَ أَنْشَاءَهُمْ وَلَا  
 تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ  
 بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ  
 خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ  
 وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ  
 تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ  
 سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ  
 بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا  
 وَإِذْ كُرُوا إِذْ هُكِنْتُمْ قَلِيلًا  
 فَكُتِرْكُمْ وَانظُرُوا  
 حَيْثُ كَانَتْ هَاقِبَةُ الْمُؤْمِنِينَ  
 وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ  
 آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلَتْ بِهِ وَكَانَتْ لَهُمْ  
 يَوْمَئِذٍ صَابِرُونَ حَتَّى يُخْلِفَ اللَّهُ بُيُوتَهُمْ

بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کی قوم کے  
سواروں نے جو اپنی جڑانی کے گھمنڈ میں مبتلا  
اتھے۔ اس سے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور  
ان لوگوں کو جو ترے ساتھ ایمان لائے اپنی  
بستی سے نکال دیں گے۔ ورنہ تم لوگوں کو  
ہماری قلت میں واپس آنا ہوگا۔

خَيْرُ الْأَحْيَاءِ قَالِ لَللَّهِ الْوَالِدِينَ اسْتَكْبَرُوا لِيَوْمِ  
قَوْمِهِ لَنُنْخِشَنَّكَ بِشُعَيْبٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
مَعَكَ مِنْ قَوْمِنَا أُولَئِكَ يَوْمَئِذٍ يَلْتَمِسُونَ  
(الاحزاب ۸۰-۸۱)

کبھی نہیں۔ جاہلیت کے متوالے ان صلح جو داعیوں کو بھی زندہ رہنے کا حق نہیں دیں  
گے۔ جو کہتے ہیں۔

امتنار کرو۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعہ  
فیصلہ کر دے۔ وہ ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

جاہلیت کا یہ موقف اتفاقیہ نہیں ہے۔ بلکہ اس موقف کے کئی اسباب ہیں:

## انحراف کا آغاز

جب پہلے پہل اللہ کے قانون اور عقیدے سے انحراف شروع ہوتا ہے تو بڑی معمولی  
شکل میں ہوتا ہے اور مومنین سے پوشیدہ رکھ کر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت مومنین ہی غالب  
وقت ہوتے ہیں اور اللہ کا دین نافذ ہوتا ہے۔

کبھی انحراف حسن نیت سے ہوتا ہے۔ جس کی وجہ تکالیف کے برداشت سے ہمت  
ہارنا اور ضعف ہوتا ہے۔

اور کبھی انحراف بری نیت سے ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ منافقین اسلام میں داخل ہو  
کر عقیدہ کی عمارت ڈھانے کے لیے موقع کے منتظر رہتے ہیں۔

اور جب تک اللہ کے دین کا غلبہ رہتا ہے۔ وہ منافقت بیعتتے رہتے ہیں۔ بہر حال  
ابتداء میں یہ انحراف بڑا معمولی ہوتا ہے اور پوشیدہ رہتا ہے۔ اور بعد ازاں جوں جوں وقت  
گذرتا جاتا ہے۔ انحراف بڑھتا جاتا ہے۔ اور لوگوں کے دلوں میں عقیدہ سے انحراف کو خوشنما بنا  
نا کر پیش کرتا ہے اور صراطِ مستقیم کے نور کو دھندلا کر اور صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے قلوب  
کو افسردہ کر کے انہیں ایسا بنا دیتا ہے کہ پھر ان کی نگاہیں نور دیکھنے کے قابل نہیں رہتیں۔

اسی وقت سے زمین میں فساد پھیلنا شروع ہو جاتا ہے اور "طاغوت" سر اٹھانے لگتا ہے۔  
 — پھر اللہ کے دین سے دوری بڑھتی رہتی ہے۔ اور لوگوں میں بگاڑ بڑھتا رہتا ہے؛  
 — حتیٰ آنکہ لوگوں کی زندگیوں میں اللہ کا قانون نافذ العمل نہیں رہتا — اور طاغوت  
 کی حکمرانی شروع ہو جاتی ہے۔

اس وقت جاہلیت کسی ایسے شخص کی پکار نہیں بنتی جو اس کو اللہ کی طرف بلائے۔ بلکہ  
 ہر داعی کی دشمن ہو جاتی ہے۔ بلکہ جاہلیت داعیان حق کے خلاف شدید ترین جنگ برپا کر  
 دیتی ہے اور جوں جوں 'داعی' حق کی طرف بلائے جاتے جاتے گئے۔ اتنا ہی جاہلیت ان کی خلاف  
 جنگ میں شدت برتنی جاتے گی۔ حتیٰ آنکہ یا تو ان داعیان حق کو سر زمین وطن چھوڑنے پر  
 مجبور کر دیا جائے گا۔ یا ان کا خون بہایا جائے گا!

جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو لوگ کسی سادگی اور نادانیت کی بنا پر اسلام کے  
 دشمن نہیں ہوتے — بلکہ اس دشمنی کا حقیقی سبب یہ ہوتا ہے کہ جاہلیت کو خطرہ ہوتا ہے  
 کہ اگر اسلام آگیا۔ تو جاہلیت، اس کی مصالح شہوتیں اور انحرافات سب مٹ جائیں گے۔  
 کیونکہ جاہلیت کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جادہ حق سے کس قدر منحرف ہو گئی ہے۔ اور ہوائے نفس  
 کی حکمرانی اور شہوت نفس کی غلامی کس درجہ بڑھ گئی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر  
 اسلامی نظام برپا ہو جائے۔ تو اسے کس قدر مصالح اور منافع سے دست بردار ہونا پڑے گا!  
 اس لئے جاہلیت اسلام سے متنفر ہے اور اسلام کے خلاف اس کا موقف معاندانہ اور  
 جنگ جو یا نہ ہے۔ اس موقف میں شکیتوں اور کمزور سبب برابر ہیں۔ کیونکہ ان سبب کی جاہلیت  
 کے ساتھ کچھ منافع کچھ مصالح اور شہوتیں وابستہ ہیں۔ اور یہ لوگ نہیں چاہتے کہ اسلام کو اپنا  
 کر یہ اپنے ان منافع سے دست بردار ہو جائیں کیونکہ اسلام تمام مصالح خاصہ، منافع منفرد اور  
 شہوتوں کی راہ میں قائم کر دیتا ہے!

## جدید جاہلیت کی اسلام کی دشمنی

اس بیان سے یہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جاہلیت جدیدہ اسلام کی کیوں دشمن ہے؟  
 بہر حال جاہلیت جدیدہ کا موقف اسلام کے بالمقابل دشمنی اور عداوت کا ہے۔ — مشرق و



مغرب میں ہر جگہ — بلکہ ان ممالک میں بھی جو اپنے آپ کو "اسلامی ممالک" کہتے ہیں، یہ جاہلیت کا موقف یکساں ہی ہے !

مگر یورپ و امریکہ میں جاہلیت کا یہ موقف بالکل واضح ہے، کیونکہ یہ وہ تو دین کو ناپسند کرتا ہے۔ اور عقیدہ سے — اور عقیدہ کے واقفیتانہ زندگی پر پھانسی سے سزا ہے — اور خاص طور پر اسلام تو بہت زیادہ ناپسند ہے۔ اسلام کے فتنہ تو ایسی فوفاک جنگ برباد کی ہوئی ہے جس کا تصور بھی مشکل ہے !

مطلقاً مذہب سے نفرت کے اسباب تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔

— کائنات میں نے پوری رومی سلطنت میں کسی مذہب کو لازمی قرار دے دیا تھا — دین عیسائی میں کچھ مدت پرستانہ خیالات بھی داخل کر دیئے گئے، تاکہ بت پرستوں کو دین عیسائی اپنانا آسان ہو۔ جب یہ مغویہ لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہو گیا تو اسرار دین کا کلیسا دعوے دار بن بیٹھا اور لوگوں کو کہا کہ وہ ان اسرار کو بلا سمجھے تسلیم کر لیں — اور اللہ تک پہنچنے کے لئے کلیسا کا وسیلہ ضروری قرار پایا ! اور پھر اس ذریعہ سے کلیسا اپنے اقتدار کو وسیع کرتا رہا — لوگوں پر تامل لگائے گئے — اور — ان کو خلاف نفرت رہبانیت کی دعوت دی گئی !

اور کچھ وقت بعد — لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عبادت و طہارت کے مراکز کلیسا میں اللہ کے "مقدس بندے" جیسا تک جرائم میں طوش ہیں۔ اس کے بعد "پھر مغزرت ناموں" کا کھیل کھیلا گیا۔ جس سے لوگوں کے دلوں سے مذہب کا ربا سہا احترام بھی ختم ہو گیا !

پھر جب کلیسا علم کے مخالفت ہوا۔ اور سائنس دانوں کو آسمانی حکم پہلایا گیا — تو یورپ میں قیامت برپا ہو گئی !

یہ ہے وہ طریق کار جس نے یورپ میں مذہب و سائنس کو علیحدہ علیحدہ اور مذہب و زندگی کے راستے جدا جدا کر دیئے ! اور — یورپ کلیسا کے مذہب سے متنفر ہو کر آہستہ آہستہ مذہب ہی سے کنارہ کش ہوتا چلا گیا۔

جب اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم سے حاصل کردہ مددگاری پر "تحریک احیاء" شروع ہوئی تو وہ کلیتاً مذہب و دشمن بنیادوں پر قائم ہوئی، لیکن سوال یہ ہے کہ یورپ کے پاس کلیسا دشمنی کا تو کوئی حذر ہو سکتا ہے — لیکن مذہب دشمنی کے لیے کب عذر ہے ؟

غرض یورپ کلیسا اور کلیسا کے مذہب سے بھی متنفر ہو گیا۔ اور اسلام سے بھی اس کا کفر بڑھ گیا۔ جب کہ اسلام ہی نے اسے تہذیب آشنا بنایا اور علم دے کر تائیکوں سے دشمنی میں لایا۔ اگر یورپ کے پاس کلیسا دشمنی کے لیے کوئی عذر موجود ہے۔ تو اس بات کا کیا عذر ہے کہ روم صلیبی نے اسے اسلام کے بالمقابل لاکھڑا کیا۔ جب کہ یورپ بخوبی واقف تھا کہ اسلام ہر قسم کی غیر اور اس کی تہذیب کا مصدر ہے!

یہودیت — نے جب سے اللہ سے اپنے میثاق کو توڑا اور اس کی ہدایت کو ٹھکرایا تھا — اسی وقت سے ہر نئی دعوت کے خلاف ٹھکات لگاتے بیٹھی تھی۔ چنانچہ —

جب یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد کلیسا دشمنی پر رکھی گئی۔ یہودیت نے فوراً بھانپ لیا کہ وقت آ گیا ہے کہ مسیحیت کی اینٹ سے اینٹ، بجا دی جائے۔ پس یہودیت نے مذہب دشمنی کی کھاتی کو مزید وسیع کرنا شروع کر دیا۔ اور —

جب ڈارون اپنے نظریات کے ساتھ کلیسا کے مقابلہ پر آ گیا۔ عالمی یہودیت بھی اپنے تین علما — مارکس، فرائڈ اور ڈورکایم — کو لے کر مذہب کی بنیادیں ہلانے کے لئے میدانِ کارزار میں کود پڑی۔ اور مسیحیت کو ختم کرنے کے لیے ہر قسم کے اخلاق بگاڑ کر رواج دیا اور قوموں اور افراد کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی عالمی یہودیت مشرق و مغرب کی سیاست پر مسلط ہوتی گئی۔ چنانچہ بیک وقت سرمایہ داری اور اشتراکیت پر یہودیت کا غلبہ ہو گیا۔ اور پھر صلیبی اور صیہونی مشترک عداوت اپنی پوری تندی اور سختی کے ساتھ عالم اسلام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

## اسلام کے خلاف صلیبی صیہونی سازش

چنانچہ صلیبی یورپ نے — یہودیوں کے سرمایہ کے بل بوتے پر دنیا کے اسلام کو اپنے استعمار کا شکار بنا لیا اور اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کیے — مشنزیاں قائم کیں — مسلمانوں کے سامنے اسلام کو شکلیں بگاڑ کر پیش کیا۔ اخلاق کو برباد — اور بالآخر ایک ایسی نسل تیار کی جو اسلام سے متنفر، اور مغرب کی ذہنی غلام تھی۔ اسی نسل کو اسلامی ملکوں کا

اقتدار سوچ دیا گیا۔ اور انہوں نے بھی اسلام کو ختم کرنا شروع کر دیا !

یہاں پر اس تفصیل کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلامی دنیا کے خلاف صلیبی صیہونی سازش نے کس قدر مکرو فریب سے کام لیا ہے۔ ہاں صرف ہم عصر مشرق و مغرب کا نثری اسمتھ کی کتاب ”موجودہ دور میں اسلام“ کے صفحہ ۱۰۴ اور

۱۱۳ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جہاں مصنف نے تحریر کیا ہے۔ کہ

”مغرب اپنی تمام تر جنگی فکری علمی اور اقتصادی طاقتیں اسلام کے خلاف استعمال

کر رہا ہے اور وہ عالم اسلام کے قلب میں اسرائیل کو ایک سوچے سمجھے منصوبہ

کے ماتحت وجود میں لایا ہے۔“

یہ شہادت یورپ کی اسلام کے خلاف عداوت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

عالم اسلام میں اسلام دشمنی کسی قدر یورپ سے مختلف پیمانے پر ہے۔ لیکن آخر کار اس کا

بھی سزا یورپ ہی سے ملتا ہے۔ جیسا کہ ہر جاہلیت دوسری جاہلیت سے تعاون کرتی ہے۔ خواہ وہ

دنیا کے کسی کونے میں پائی جاتی ہو۔ اگرچہ نشانیاں اور علامتیں علیحدہ علیحدہ ہوتی ہیں۔ جن سے

ایک جاہلیت دوسری سے ممتاز ہوتی ہے !

آج اسلامی دنیا میں اسلام اتنا ہی غریب و اجنبی ہے۔ جس قدر وہ جزیرہ نمائے عرب کی

جاہلیت میں اپنے ابتدائی دور میں تھا ! بلکہ آج کے جاہلی اسلام سے زیادہ متنفر ہیں !

ہم عالم اسلام کے مختلف گروہوں کے بارے میں بیان کریں گے کہ وہ کیوں اسلام کو

نا پسند کرتے ہیں۔

## عالم اسلام کی سرکش قوتیں

”عالم اسلامی“ کی کوئی بھی سرکش طاقت۔ خواہ یہ طاقت اسلام کے خلاف کھلم کھلا جنگ

کر رہی ہو۔ یا بظاہر رویہ معاہمانہ ہو اور اندرون خانہ اسلام دشمن ہو۔ ان میں سے کوئی

بھی سرکش اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس کا ایک سادہ سا سبب ہے اور وہ یہ کہ اسلام

نے ”جو دور ارتقا میں تین یہودیوں کا باب دیکھئے۔“

انسانیت کا رشتہ اللہ سے جوڑتا ہے۔ جب کہ دوسری طاقتیں اللہ کے سوا کسی اور سے تعلق قائم کراتی ہیں۔

تاریخ کی ہر سرکش طاقت اسلام کے بالمقابل اسی طرح شکست کھاتی رہی ہے۔ خواہ اس کی جنگ اسلام کے عقیدہ کے ساتھ ہو۔ یا اسلام کے ماننے والوں کے ساتھ ہو۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عالم اسلام کی یہ سرکش طاقتیں بذاتِ خود قائم نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو عیسوی استعمار اور یہودی سازش نے سہارا دیا ہے۔ تاکہ اس طرح وہ اسلام کا خاتمہ اور مسلمانوں کو تباہ کر سکیں !

## عالم اسلام میں دانشوروں کا طبقہ

عالم اسلام میں ایک طبقہ "دانشوروں" کا ہے۔ جو عیسوی اور صیہونی مکر و فریب کا شکار اور اسلام کا اصل دشمن ہے۔ کیونکہ ان دانشوروں کو سامراج نے اپنی خاص نگرانی اور توجہ کے ساتھ اپنی ان تعلیم گاہوں میں تیار کیا ہے۔ جن کا مقصد مسلمانوں میں ایک ایسی نسل تیار کرنا ہے جن کو حقیقت اسلام سے ذرا بھی مس نہ ہو اور اس کے بجائے ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کر دیئے جائیں !

مسلمانوں کی اس نسل کو یہ تعلیم دی گئی کہ اسلام پس ماندگی، تنزول اور رجحیت ہے۔ ترقی اور تہذیب کا راستہ صرف یہی ہے کہ مذہب سے دامن چھڑایا جائے۔ زندگی کی تک و دو سے مذہب کو ذرا دور ہی رکھا جائے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں، سیاست، اقتصاد اور اجتماع پر اس کے اثر انداز ہونے کے مواقع کو بالکل ختم کر دیا جائے اور زندگی کی ہر تعبیر و مفہوم اسلام کے بجائے اس کا عیسوی اور صیہونی مفہوم اپنایا جائے۔ اس نسل کو یہ حکمتیں کی جاتی ہے کہ مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے اور طاقت اور تہذیب اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب مذہب کو راستے سے ہٹا دیا جائے !

اپنی کند ذہنی اور بیوقوفی کی بنا پر دانشور جاہلیت جدیدہ کے مسوم چشموں سے میرا بھرتے رہے۔ حتیٰ آنکہ ان کی نفع و نقصان کی نظری میں بھی ختم ہو گئی۔ اور یہ شعور

بھی باقی نہیں رہا کہ صرف علم کا حصول۔ جو بلاشبہ ایک تمدنی ضرورت ہے۔ اور زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے منحرف افکار کا اپنا لینا دو علیحدہ علیحدہ نئے نئے ہیں۔ اور یہ فکری انحراف ہی ہے جو عالم اسلام کو گھن کی طرح کھا کر ختم کر رہا ہے۔

اپنی کند ذہنی اور بیوقوفی کی بنا پر یہ دانشور نہ صرف اسلام دشمن ہو گئے۔ بلکہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے تمام صلیبی اور صیہونی ہتھیار لے کر نکل آئے۔ لکھنے والے فن کار، افسانہ نویس، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن کے آرٹسٹ تمام اسلام کے دشمن ہیں اور اسے ناپسند کرتے ہیں۔

ان کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ جو تجارت یہ کہہ رہے ہیں وہ تمام کی تمام اخلاق کی بربادی ہے حیاتی کی اشاعت اور مرد و زن کے اختلاط کے گڑھ ہیں۔ یہ بات ان آرٹسٹوں کو بھی معلوم ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تجارت حرام ہے اور اگر اسلام آگیا تو ظاہر ہے کہ وہ اس گندگی کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ یہ تجارت اتنی ہی گندی اور نجس ہے جتنی عصمتِ فردوسی! یہ لوگ ان باتوں کو زخمی سمجھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ صفا باہیت ہی اس گندگی کو برداشت کر سکتی ہے اور اس طرح ان کی منافع خوری اور لذت پرستی کے مواقع مہیا کر سکتی ہے۔ لیکن اسلام اپنی نکافت اور بلند اخلاق کی بنا پر نہ وہ ان لوگوں کو برداشت کر سکتا ہے۔ نہ ان کی نفع اندوزی کی کوئی ضمانت دے سکتا ہے۔ بس اسی لئے یہ طبقہ اسلام کو ناپسند کرتا ہے!

وہ گئی نوجوان نسل جس کے سامنے بے حیاتیوں کے دروازے چوڑے کھلے پڑے ہیں اور ان کی تمام زندگی کا حاصل، ایک رقیق نعرہ، ایک فحش افسانہ، ایک عریاں رقص اور ایک جنسی تلمذ کا لمحہ۔ بن گیا ہے۔ ظاہر ہے انہیں بھی اسلام ناپسند ہے۔ یہ اسلام کو اس لئے ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی تمام بے راہ روی اور مطہوت رانی مذہب سے دور رہ کر ہی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ کا دین پاکیزہ ہے۔ وہ اس گندگی کو نہیں برداشت کر سکتا! اور یہ طبقہ چاہتا ہے کہ اس

گندگی میں پڑا رہے اور ان کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔۔۔ کہ اس بدکاری سے گزشتہ  
اقوام کس انجام کو پہنچیں۔ اور آج بعض قومیں کس انجام سے دوچار ہیں۔ انہیں ان باتوں  
سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ دنیا کی تخریب پسند قومیں ان کے اخلاق کی بربادی اور ان کے  
دین و ایمان کی تباہی کا ایک بڑا بڑا گرام اپنے سامنے رکھتی ہیں۔

اور اس پروگرام کی منظوری صلیبی اور صیہونی دنیا سے مل چکی ہے۔ اور اب یہ  
نوجوان نسل شہوت رانی اور لذت پرستی میں اتنی منہمک ہو چکی ہے کہ وہ اب صحیح زندگی کی  
طرف نہیں آسکتے۔ چنانچہ یہ بھی اسلام کو ناپسند کرتے ہیں!

## عالم اسلام اور آزادی نسواں

موجودہ دور کی آزاد عورت تو خاص طور پر اسلام کو ناپسند کرتی ہے! عالم اسلام میں "آزادی نسواں" ایک اہم مسئلہ رہا ہے جس کے لئے صلیبی سامراج اور صیہونی سازش نے پوری ایک صدی تک جدوجہد کی ہے۔ "عالم اسلام پر حملہ" نامی کتاب میں ہے۔۔۔ یہ کتاب دراصل آج سے پچاس سال قبل کا "مجلد عالم اسلامی" کا ایک خاص شمارہ ہے۔۔۔ یہ مجلہ فرانس سے نکلتا ہے۔ اور اس کا مقصد اسلامی دنیا میں مشنری کام کا جائزہ لینا ہے۔۔۔ غرض اس مضمون کے صفحہ نمبر ۴ پر تحریر ہے۔

"مشنری کوششوں کے دو مقاصد ہیں۔ ایک نوجوانوں کو عیسائی بنانا۔ اور۔۔۔ دوسرے تمام مسلمانوں میں مسیحی افکار کی اشاعت"

اسی کتاب کے صفحہ ۴ پر ہے۔۔۔

"مشنری اگر اپنی تحریکات کے آثار کو در دیکھیں تو اس سے ناامید نہ ہوں۔ کیوں کہ یہ بات بالکل سامنے آچکی ہے کہ مسلمانوں کو مغربی علوم اور آزادی نسواں کی چاٹ پڑ چکی ہے۔"

صفحہ ۸۸ اور ۸۹ پر لکھنؤ اور قاہرہ کی مشنری کانفرنسوں کے طے کردہ لائحہ عمل میں  
لکھنؤ کانفرنس جو سالہ ۱۹۱۱ء میں ہوئی اس میں یہ دو نکاتی لائحہ عمل منظور ہوا —

۱۔ موجودہ حالات کا مطالعہ۔

۲۔ تعلیم نسواں — اور مشنریوں کی تعلیم کے لیے کوشش!

قاہرہ کانفرنس (۱۹۰۶ء) نے جو پروگرام منظور کیا۔ اس کا ایک نکتہ درج ذیل ہے۔

۱۔ مسلم عورتیں میں اجتماعی اور نفسیاتی ارتقاء —

یہ طریقہ کار تھا۔ جو مسلم عورتوں کی آزادی کے لئے مشنری کانفرنسوں میں طے پایا اور

صلیبی مشنریوں نے اس مقصد کے لئے انتھک کوششیں کیں۔

ایک امریکی یہودی مورخ بربر اپنی کتاب "آج کی عربی دنیا" میں کہتا ہے۔ (قریب کے

زمانے میں عالم عربی کے بارے میں شائع ہونے والی کتابوں میں یہ کتاب بڑی اہم ہے)

"تعلیم یافتہ مسلمان عورت مذہبی تعلیمات سے بہت دور ہے اور معاشرے

کو بے دین بنانے میں حد درجہ مفید ہے۔"

جو مقصد اس یہودی مصنف نے بتایا ہے۔ اس کے لئے ظاہر ہے کہ مشنری بہت

زیادہ کوشش کریں گے۔ کیونکہ اگر عورت مسلمان رہ جائے خواہ جاہل ہی کیوں نہ ہو۔ وہ

بہر حال معاشرے کو بے دین بنانے کی مہم میں ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہوگی۔ عورت ہی

توپکے کی پرورش کرتی ہے۔ اور مسلمان عورت تو خواہ جاہل کیوں نہ ہو۔ دوران تربیت بچوں

میں اسلام کے ایسے بیج بو دیتی ہے کہ خواہ فساد اور بگاڑ کے عوامل کتنے ہی ٹوٹے کیوں نہ ہوں

اور لوگوں کی بربادی دین و ایمان کے کتنے ہی منظم پروگرام کیوں نہ ہوں۔ مسلمانوں میں پھر بھی

اسلام کا کوئی نہ کوئی شانہ باقی رہ جاتا ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں پکا سچا مسلمان بن جائے

اور اس خطرے کو راستے سے ہٹانا صلیبی سامراج اور یہودی سازش کے لیے ضروری ہے!

اس لئے انہوں نے سوچا کہ مسلمان عورت کے دل سے اسلامی عقیدہ مٹنا چاہیے!

لئے یہ کتاب سالہ ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی ہے۔

اور مردوں کی ایک ایسی کھپ تیار ہونی چاہیے جو اسلام کے قطعاً نادائق ہوں۔ طریقہ اس کا بھی وہ ہی ہے جو پہلے مردوں پر آٹھایا جا چکا ہے یعنی تعظیم:

غرض صلیبی سامراج اور صیہونی سازش نے۔ ترکی، مصر، ہندوستان، ایشیا اور افریقہ میں آزادی نسوان کی تحریکیں شروع کر دیں اور سرکاری اور مشنری اسکولوں میں خواتین کی وہ نسل تیار ہوئی جو نہ صرف اسلام سے دور تھی بلکہ متعز بھی تھی!

یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسلام میں نے مرد و عورت پر یکساں اصولِ علم فرض فرما دیا ہے۔ اگر کسی وقت نافذ العمل ہو تو وہ خواتین کی تعلیم میں رکاوٹ نہیں بنے گا لیکن

وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ مرد و زن کو ایسی تعلیم دی جائے جو اسلام ہی سے متعز کر دے۔ صلیبی سامراج اور یہودی سازش کا تعلیم نسوان کا معنی یہ نہیں تھا کہ خواتین تعلیم حاصل کریں اور سلطان رہیں بلکہ مرعایہ تھا کہ خواتین تعلیم حاصل کریں اور اسلام سے آزاد ہو جائیں!

تعلیم نسوان کے مبارک قدم کے بعد دوسرا قدم بہ اٹھایا گیا کہ عالم اسلام میں کچھ اس قسم کے اجتماعی ٹھکری اور اخلاقی حالات پیدا کئے گئے کہ عورت سے پردہ ہو جائے۔ تاکہ بگاڑ عمل ہو سکے! فرض ایک ٹھکری ہوتی تھی نسل تیار کی گئی۔ بن کے بگاڑ میں لکھنے والے فن کار افسانہ نویس، صوفی، سینما اور ریڈیو والوں نے پورا پورا کارواں ادا کیا۔ ساتھ ہی زندگی کے مختلف مرحلوں پر اس بگاڑ کو عمل کرنے کے لیے اختلاط کے مواقع بتیائے گئے!

عالم اسلام کی موجودہ نسل صلیبی سامراج اور یہودی سازش کا اصل سرمایہ ہے۔ کیونکہ یہی نسل اسلامی عقیدہ کے فائدہ کے لیے فیصلہ کن وار کرنے والی ہے۔ اور خاص طور پر موجودہ عالم اسلام کی مخالفت جس کے بارے میں یہودی مصنف کہتا ہے۔ کہ

”معاشرہ کو بے دین بنانے میں عورت زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔“

اور یہ بات صحیح بھی ہے۔ کیونکہ آج کی ”تعلیم یافتہ عورت پسند خاتون“ اپنے بچوں کے دل میں اسلام کے بیج نہیں برتنے گی۔ کیونکہ اس عقیدہ پر وہ خود ایمان نہیں رکھتی اور اسلام سے وہ متعز ہے۔

اب صلیبی سامراج اور صیہونی سازشی دو صدیوں کی مسلسل جدوجہد سے چھٹا لڑ پاتا ہے



کیونکہ اب لوہیت تعلیم یافتہ اور حریت پسند ہونے کی بنا پر مسلمان بچے ہی نہیں پیدا کئے گی! پھر بھی لوہیت پر گرفت مضبوط ہے اور اس کے دل میں اسلام دشمنی کے جذبات ابھارنے کا کام منظم طریقے پر جاری ہے!

اس مقصد کے لئے "حریت پسند خاتون" کو حصول حقوق کی الجھن میں مبتلا کر دیا گیا ہے اور یہ الجھن اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی۔ جب تک اسلامی قوانین کا خاتمہ نہ کر دیا جائے۔ یا اس کے بھی خطرناک بہم کہ اسلام کے منہوم دشمن کو بدل دیا جائے۔!

### جمہور مسلمان

جمہور مسلمان۔ اسلام سے عقیدتاً تو یہ سارے نہیں ہیں لیکن عملی زندگی میں اس کا نفاذ بھی نہیں۔ چاہتے! — اس لیے کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ بس اس طرف کا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نماز پڑھ لی اور روزہ رکھ لیا۔ اس کے علاوہ دیگر پابندیاں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسی طرح بے قید زندگی گزارتے رہیں۔ فحش ظہیں بھی دیکھتے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر عریاں رقص بھی دیکھتے ہیں اور گندے گانے بھی سنتے ہیں — خوب آنٹادی کے ساتھ مجھوٹ بھی بولتے ہیں۔ غیب سے بھی کرتے ہیں اور تجسس بھی کرتے ہیں۔ بغیر حلال و حرام کی پرغاہ کیئے ہوئے! مذہبی حواسل کرتے اور کھاتے پیتے ہیں بہت سے — راہ چلتی عورتوں کی فتنہ سلانی سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بہت سی عورتیں بھی مردوں کو مائل کرنا چاہتی ہیں اور خوب بناؤ سنگار کر کے باہر نکلتی ہیں۔ ان سب عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ اگر غیب بڑی نہ ہو تو ان تمام کاموں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ —

بس عام مسلمانوں کے نزدیک اسلام کی اتنی سی حقیقت ہے کہ وقتاً فوقتاً نازندہ کر لیا جائے۔ رہ گیا یہ تصور کہ اسلام پوری زندگی میں جاری و ساری رہے اور ہر چھوٹی یا بڑی بات میں اسلام سے رہنمائی لی جائے اور اسلام کو ملنا زندگیوں میں چھوڑ دیا جائے۔ سواس کا وہم کے ذہنوں میں کوئی دھندلا سا خاکہ بھی نہیں ہے۔!

جمہور مسلمان اگرچہ دانشوروں اور مسلمانوں کے وہ سب طبقات کی طرح اسلام سے نفرت

تو نہیں کرتے۔ مگر حقیقتاً وہ بھی اسلام کو ناپسند کرتے ہیں !

اور پر مسلمانوں کے تمام طبقات کا جائزہ لیا گیا کہ ان کا اسلام کے بارے میں کیا موقف ہے۔ مجموعی طور پر تمام طبقات کی مصالح، نفع اندوزیاں اور خواہشات نفس انہیں اسلام کے ناپسند کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اس ناپسندیدگی میں کمزور و طاقت ور سب برابر کے شریک ہیں۔ کیونکہ ہر ایک کے ساتھ اس کی اپنی مصالح ہیں۔

غرض جو جاہلیت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ وہ ہی جاہلیت پوری طرح اسلامی دنیا پر بھی چھائی ہوئی ہے !

عالم اسلام میں خال خال ایسے افراد بکھرے ہوئے اور پراگندہ طور پر موجود ہیں جو اسلام کی حقیقت سے واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام ہی دین حق ہے اور اسلام ہی راہ نجات اور پوری انسانیت کی بیماریوں کا علاج ہے۔

— انہیں یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ اسلام کا راستہ کانٹوں سے پُر ہے۔ اس کے حصول کے راستہ میں خون کی ندیاں حائل ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ اس پُر خار وادی میں گھس چکے ہیں اور اس کا رخیہ کا بدلہ صرف اللہ سے چاہتے ہیں۔

— لیکن — یہ بکھرے ہوئے پراگندہ افراد موجودہ نسل انسانی میں کوئی انقلاب نہیں برپا کر سکتے کیونکہ ان کے مقابل نہایت بدترین دشمن حد درجہ منظم طریقے پر موجود ہیں۔ وہ ان سب افراد کو ختم کر دیں گے اور اسلامی معاشرے کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا ! اور انسانیت کا رخ اللہ کے دین کی جانب نہ ہو سکے گا۔

جو نام نہاد مسلمان آج موجود ہیں اور جو درحقیقت اسلام سے متنفر ہیں اور اس کو عملی زندگی سے دُور رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کوئی اسلام کے ٹھیکیدار نہیں ہیں کہ ان کی تباہی اسلام کی تباہی سمجھی جائے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ  
مَا فِي الْاَرْضِ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا  
الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ  
اُوْرٰسِ اللّٰهِ تَعَالٰی کی ملک ہیں۔ جو چیزیں کہ آسمانوں  
میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور واقعی ہم نے  
ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے

مَثَبِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا اللَّهَ

عِبَادًا تَكْفُرُوا بِهِ مَا  
فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي  
الْأَرْضِ كَانَ اللَّهُ غَنِيًّا هَمِيدًا

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

وَكَمْ مَبْلُغًا بِاللهِ وَكَيْلًا إِنَّ يَشَاءُ

يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ

بِأَخْرَجَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ قَدِيرًا

رِسُوْرَةُ الْمَائِدَةِ ۱۳۱ - ۱۳۳

کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرو اور  
اور اگر تم ناپاک

کر دو گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی عکس ہیں جو چیزیں کہ

آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی

کے حاجت مند نہیں خود اپنی ذات میں مملو ہیں۔

اور اللہ ہی کی عکس ہیں جو چیزیں آسمانوں اور

زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں۔

اگر ان کو منظور ہو۔ تو اسے لوگوں کو سب کو فنا کر

دیں اور دوسروں کو موجود کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ

اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

جی ہاں :

اللہ کی سنت کا تقاضا ہے کہ ایک نئی نسل ابھرے گی جو اللہ کی طرف لوٹ آئے گی !

# انسانیت کی اللہ کی طرف واپسی

جاہلیت جدیدہ۔ اور اس کے طافزوں کا گمان یہ ہے کہ اس نے اللہ کے دین کا فائدہ کر

دیا ہے اور

درحقیقت جاہلیت جدیدہ اپنے اس گمان میں حق بجانب ہے کیونکہ جو شخص دنیا کے فتنے پر اچھٹی ہوئی سی نظر بھی ڈالتا ہے۔ اس کو یہ صاف طور پر نظر آجاتا ہے کہ ہر جگہ اور مقام پر جاہلیت کے پھر پے اڑ رہے ہیں اور اسلام کا جھنڈا ہر جگہ سرنگوں ہے۔

لیکن۔ انسانیت اللہ کے دین پر مکران نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ مُخَابِتٌ عَلٰی اٰمُوۡرِهِۦ ۝ اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوۡنَ ۝ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

## سورہ یوسف

یہ کوئی پسمارتق نہیں ہے کہ جاہلیت اسلام سے نبوآنا ہوئی ہو۔ بلکہ اسلام کے بالمقابل جاہلیت کا ثقت بیعتی دشمنی اور عداوت کا رہا ہے۔

بہر کیف انسانیت اللہ کے دین پر حاکم نہیں ہے۔ بلکہ اللہ ہی کا حکم نافذ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جاہلیت کے فریب اور دھوکوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جس طرح اس کا جی چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اور دین کی دعوت کو پھیلنے پھولنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ جاہلیتوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ یا۔۔۔ ان کو اسلام کی ہدایت دے دیتا ہے۔

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا اے برادران قوم۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے	لَقَدْ اٰتٰنَا نُوْحًا اٰیٰتٍ كٰرِمٰتٍ فَقَالَ يَا قَوْمِ اِعْبُدُوْا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِہٖ اِنِّیْۤ اِخٰفٌ
---	--

حق میں ایک ہونا کہ دن کے عذاب سے ڈرتا  
 ہوں اس کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا  
 ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا  
 ہو فوج نے کہا اسے برا اور ان قوم میں کسی  
 گمراہی میں نہیں پڑا ہوں۔ بلکہ میں رب العالمین  
 کا رسول ہوں۔ تمہیں اپنے رب کے پیغامات  
 پہنچاتا ہوں۔ تمہارا خیر خواہ ہوں اور مجھے اللہ  
 کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تمہیں معلوم  
 نہیں ہے۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ  
 تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم کے آدمی کے  
 ذریعے سے تمہارے عذاب کی یاد دہانی آئی۔ تاکہ تمہیں  
 خیر وارک سے اور تم غلط روی سے بچ جاؤ اور تم پر  
 رحم کیا جائے۔ مگر انہوں نے اسے جھٹلایا اور کہا  
 ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایک کشتی  
 میں نجات دی اور ان لوگوں کو ڈبو دیا جنہوں نے  
 ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ یقیناً وہ اندر سے  
 لوگ تھے۔

اور عاؤ کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو  
 بھیجا۔ اس نے کہا اسے بلدران قوم اللہ کی  
 بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے  
 پھر کیا تم غلط روی سے پرہیز نہ کرو گے۔ اس  
 کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات سننے سے  
 انکار کر رہے تھے۔ جواب میں کہا ہم تو تمہیں بے عقلی

حَسْبِكُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ  
 قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ  
 إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ  
 قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ  
 وَ لَيْكُمُ رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ  
 أُولَئِكَ رِسَالَاتِ رَبِّ  
 وَ أَنْصَعُ لَكُمْ وَ أَعْلَمُ مِنَ  
 اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ وَ  
 عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ  
 مِنْ رَبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِنْكُمْ  
 لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَ  
 تَعْلَمُوا شُرُوهَا لَكُمْ  
 فَكذبوا و نأجبتنا و الذين  
 معه في الفلك و  
 أهلكنا الذين كذبوا بآياتنا  
 إنهم كانوا قوماً عييين .

وَ إِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا  
 قَالَ يَقَوْمِ اهْبُدُوا اللَّهَ  
 مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا  
 تَتَّقُونَ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا  
 مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي  
 ضَلَالَةٍ مُّبِينَةٍ وَ إِنَّا لَنظُنُّكَ مِنَ

میں مبتلا سمجھتے ہیں اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے نبی ہو۔  
 اس نے کہا اسے برادران قوم میں بے عقلی میں مبتلا  
 نہیں ہوں بلکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں  
 تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا  
 ایسا خیر خواہ ہوں جس پر پھر دوسرے کیا جاسکتا ہے  
 کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس  
 خود تمہاری اپنی قوم کے ایک آدمی کے ذریعے  
 سے تمہارے رب کی یاد دہانی آئی تاکہ تمہیں خبردار  
 کیے بھول نہ جاؤ کہ تمہارے رب نے نوح کی  
 قوم کے بعد تم کو اس کا جانشین بنایا اور تمہیں خوب  
 تمونزد کیا۔ پس اللہ کی قدرت کے کھیل کو یاد  
 رکھو۔ امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ انہوں نے جواب  
 دیا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم ایک اللہ  
 ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی  
 عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ اچھا  
 تو لے آ۔ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر  
 تو سچا ہے اس نے کہا تمہارے رب کی چھکار  
 تم پر پڑ گئی اور اس کا غضب ٹوٹ پڑا کیا تم مجھ سے  
 ان ناموں پر جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا  
 نے رکھے ہیں اور جن کے لئے اللہ نے کوئی سند  
 نازل نہیں کی ہے۔ اچھا تو تم بھی انتظار کرو میں بھی  
 تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ آخر کار ہم نے اپنی  
 مہربانی سے ہنود اور اس کے ساتھیوں کو سچا لیا اور  
 ان لوگوں کی خبر کھٹ دی جو ہماری آیات کو جھٹلا چکے

الْحَمَادِ بَيْنَ ثَلَاثِ لِقَوْمٍ  
 لَيْسَ فِي سَفَاهَةٍ وَ لَيْكِنِّي رَسُولٌ  
 مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ أُبَيِّغُكُمْ بِرِسَالَاتِ  
 رَبِّي وَأَمَّا لَكُمْ فَاصْبِرُوا أَوْ عَاجِزِمُ  
 أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ  
 مِنْكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَأَذَكُرُ وَإِذْ جَعَلْنَا  
 خُلُقَاءَ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَرَرْنَاكُمْ  
 فِي الْعُلُقِ بَعْضُهُمْ فَاذْكُرُوا أَلَاءَ اللَّهِ  
 لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِتَعْبُدِ  
 اللَّهِ وَحُذَّاءَ وَنَذَرَ مَا كَانَ يُعْبَدُ  
 آبَاؤَنَا مَا نَتَّبِعُ مَا نَعْبُدُ مَا  
 كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ -

ثَلَاثِ لِقَوْمٍ وَقَعَ عَنَيْكُمْ  
 مِنْ رَبِّكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِرِسَالَةٍ  
 أَنْبَأْتُكُمْ فِيهَا مِنْ أَسْمَاءِ  
 سَيِّئَتُوهَا أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ  
 مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ  
 فَاذْكُرُوا أَنِّي مَعََكُمْ مِنَ الْمُتَشَكِّرِينَ  
 فَاتَّبِعْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا  
 وَقَطَعْنَا ذُرِّيَّتَهُ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا  
 وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ -

تھے۔ اور ایمان لانے والے نہ تھے۔

اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا  
انکس نے کہا اسے برادری قوم! اللہ کی بندگی  
کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے  
پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل آگئی ہے۔

یہ اللہ کی اوطنی تمہارے لیے ایک نشانی کے طور پر  
ہے۔ لہذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چہی چہرے

اس کو کسی بوسے سے ہاتھ نہ لگائے ورنہ ایک  
ورد ناک عذاب تمہیں آئے گا۔ یاد کرو وہ وقت

جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں ان کا ہاشم  
بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس

کے ہوا میدانون میں عالی شان محل بناتے اور  
اس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے

ہو پس اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ  
ہو جاؤ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ اس کی

قوم کے سرداروں نے جو بڑے بڑے ہوئے تھے  
مگر وہ طبقہ کے ان لوگوں سے جو ایمان لے

آئے تھے کہا کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالح اپنے  
رب کا پیغمبر ہے۔ انہوں نے جواب دیا بیشک

جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے۔ اسے ہم  
مانتے ہیں۔ ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا جس

چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کے منکر ہیں پھر  
انہوں نے اس اوطنی کو مار ڈالا اور پورے ترو

کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی

وَالَّذِينَ قَالُوا أَتَمْنَوْنَ  
مَنْ يُقِيمُ الْغَبَدَةَ وَاللَّهُ مَا كُمْ  
رَمَّنَ إِلَهٍ خَيْرٌ مِّنْ  
بَيْتِنَا مِمَّنْ نَّبِيكُمْ هَذِهِ  
مَاتَتْ  
اللَّهُ لَكُمْ آيَةٌ فَمَنْ  
تَمَنَّى مَاتَ كُلٌّ وَفِي  
أَرْضٍ أَرْضٍ وَاللَّهُ وَلَا  
تَمْنَوْنَ بِسُوءٍ  
فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ  
فَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلْنَا  
مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَنَبَوَّاكُمْ  
فِي  
الْأَرْضِ فَتَمْتَدُونَ مِنْ  
سُهُوبٍهَا  
تَعَسُّوْنَا وَتَنْهَتُونَ  
الْجِبَالَ بِيَوْمِنَا  
فَاذْكُرُوا آيَةَ اللَّهِ  
وَلَا تَعْثَوْا  
فِي الْأَرْضِ مُضِيِّنَ  
قَالَ الْمَلَأُ  
الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ  
قَوْمِهِ  
بِالَّذِينَ اسْتَضَعُوا  
بِنَاتٍ  
آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْتَمَدُونَ  
مَنْ صَالِحًا مَّرْسَلٌ  
مِّنْ رَّبِّهِمْ  
مَنْ لَّا إِثْرًا بِمَا  
أُرْسِلَ بِهِ مَوْعِينًا  
قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا  
إِنَّا بِالَّذِينَ  
آمَنُوا بِهِ كَافِرُونَ  
فَعَقَرُوا  
الطَّافَةَ وَعَتَوْا  
مَنْ أَمْرًا تَبِيهًا  
وَمَا لَوْلَا صَالِحٌ  
إِنَّمَا كُنَّا بَيْنَ يَدَيْكَ  
مِنَ الْمُرْسَلِينَ فَاتَّخَذْنَا  
الرَّحْمَةَ

وَتَأْتِبَعُوا فِي دَارِهِمْ حِيَاطِينَ  
 قَتَلْنَا عَنْهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ  
 نَعْدَا بَلَطْنَاكُمْ رِسَالَةَ رَبِّكُمْ  
 وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تَحْتَبُونَ  
 النَّاصِحِينَ -

وَلَقَدْ آذَيْنَا لِقَوْمِهِ  
 أَكْثَلُونَ النَّاصِحَةَ مَا نَبِّئُكُمْ  
 بِهَا مِنْ أَحَدٍ تِلْكَ الْعَالِيَيْنِ  
 إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً  
 مِنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ  
 مُّسْرِفُونَ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ  
 إِلاَّ أَنْ مَثَلُوا أَخْرَجُوهُمْ  
 مِنْ دَارِهِمْ إِنَّهُمْ  
 أَنْفُسٌ يَتَّبِعُونَ مَا نَجَّيْنَا  
 وَأَهْلَهُ إِلاَّ امْتَنَانَةً  
 كَانَتْ مِنَ الْعَاصِيِينَ وَ  
 أَنْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا  
 فَانظُرْ حَتَّى تَكُونَ  
 عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ -

وَالَّذِينَ  
 قَتَلُوا نَفْسَهُمْ  
 مِنْ أُمَّةٍ  
 مِّنْ أُمَّةٍ  
 مِّنْ أُمَّةٍ

کر گزرے اور صالح سے کہہ دیا کہ لے آؤ وہ مذاب  
 جس کی تمہیں وحمل دیتا ہے۔ اگر تو طاقی ہو نہیں  
 میں سے ہے۔ آخر کار ایک ہلاکتی طلی آفت نے  
 انہیں آیا اور وہ اپنے گھروں میں اندھے پٹے کے  
 پٹے روکتے اور صالح یہ کہتا ہوا ان کی بستیوں سے  
 نکل گیا کہ اسے میری قوم میں نے اپنے رب کا پیغام  
 تجھ پہنچا دیا اور میں نے تیری بہت خیر خواہی کی  
 مگر میں کیا کروں کہ تجھے اپنے خیر خواہ پسند ہی نہیں  
 اور ٹوٹ کر تم نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ پھر یاد کرو جب  
 اس نے اپنی قوم سے کہا۔ کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے  
 ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی  
 نے نہیں کیا۔ تم لوگوں کو چھوڑ کر مردوں سے  
 اپنی خواہش پوری کرتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم  
 باطل ہی مدد سے گذر جانے والے لوگ ہو گلاس  
 کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں  
 کو اپنی بستیوں سے بڑے باکبا نیت تھے ہیں یہ آخر کار  
 ہم نے ٹوٹا اور اس کے گھر والوں کو۔ بجز اس کی  
 بیوی کے جو پیچھے رو جانے والوں میں تھی۔ پھر  
 نکل دیا اور اس قوم پر برساتی ایک بدخش پھر دیکھو  
 کہ ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔

اور مدین والوں کے

طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس کا  
 اسے بلا مان قوم باللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سما  
 تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے ب



وَالْمِيزَانَ وَكَأَنَّهُمْ يَخِشُونَ النَّاسَ أَخْيَالًا  
 وَكَأَنَّهُمْ تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ  
 بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَا لِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ  
 إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَ لَا  
 تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ  
 وَتَصَدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ  
 مِمَّنْ آمَنَ بِهِمْ وَتُبْغُونَهَا  
 عِوَجًا وَإِذْ عُرُوا إِذْ كُنْتُمْ  
 قَلِيلًا فَكَفَرْتُمْ وَالظُّرُومُ  
 مَحْفُوفَةٌ وَإِن كَانَتْ  
 الْمُضَيِّقَاتُ وَإِن كَانَتْ طَائِفَةٌ  
 مِنْكُمْ آمِنُوا بِالَّذِي أَدَّبْتُمُ  
 بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا  
 حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ  
 خَيْرُ الْحَاكِمِينَ - قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ  
 اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنَحْنُ  
 يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ  
 مِنْ قَوْمِنَا أَكْثَرُونَ فِي  
 مِلَّتِنَا قَالَ أَتَوَدُّونَا كَارِهِينَ  
 قَدْ أَفْتَرَيْتُمْ عَلَى اللَّهِ عَدْوِيًا  
 وَإِن عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ  
 نَجَّيْنَا اللَّهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن  
 نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّنَا  
 وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ

کی صاف پہنائی آگئی ہے۔ لہذا زمین اور پیمانے پورے  
 کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھٹانہ دو اور زمین  
 میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی  
 ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر تم واقعی مومن  
 ہو اور زندگی کے ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ  
 جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان لانے  
 والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی  
 راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو وہ  
 زمانہ جب کہ تم تھوڑے تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں  
 بہت کر دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں  
 مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ اگر تم میں سے  
 ایک گروہ اس تعلیم پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں  
 ایمان لاتے ہیں اور دوسرا ایمان نہیں لاتا تو میرے  
 ساتھ دیکھتے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے  
 درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ  
 کرنے والا ہے۔ اس کی قوم کے سواروں نے جو  
 اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے۔ اس سے کہا ہے  
 شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ  
 ایمان لاتے ہیں۔ اپنی بستی سے نکال دیں گے  
 ورنہ تم لوگوں کو ہماری طاقت میں واپس آنا ہوگا  
 شعیب نے جواب دیا کیا ہمیں زبردستی پھرایا  
 جائے گا۔ خواہ ہم راضی نہ ہوں۔ ہم اللہ پر چھوٹ  
 گھڑنے والے ہوں گے۔ اگر تمہاری طاقت میں  
 پلٹ آئیں۔ جب اللہ ہمیں اس سے نجات دے

تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ  
 قَوْمِنَا يَا رَبُّهُوَ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ  
 وَقَالَ الْمَلَأَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا امِينُ  
 قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اتَّبَعَتْكُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ  
 إِذَا الْخَاسِرُونَ فَتَاخَذَتْهُمْ  
 السَّرَّجَةُ فَمَا صَبَّحُوا فِي دِيَارِهِمْ  
 جَائِعِينَ الذِّبْنَ عَذَابًا شَعِيبًا  
 كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ - فَتَوَلَّى  
 عَنْهُمْ وَقَالَ يَ قَوْمِ لَقَدْ  
 أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ  
 لَكُمْ فَكَيْفَ أُنسِي عَلَى قَوْمٍ  
 كَاذِبِينَ -

چکا ہے۔ ہمارے لئے تو اس کی طرف پلٹنا اب  
 کسی طرح ممکن نہیں۔ الایہ کہ خدا ہمارا رب ہی  
 ایسا چاہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز پر  
 حاوی ہے۔ اسی پر ہم نے اعتماد کر لیا۔ اسے  
 رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان  
 ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے اور تو بہترین کرنے  
 والا ہے اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی  
 بات ماننے سے انکار کر چکے تھے۔ آپس میں  
 کہا اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کر لی تو  
 برباد ہو جاؤ گے۔ مگر ہوا یہ کہ ایک دہلا دینے  
 والی آفت نے ان کو آیا اور وہ اپنے گھروں  
 میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ جن  
 لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا۔ وہ ایسے مٹے  
 کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے اور  
 شعیب یہ کہہ کر ان کی بستیوں سے نکل گئے کہ اسے  
 برا دران قوم میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں  
 پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا  
 اب میں اس قوم پر کیوں افسوس کروں جو قبول حق  
 سے انکار کرتی ہے۔

اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں  
 نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو سپتے چلی  
 اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو۔ اس خیال سے شاید کہ  
 وہ عاجزی پر آتے آئیں پھر ہم نے ان کی بے عالی  
 کو خوش حالی میں بدل دیا۔ یہاں تک کہ وہ خوب چلے

وَمَا أَدْرَاكَ فِتْنَةَ رَبِّهِ  
 مِنْ نَسِيٍّ إِلَّا آخَذْنَا أَهْلَهَا  
 بِالْبَأْسَاءِ وَالْقَارَاءِ نَعْتَهُمْ  
 يَفْتَرُونَ ثُمَّ مَدَدْنَا مَكَانَ  
 السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ

پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف پر بھی  
اچھے اور بُرے دن آتے ہی رہتے ہیں۔ آخر کار  
ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں ہرگز بونی

عَفَا وَ مَنَّا فَنَدَّ  
مَنْ أَبَاؤَنَا الْمَتَدَا  
وَالشَّرَائِمْنَا فَنَاخِذْنَا  
بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش  
اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین سے برکتوں کے  
دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے تو جھٹلایا  
لہذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انہیں  
پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔

وَكُوْنُوا أَهْلَ الْمَقَاتِلِ  
وَالْتَمُوا لِفِتْحِنَا عَلَيْهِمُ  
بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ  
وَلَكِن كَذَّبْنَا فَنَاخِذْنَا  
بِمَا يَكْسِبُونَ۔

پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف  
ہو گئے ہیں کہ ہمارے گرفت کسی اچانک ان پر  
رات کے وقت نہ آجائے گی جب کہ وہ سونے  
پڑے ہوں یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا  
مضبوط ہاتھ کسی یکا یک ان پر دن کے وقت  
نہ پڑے گا۔ جب کہ وہ کھیل رہے ہوں، کیا یہ لوگ  
اللہ کی چال سے بے خوف ہیں، حالانکہ اللہ کی چال  
سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے۔ جو تباہ ہونے  
والی ہو۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن  
يَأْتِيَهُمْ بَأْسًا بَيِّنًا وَهُمْ  
نَائِمُونَ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ  
أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسًا ضَعِيفًا  
وَهُمْ يَلْعَبُونَ أَوَأَمِنُوا مَكْرَاهِ  
فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَاهِ إِلَّا  
الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ۔

(سورة الاعراف ۵۹-۹۹)

اللہ کا انسانیّت سے ہمیشہ ہی معاصر رہا ہے !

کافروں کے بارے میں یہ نہ سمجھو کہ وہ زمین میں  
بھاگ کر ہم کو ہرا دیں گے۔  
اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے  
نہیں ہیں۔

لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ عَفَوْنَا  
مَعْذِرَتِهِمْ فِي الْأَرْضِ (سورة نور ۵۶)  
وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ  
لَكِنِّي أَهْلَتُنَا النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ  
(سورة يوسف ۲۱)

جاہلیت خواہ کتنی ہی سرکش کیوں نہ ہو اللہ کو عاجز نہیں بنا سکتی بلکہ اللہ کی سنت زمین میں نافذ ہو کر رہتی ہے اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ پہلے وہ لوگوں کو سختی اور مصائب میں ڈال کر آزمانا ہے شاید کہ وہ اللہ سے ڈر کر اس کی طرف آجائیں۔ اگر لوگ نہیں ڈرتے تو اللہ تعالیٰ برائی کو اچھائی سے بدل دیتے ہیں اور لوگوں کو بے پناہ نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کو بھول جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد بھی تنگی اور آسائش دونوں حالتوں میں رہے ہیں ہم بھی انہیں کی طرح کبھی تنگی میں ہوتے ہیں اور کبھی آسائش میں! جب لوگوں کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اچانک آلیتا ہے۔ اور انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا!

### مستقبل میں اسلام کا علم

ہم آج محسوس کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ انسانیت میں تبدیلی کا ہو چکا ہے۔ یا۔۔۔ تو۔۔۔ جاہلیت کے مارے ہوئے کافروں کی تباہی۔ یا۔۔۔ پھر ان کو ہدایت دی جانے والی ہے۔ یا۔۔۔ انسانیت میں سے کوئی نوبخیز نسل دین الہی کو لے کر اٹھنے والی ہے۔

وَاللّٰهُ خَالِبٌ عَلٰی اٰمِنٍۙ

اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَخْتَصِمُوْنَ

نہیں ہیں (سورۃ یوسف ۲۱)

اب پھر اگر ہم دنیا کے نقشے پر نظر ڈالیں۔ تو اب دنیا اس طرح جاہلیت میں ڈوبی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ جیسا کہ پہلی نظر میں معلوم ہوتی تھی اب کچھ دور نور کی کرنیں چھوٹی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔ اور۔۔۔ اسی نور کی روشنی میں میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں! کہ دور جاہلیت کے افق پر ایک نور

کی کرن چھوٹ رہی ہے!

کسی بھی شخص کو اللہ نے غیب کا علم نہیں دیا ہے۔ لیکن ہم اللہ کی ناقابل تبدیل سنت معلوم کر سکتے ہیں۔ اور اللہ کی سنت اب پکار پکار کر کہہ رہی ہے، اللہ کی طرف ہدایت۔ یا۔۔۔ تباہی و ہلاکت! مگر چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت نہیں کہ پوری انسانیت ہی تباہ ہو جائے۔ اس لئے اللہ کی طرف ہدایت یقینی ہے۔ اور۔۔۔

ہمیں امید ہے کہ انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنالے گی۔ اور اس خوش آئند مستقبل کی بشارتیں

جاہلیت کی تاریکی میں چمکتی ہوئی صاف نظر آ رہی ہیں!

آج جاہلیت کے زیر سایہ انسانیت ایک بھیانک بد قسمتی اور بد بختی سے دوچار ہے۔ اور لوگ عذاب الیم میں مبتلا ہیں! قلق و بے چینی لوگوں کے اعصاب کو معطل کیے دے رہی ہے۔

سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق اور جنسی تعلقات کا بھیانک بگاڑ انسانیت پر مظالم ڈھا رہا ہے۔ یہ سب علامات ہیں اس بات کی کہ انسانیت اللہ کی طرف لوٹنے والی ہے۔ انسانیت کی یہ بد بختی اس کی قوت برداشت سے زیادہ ہے۔ اور یہ عذاب الیم انسانیت کو کچلنے والا ہے۔

جاہلیت چونکہ اللہ کی دشمن ہے۔ اس لئے وہ شقاوتوں اور بد بختیوں کو برداشت کر رہی ہے۔ یا۔ اس لئے برداشت کر رہی ہے کہ اس کے منافع کی تکمیل اسی راستے سے ہو سکتی ہے! — کچھ بھی ہو۔ ہلاکت و تدمیر انسانیت کی گہرائیوں تک اتر چکی ہے اور انسانیت تباہی کے غار میں گرنے والی ہے۔

اللہ کی دشمن موجودہ انسانیت تباہ ہو جائے گی۔ اور آئندہ نسل اللہ کے دین کو لے کر اٹھے گی اور اس کو عملاً نافذ کرے گی! موجودہ نسل کے انکار کی وجہ سائنس اور علم ہے! اور شیطانوں نے لوگوں کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ سائنس اور علم ایمان باللہ کے منافی ہے اور علم نے قرون وسطیٰ کے "خدا" وغیرہ کی خرافات کا قصہ پاک کر دیا ہے!

گویا ترقی علم بھی شیطانوں کے ہاتھ میں ایک زبردست ہتھیار ہو گئی کہ جوں جوں علم ترقی کرتا جاتا ہے، لوگ اللہ سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن سائنس دان جو پہلے لوگوں کو کفر کی طرف لے گئے تھے اب خود اللہ کی طرف آرہے ہیں۔ یہاں ہم سائنس دانوں کے کچھ بیانات نقل کریں گے، جو ہم پہلے بھی کر چکے ہیں!

## سائنس دانوں کے بیانات

ماہر طبیعیات و ریاضیات سر جیمز جینز کہتے ہیں:

"قدیم سائنس ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ طبیعت صرف ایک راستے پر گامزن ہے، جو اس کے لیے ہمیشہ کے لیے متعین کر دیا گیا ہے۔ علت و معلول کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔ اگر "ا" وقوع پذیر ہوتا ہے تو "ب" ضرور رونما ہوتی ہے۔"

— لیکن جدید سائنس کہتی ہے کہ "ا" کے بعد "ب" بھی آسکتی ہے اور "ج" اور "د" بھی! —  
 زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ "ب" کے وقوع پذیر ہوجانے کے امکانات "ج" سے زیادہ ہیں  
 اور "ج" کے رونما ہونے کے امکان "د" سے زیادہ ہیں۔ بلکہ "ب" "ج" اور "د" کے وقوع پذیر  
 ہونے کے امکانات کی تجدید بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ جدید سائنس  
 صرف احتمالات کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور جو کچھ لازمی طور پر وقوع پذیر ہونا چاہیے اسے  
 اقدار پر چھوڑ دیتی ہے۔

جامعہ فریکنگٹ کے نباتیات و حیاتیات کے استاد ارنست چارلس رسل کہتے ہیں  
 "اس بارے میں کہ جمادات سے زندگی کس طرح ظہور پذیر ہوئی۔ کئی نظریات پیش  
 کئے گئے ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ حیات پر دو جن سے پیدا ہوئی ہے یا فیروز  
 سے پیدا ہوئی ہے۔ یا پتھین کے بعض بڑے بڑے اجزاء کے آپس میں مل جانے سے پیدا  
 ہوئی۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان نظریات نے جمادات سے زندگی کی تشکیل کا درمیانی  
 خلا پُر کر دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمادات سے زندگی کے صدور کے بارے میں تمام  
 نظریات غلط ہیں۔ کوئی بھی شخص جو اللہ کے وجود کا منکر ہو۔ اس قول کی کوئی دلیل نہیں رکھتا  
 کہ اتفاقاً چند اجزاء کے آپس میں مل جانے کی بنا پر زندگی وجود پذیر ہوئی ہو اور پھر اس  
 نے وہ شکل اختیار کسلی جو ہم زندہ خلیوں میں دیکھتے ہیں۔ ہر شخص کو کھلی آزادی ہے کہ  
 وہ زندگی کے وجود پذیر ہونے کی اس توجیہ کو درست مان لے۔ لیکن اس توجیہ پر ہم  
 ایمان لانے کے بعد انسان اس سے کہیں زیادہ الجھنوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ جتنا کہ  
 وہ اللہ پر اعتقاد رکھ کر ہو سکتا ہے۔ جس نے اشیاء کو اپنے حسن تدبیر سے پیدا کیا ہے۔"  
 "میں سمجھتا ہوں کہ ہر زندہ خلیہ میں اس قدر پیچیدگیاں ہیں کہ اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے  
 زمین پر موجود کہڑے خلیے اللہ کے وجود کی گواہی دے رہے ہیں۔ اسی لئے میں تو اللہ پر  
 نہایت پکاسا ایمان رکھتا ہوں۔"

ولیم ایمریج کہتے ہیں۔ جامعہ ایوی سے ڈاکٹر۔ ماہر نباتیات۔ مشگین یونیورسٹی میں طبیعیات

”علوم سائنس میں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ لامتناہی اور غیر معمولی چھوٹے چھوٹے نقطے کس طرح پیدا ہوئے اور کس طرح یہ زندگی کی تشکیل کے لیے آپس میں مل جاتے ہیں۔ میں نے حیاتیات کے مطالعہ میں کافی وقت گزارا ہے اور حیاتیات، زندگی کے مطالعہ کے لیے بہت بڑی جولان گاہ ہے اور اللہ کی مخلوقات کا مطالعہ انتہائی دلچسپ ہے۔ ذرا سڑک کے کنارے اُگے ہوئے برسیم ہی کدکچھ لیجئے۔ انسان کے ہائے ہونے تمام آلات اور مشینیں بھی اس حقیر سے پودے کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ یہ ایک زندہ مشین ہے جو شب و روز مصروفِ عمل ہے اور ہزاروں کیمیائی اور طبعی حالات سے گذر رہی ہے۔ اور یہ تمام عمل پروٹوپلازم کے ماتحت ہو رہا ہے۔ وہ مادہ جو تمام کائنات کی ترکیب میں شامل ہے۔“

یہ زندہ اور پیچیدہ مشین آخر کس طرح پیدا ہو گئی؟ ظاہر ہے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صرف اس پودے کو پیدا ہی نہیں کیا۔ بلکہ اسے زندگی بھی بخشی اور اسے اپنے وجود کی حفاظت کا سلیقہ دیا کہ وہ اپنے تمام خواص اور میراث کے ساتھ ہر آنے والے نسل میں اپنے وجود کو برقرار رکھے اور اپنے آپ کو دوسرے نباتات سے ممتاز رکھے۔

زندگی کی کثرت کا مطالعہ زیادہ دلچسپ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے۔“

یہاں ہم نے بطور مثال چند اقتباسات نقل کر دیئے ہیں اور یہ سارے اقتباسات صرف ایک کتاب کے لئے لگے ہیں۔ جو اللہ پر ایمان و یقین کے پڑھے۔ اگر چہ ان میں سے اکثر تصورات پر جاہلیت کی پرچھائیں صاف معلوم ہوتی ہے۔

غرض یہ ہیں سائنس دانوں کی شہادات — یہی سائنس دان پہلے انسانیت کو کفر کی طرف لے گئے مگر اب خود اللہ کے وجود کے قائل ہو رہے ہیں۔

موجودہ دور کے مختلف نظام ہائے زندگی کی تباہی بھی انسانیت کو اللہ کی طرف لے جانے والی ہے۔ سرمایہ داری نظام دنیا کے اکثر حصے میں پامال ہو چکا ہے اگرچہ امریکہ میں ابھی تک موجود ہے

لیکن وہاں بھی دم توڑ رہا ہے۔ سرمایہ داری کے زوال کا سبب تاریخ کی مادی اور اقتصادی تحریک نہیں بلکہ اللہ کی سنت ہے۔ اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ اس نظام کی ہلٹیاں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں۔ اس لئے اب اسے ختم ہو جانا چاہیے۔ یہ گئی اشتراکیت جو جاہلیت کی نئی پیداوار ہے وہ بھی زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی!

مارچ ۱۹۶۲ء میں خرد شجیعت نے کہا تھا کہ اہل قوتوں میں مطلق مساوات کو ختم کرنا پڑے گا۔ پیداوار کی زیادتی کے لیے انفرادی دلچسپی پیدا کرنا ضروری ہے اور اجتماعی کاشت کا طریقہ بہت کم پیداوار کا حامل ہے! خرد شجیعت کے قول کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ یہ مارکسیٹ دینیتیت سے الٹا ہے اور یہ اشتراکیت سے کسی دوسرے نظام کی طرف انحراف ہے۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت یہی دو نظام جاہلیت جدیدہ میں ناقذ العمل ہیں۔ اگر یہ بطور فکر اور بطور نظام فیل ہو گئے۔ خواہ ان کی سیاسی طاقت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو تو کسی نئے نظام کو اس خلا کو پُر کرنا چاہیے۔ سیاسی قوت کو مد نظر نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ اس "فکر" کو دیکھا جاتا ہے۔ جو سیاسی قوت پر حاکم اور کارزار حیات میں اسے کامیابی سے بھگتا کر سکتی ہے۔

## اسلام — انسانیت کا مستقبل

ان دونوں نظام کے خاتمہ کے بعد نیا نظام اسلام ہی ہو سکتا ہے۔

کیونکہ اب دنیا میں کوئی نظام ایسا باقی نہیں ہے جس کا انسانیت تجربہ کرے۔ اور جو سرمایہ داری اور اشتراکیت کی طرح انتہا پسند ہونے کے بجائے معتدل ہو۔ یہ اعتدال کی راہ صرف اسلام ہے۔ اور اس کے ماننے والے مسلمان ہیں۔

اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پہلے ہی  
 اور اس میں بھی تاکہ تمہارے رسول گواہ ہوں  
 اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو۔

هُوَ سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ  
 مِنْ قَبْلُ وَ فِي هَذَا لِيَكُونَ  
 الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ  
 وَ تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔

(سورۃ الحج - ۷۸)

اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو

وَ كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً



وَسَطًا يَشْكُرُونَ شَهَدَاءَ  
عَنِ النَّاسِ وَيَكُونُ الشُّكْرُ  
عَلَيْكُمْ سَخِيحًا (سورہ البقرہ ۱۴۳)

یہ بشارتیں اور دلائل ہیں۔ اس بات کے کہ انسانیت اللہ کی طرف رجوع کرنے والی ہے۔  
مندرجہ بالا نشانوں کے علاوہ انسانیت کی اللہ کی طرف واپسی پر ایک تاریخی دلیل بھی ہے۔  
امریکہ جو جاہلیت جدیدہ کا مرکز ہے۔ جس نے ایشیا اور افریقہ میں اسلام کو ختم کرنے کی بے پناہ  
کوششیں کی ہیں اور اسلام کے خاتمہ کے لیے اپنے تمام تر وسائل کام میں لایا ہے اور اس کے ساتھ صلیبی مکر اور  
یہودی سازش بھی اسلام کے خاتمہ کے لئے متحد ہو گئے ہیں۔ اسی امریکہ۔ اور جاہلیت کے  
گڑھ میں ایک زندہ و متحرک اسلامی تحریک بیدار ہو رہی ہے۔ جو اسلامی نظام کے قیام کی خواہاں ہے  
یہ جاہلیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تمسخر ہے اور جاہلیت کا استہزاء ہے کہ صلیبی فریب اور یہودی سازش  
نے عالم اسلام میں اسلام کے خلاف جنگ برپا رکھی۔ اور پھر تحریک اسلامی کو کچل ڈالا اور یہ سمجھنے  
لگے کہ ہم نے اسلام کو اس کے تقلیدی وطن میں کچل ڈالا ہے۔ اور اب اسلام میں دم نہیں رہا کہ  
وہ کسی وقت جاہلیت کے مقابلہ پر آسکے۔ تو جاہلیت کے متوالے فرماں و شاداں اپنی کرسیوں  
پر بیٹھ گئے اور اپنی کامیابیوں پر خوشی سے ہاتھ ملنے لگے۔

لیکن اچانک خود ان کے گھر میں ایسی مصیبت آئی کہ ان کے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے  
کس طرح چھٹکارہ پاتیں۔

مسلمانوں کو ہر قسم کی تکلیفیں قید و بند کی صعوبتیں دی گئیں اور مسلمانوں کو اس ماحول میں  
جکڑنے کی پوری پوری کوششیں کیں جو انہوں نے مسلم ممالک پیدا کئے تھے۔ لیکن اب خود ان کے  
ملک میں اسلام کی آواز سنائی دی جا رہی ہے۔ یہ ہے اللہ کا مذاق جاہلیت کے ساتھ! —

وَسَكْرًا وَسَكْرًا  
وَاللَّهُ خَيْرٌ مَّا تُكِيدُونَ۔  
اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ  
نے خفیہ تدبیر فرمائی۔ اور اللہ سب تدبیریں  
کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

(آل عمران ۵۴)  
آثَامِيْنًا مَّسْكُوْنًا فَلَآ  
کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں حالانکہ

يَا مَنُّ مَكَرًا لِلَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ  
الْعَاصُونَ - (الاعراف - ۹۹) تباہ ہونے والی ہو۔

مندرجہ بالا بیان سے آپ یہ بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

جاہلیت کے متوالے اس خیال میں ہیں کہ انہوں نے اللہ کے دین کو زمین سے ختم کر دیا ہے۔

اور انہوں نے دین کا تصور بھی ناممکن بنا دیا ہے لیکن انسان اللہ کے دین پر حکمران نہیں ہو سکتے؛

اور جو لوگ جاہلیت کے گڑھ میں زندگی گزار رہے ہوں اور جاہلیت کے تمام زہری چکے ہوں۔

وہ اچانک مسلمان ہو جائیں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے انسانیت کو ہدایت پر لانے کی ایک مثال ہے۔

بہر حال مستقبل کا انسان یقیناً اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

اور یہ امر اللہ کے لیے بالکل آسان ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے راستے کی طرف ہدایت عطا

فرمائے۔ جیسا کہ ہم اخبار و رسائل میں اس قسم کی خبریں دیکھ رہے ہیں کہ لوگ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ

مستقیم کی طرف آرہے ہیں۔

جاہلیت کے ہر قسم کے مکر کے باوجود یہ کام اللہ پر بالکل آسان ہے۔

جاہلیت کے مکر و فریب اللہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے؛

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ  
اللَّهُ اِذَا يَشَاءُ يَكْتُبُ

وَيُخَيِّرُ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ - جانتے نہیں ہیں۔

عالم اسلام میں بسنے والے نام نہاد مسلمان اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا پتلا وہ لادے

ہوئے پیش ہوں گے۔!

دین کے بارے میں کاہلی برتا صالح معاشرے کے قیام کے لئے عملی جدوجہد کرنا۔ جاہلیت

کی اتباع کرنا۔ زندگی کا جاہلی مفہوم اختیار کرنا اور دین کے بارے میں جاہلیت کے پہنائے ہوئے

معانی کو اختیار کرنا امت مسلمہ کے لیے عظیم گناہ ہیں کہ وہ اللہ کے عذاب سے کسی صورت نہیں

بچ سکتے!

مستقبل میں مسلمانوں کے اس گناہوں کے پتلا وہ کا بوجھ اور بھی بڑھ جائے گا۔ جب انسانیت

تو اللہ کے راستے کو اپنا رہی ہوگی اور عالم اسلام کا نام نہاد مسلمان۔ اسی طرح ذلت و جہالت کا شکار

ہوگا! جی ہاں! اسلام بھرا ہوگا اور مسلمان اسی طرح ذلت و مسکنت جہالت اور کمزوری کا شکار  
ہوں گے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں مٹا کر تمہاری جگہ  
ایک نئی قوم لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر  
قادر ہے۔ (النساء - ۱۳۳)

إِنْ يَشَاءُ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا  
الْمَنَاسِقُ ذِيَاتِ سِبْأِ حَيْدِثِ  
وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ مُدْبِرًا

یہ نام نہاد مسلمان مستقبل میں عار و شرمندگی کا شکار ہوں گے۔ جب یہ دیکھیں گے کہ دوسری  
اقوام اللہ کے دین کو قائم کرنے اٹھ رہی ہیں اور یہ بدستور ذلت و مسکنت کا شکار ہیں!  
اب خواہ یہ مسلمان جماعت خراب تعلیم سے بیدار ہو یا یہ غفلت موت کی غفلت سے  
بدل جائے!

خواہ دین کے مقابل قوتیں۔ دین کا مقابلہ چھوڑ دیں یا مقابلہ زیادہ سخت اور کٹھن ہو جائے!  
انسان اللہ کی طرف لوٹ کر رہے گا! مستقبل کا انسان پکا سچا مومن ہوگا!  
جتنا آج کفر پھیلا ہوا ہے۔ جس قدر عذاب الیم میں آج کی انسانیت مبتلا ہے۔ اور۔  
جس قدر طاغوتی تاریخیاں ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لٹے ہوئے ہیں۔ اسی قدر مستقبل اللہ کے  
نور سے روشن ہو جائے گا! اور اس نور کی کرنیں، جاہلیت کی تاریکیوں میں غمے چھوٹنی شروع  
ہو چکی ہیں! یقیناً کل اللہ کا دین روشن ہونے والا ہے۔

خواہ ہم اپنی مختصر سی عمر میں اللہ کے دین کو پھیلتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یا ہمارے  
بعد آنے والی نسل اللہ کے نور کی ٹھٹھک میں آجائے۔ یہ یقینی ہے۔ کہ  
انسانیت اللہ کی طرف لوٹنے والی ہے۔

اور۔ پھر انسانیت کا اللہ پر ایمان بہت پختہ اور مکمل ہوگا!

وَاللَّهُ مَتِّمٌ لِّأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ  
كَلِيمٌ الْكَافِرُونَ۔ (الصافات - ۸)

اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا  
اگرچہ کافر لوگ کیسے ہی ناغوش ہوں۔